حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

غلام باری سیف

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

انتساب

شَفِیعُ الْمُذْنِبِیْن رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْن !

ایک گناہ گار امتی کی عقیدت و محبت کا یہ ادنیٰ اظہار ہے

زہے نصیب جو مجھے بھی قیامت کے دن آپؐ کی شفاعت نصیب ہو

؎ شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

غلام باری سیف
غفر اللہ لہٗ

دس ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ بمطابق ۲۰/اکتوبر ۱۹۸۰ء
۲۰ آخار ۱۳۵۹ ھش

محمدؐ ہی نام اور محمدؐ ہی کام

عَلَیْکَ الصَّلٰوۃُ عَلَیْکَ السَّلَامُ

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم ؕ

پیش لفظ

مکرم محترم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل اعلیٰ و وکیل التبشیر تحریک جدید

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح اور سیرت سے متعلق چھپنے والی ہر کتاب اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں کے دِلوں میں محبت کی چنگاری روشن ہے۔ اور وہ حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کو زیادہ سے زیادہ اپنا کر اپنی زندگیوں کو بہتر سے بہتر بناتے ہوئے اللہ تعالےٰ کی رضا کے خواہاں ہیں۔ حضورؐ کا تذکرہ چاہے زبانی ہو یا تحریری دِلوں میں ایمان کی حرارت پیدا کرتا ہے اور گزرگاہِ حیات کو روشن سے روشن تر بنا دیتا ہے۔

اس موضوع پر بے شمار کتابیں موجود ہونے کے باوجود ہر نئی کتاب کوئی نہ کوئی نیا زاویہ پیش کرتی ہے۔ اور ہر پڑھنے والے کو اس کے اپنے ذوق کے مطابق کچھ گوشے ایسے نظر آتے ہیں جو پہلے آنکھوں سے پوشیدہ تھے۔ اور یہی بات تقاضا کرتی ہے کہ اس موضوع پر زیادہ سے زیادہ لکھیں اور پڑھنے والے زیادہ سے زیادہ پڑھیں۔

مکرّم مولوی غلام باری صاحب سیفؔ مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے بھی اس موضوع پر قلم اُٹھایا ہے۔ مکرّم مولوی صاحب موصوف ہمارے سلسلہ کے ان علماء میں شمار ہوتے ہیں جن میں نہ صرف علم کی گہرائی موجود ہے بلکہ جو زبان و قلم سے دین متین کی خدمت میں شب و روز کوشاں رہتے ہیں۔ جہاں اس کتاب کی ترتیب اور تدوین میں انہوں نے خاصی محنت سے کام کیا ہے اور زندگی کے مختلف گوشوں کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی ہے اور ہر کہی گئی بات کے لئے سند کے طور پر حوالے بھی دیئے ہیں وہاں یہ بھی ظاہر و باہر ہے کہ مولوی صاحب موصوف نے اس کا ایک ایک لفظ محبّت کے جذبے سے سرشار ہو کر تحریر کیا ہے۔

میری یہی دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ مولوی صاحب موصوف کو اس تحریر کا اجرِ عظیم عطا فرمائے اور جس محبّت سے یہ سب کچھ لکھا گیا ہے اس کے بدلے اپنی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت عطا فرمائے کہ یہی حاصلِ زندگی ہے۔ خدا کرے کہ اس کتاب کی زیادہ سے زیادہ اشاعت ہو سکے۔ آمین ۞

تقریظ

مکرّم محترم شیخ محمّد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ امیر جماعتہائے احمدیہ فیصل آباد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی سیرت اور سوانح پر متعدد تصانیف موجود ہیں اور

ہر گُلے را رنگ و بُوئے دیگر است

حضورؐ کی سیرت کے بے شمار پہلو ہیں۔ اور یہ ایک بحرِ ناپیدا کنار ہے۔

محترم غلام باری صاحب سیف نے سالہا سال کی محنت اور عرق ریزی سے یہ کتاب لکھی ہے۔ اور اس میں حضورؐ کی سیرت کے بہت سے نئے پہلو بیان کئے ہیں۔ اس لئے اس کی افادیت زیادہ ہو گئی ہے۔ کتاب بہت دِل آویز پیرایہ میں لکھی گئی ہے۔ اور تا امکان سیرت و سوانح کو بہت عُمدگی سے بیان کیا گیا ہے۔ اور حوالہ جات سے مزیّن یہ کتاب بہت مفید ہے اور سابقہ تصانیف پر ایک گرانقدر اضافہ ہے۔ ہر شخص اس کتاب سے مستفید ہو سکتا ہے۔ خصوصاً نوجوان طبقے کے لئے یہ کتاب نہایت مفید ہے اللہ تعالےٰ اس میں برکت عطا فرماوے۔ آمین ﴿

عرب کا جغرافیائی ماحول:

وہ برگزیدہ ہستی جس نے دنیا کو انسانیت کا درس دیا۔ جس کے آنے سے ظلمت کا نور ہوئی اور کائنات نور اور ہدایت سے منور ہوئی۔ جس کو خدا نے کامل شریعت دی۔ جس نے نوع انسان کو خدا کی راہ دکھائی۔ جس کا نام محمدؐ تھا جس کے کام محمدؐ تھے، محمدؐ یعنی قابلِ تعریف۔

وہ محبوب ہستی آج سے چودہ سو سال پیشتر عرب کے ملک میں پیدا ہوئی۔ عرب ایک جزیرہ نما ہے جو ایشیا کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ حدود اربعہ کے لحاظ سے اس کے مشرق میں خلیج فارس اور خلیج عمان، مغرب میں بحرِ احمر، جنوب میں بحیرۂ عرب اور شمال میں شام اور عراق ہیں۔

ملکِ عرب کی شکل مستطیل سی ہے اس کے تین طرف پانی ہے اور ایک طرف خشکی۔ اس کا رقبہ تقریباً بارہ لاکھ مربع میل ہے۔ طول قریباً

سولہ سو میل اور عرض قریباً سات سو میل۔ آبادی اب ایک کروڑ سے بڑھ چکی ہے۔

جائے وقوع کے لحاظ سے عرب کا قریباً نصف حصہ منطقہ حارہ میں واقع ہے اور نصف منطقہ معتدلہ میں۔ خطِ سرطان اس کے وسط سے گزرتا ہے۔ اس میں کوئی قابلِ ذکر دریا نہیں۔ ہاں برساتی نالے ہیں پانی کی قلت ہے۔ بارش بہت کم ہوتی ہے۔ آب و ہوا گرم اور خشک ہے لیکن اس کی اکثر زمین ریتلی ہے۔ دن اور رات کے موسم میں بڑا فرق ہے۔ دن کو جب ریت تپتی ہے تو سخت گرمی ہوتی ہے لیکن رات کو ریت ٹھنڈی ہو جاتی ہے تو سردی ہو جاتی ہے۔ سب سے بڑی پیداوار کھجور ہے لیکن اب تیل کی دریافت اور حجاج کی کثرت نے ملک کو مالا مال کر دیا ہے۔ اونٹ، گھوڑے، گدھے بکثرت پائے جاتے ہیں۔ زیادہ تر باربرداری کا کام انہیں سے لیا جاتا ہے اور اب تو موٹروں کی کثرت ہے۔

عرب بنو اسماعیل میں سے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اکیس بائیس سو سال قبل عراق میں پیدا ہوئے۔ ان کے دو بیٹے تھے ایک اسماعیلؑ تھے دوسرے اسحاقؑ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک خواب کی بنا پر اپنی بیوی حضرت ہاجرہ اور ان کے بچے اسماعیل کو جو کہ حضرت اسحاق سے بڑے تھے اور خدائی بشارتوں کے ماتحت پیدا ہوئے تھے عرب کے علاقہ حجاز کی وادی بکہ میں لے جاکر

آباد کیا۔[1]

حضرت اسماعیلؑ کی اولاد بنو اسماعیل کہلائی جن سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ حضرت اسحاق کی اولاد بنو اسرائیل کہلائی۔ ان میں متعدد نبی آئے۔

حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیلؑ کو وادیٔ مکہ میں آباد کرنے کے بعد حضرت ابراہیمؑ گاہے گاہے مکہ آیا کرتے اور بیوی بچے کو دیکھ کر واپس چلے جاتے۔ حضرت اسماعیلؑ تیرہ برس کی عمر کو پہنچے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ گویا آپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں۔ آپ نے بیٹے سے خواب کا ذکر کیا تو فرماں بردار بیٹے نے کہا۔ "ابا! جو خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے آپ بجا لائیں!"[2]

حضرت ابراہیمؑ نے بیٹے کی گردن پر چھری رکھ دی تو غیب سے ندا آئی "اے ابراہیم! تو نے خواب پوری کر دی۔ اب اسماعیل کو چھوڑ دیجیے اور اس کی جگہ ایک مینڈھا قربان کر دیجیے!" اسی لئے حضرت اسماعیلؑ ذبیح اللہ کہلائے اور عید الاضحیہ کی قربانیاں اسی عظیم واقعہ

---

[1] بخاری باب یزفون النسلان فی المشی

[2] فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى قَالَ يٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۔ سَتَجِدُنِيْ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

(الصّٰفّٰت آیت ۱۰۳)

کی عظیم یادگار ہے۔

مکّہ اور مدینہ:

یہی بکّہ ہے جو آگے چل کر مکّہ کہلایا۔ یہیں حضرت محمّد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ولادت ہوئی۔ مکّہ اور مدینہ حجاز کے دو مشہور شہر ہیں۔ جن سے اسلام کی تاریخ وابستہ ہے اور یہ دونوں شہر بحرِ احمر کے کنارے واقع ہیں۔ دونوں کے درمیان اڑھائی صد (۲۵۰) میل کا فاصلہ ہے حضورؐ کی عمر کا اکثر حصّہ مکّہ میں گزرا لیکن اپنی عمر کے آخری دس برس آپؐ نے مدینہ میں گزارے۔ آپؐ کی آخری آرام گاہ بھی مدینہ میں ہے۔ یہ شہر پہلے یثرب کہلاتا تھا۔ مدینہ کی آبادی زیادہ تر یہودیوں اور بت پرستوں پر مشتمل تھی۔ یہ دونوں شہر تجارتی قافلوں کی گزرگاہ کی وجہ سے مشہور تھے اور انہیں حجاز میں مرکزی حیثیت حاصل تھی۔

عربوں کے حالات قبل از بعثت:

حضرت محمّد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت سے قبل عربوں میں تعلیم کا رواج کم تھا لیکن باوجود اُمّی ہونے کے انہیں اپنی فصاحت، بلاغت اور زبان پر بڑا ناز تھا۔ جس شخص کو وضاحت اور اظہارِ بیان پر قدرت حاصل نہ ہو اُسے وہ عربی نہیں عجمی کہتے تھے۔ ان کی شاعری میں محبوبہ سے محبت کا اظہار، بڑائی اور بہادری کا ذکر ہوتا یا دوسروں کی ہجو۔ پاسِ عہد، مہمان نوازی، دلیری، عزتِ نفس، حفظِ شرف، پڑوسی کا اکرام، بلند ہمتی، حمیّت، انتقام ان کے نمایاں اوصاف

تھے ۔ دوسری جانب بُت پرستی ، شراب خوری ، جوا بازی ، زنا اُن کی عادت بن چکا تھا ۔ بیٹیوں کو زندہ درگور کرتے ۔ متبنّٰی یعنی کسی کو منہ بولا بیٹا بنانے کی رسم کا بھی ان میں رواج تھا ۔ اُن کے مشہور بتوں کے نام یہ تھے ۔ لات ، عزیٰ ، ہبل ، نسر ، سواع ، یغوث ، یعوق[۱] اس لئے ان کے نام پر وہ اپنے نام عبدالعزّیٰ ، عبدیغوث وغیرہ رکھتے ۔ قتل و غارت کے دلدادہ تھے ۔ معمولی باتوں پہ سالہا سال ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ سے برسر پیکار رہتا ۔ لڑائی کے آغاز میں پہلے دونوں طرف سے بہادر نکلتے ۔ ایک دوسرے کے خلاف بہادری پہ مشتمل اشعار پڑھتے ، نعرے بلند کرتے پھر آپس میں گتھم گتھا ہو جاتے ۔ بعض اوقات اپنے گھوڑوں کی ٹانگیں کاٹ ڈالتے اور ایک دوسرے پہ پل پڑتے ۔ انفرادی مقابلوں کے بعد عام جنگ شروع ہو جاتی ۔ ان کے جنگی ہتھیار تلوار ، نیزہ اور تیر کمان تھے ۔

ان لوگوں میں یہ مشہور تھا کہ جو میدانِ جنگ میں مرتا ہے اس کی روح زخموں کے راستے نکلتی ہے اور جو چارپائی پر جان دیتا ہے اس کی روح ناک کے راستے نکلتی ہے ۔

عربوں کے مذاہب :

بت پرستی اور شرک زوروں پہ تھا اور اس کا مرکز مکہ تھا لیکن

---

[۱] (الف) ابن ہشام مطبوعہ مصر جلد اوّل جز اوّل ص ۵۲

(ب) قرآن مجید سورۃ نوح آیت ۲۴ ۔ وقالوا لا تذرن آلھتکم .....

نجران کے علاقہ میں عیسائی مذہب کے پیرو بستے تھے۔ مدینہ میں یہودی بکثرت تھے۔ اس کے علاوہ دہریت بھی عرب میں موجود تھی۔ وہ اللہ تعالےٰ کی ہستی۔ بعث بعد الموت اور جزا و سزا کے منکر تھے۔ پھر عرب مجوس بھی تھے جو آتش پرست اور ستارہ پرست تھے۔ یہ لوگ خدا کی ہستی کے قائل تھے۔ موجودہ پارسی قوم اسی مذہب کی تابع تھی۔ کچھ لوگ صابی مذہب رکھتے تھے یہ مذہب مجوسیت اور یہودیت کا مجموعہ تھا۔ کچھ لوگ توحید پرست بھی تھے جن کو بعض لوگ دین حنیفی کہتے تھے یعنی دین ابراہیمیؑ۔ کیونکہ توحید ان کا بنیادی عقیدہ تھا۔ حضرت عمرؓ کے چچازاد بھائی زید بن عمرو بن نفیل اور طائف کے مشہور شاعر اور رئیس طائف امیہ بن ابی صلت اور ورقہ بن نوفل کا یہی مذہب تھا۔[1]

ولادت و رضاعت:

مکہ مکرمہ کے قبیلہ قریش میں بنو ہاشم کے گھرانہ میں حضرت عبداللہؓ کے ہاں ۲۰ اپریل ۵۷۰ء بروز پیر بمطابق ۱۲ ربیع الاوّل عام الفیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی اور یہ وہ سال ہے جب ابرہہ کے لشکر نے خانہ کعبہ پر چڑھائی کی تھی[2]۔ اور خدائی عذاب سے تباہ ہوا۔ آپؐ کی والدہ محترمہ کا نام آمنہ تھا۔ عرب کے

---

[1] ابن ہشام جلد اوّل جز اوّل صفحہ ۱۴۶

[2] ابن ہشام جلد اوّل جز اوّل صفحہ ۱۰۳

معزز گھرانوں میں رواج تھا کہ بچوں کو مائیں خود دودھ نہ پلاتی تھیں بلکہ بچوں کو شہروں سے باہر بدوی لوگوں میں دائیوں کے سپرد کردیا جاتا تھا۔ اس کی دو وجہ تھیں۔ ایک تو کھلی آب وہوا میں رہ کر بچے تندرست اور توانا ہوتے دوسرے بچوں کی زبان بھی صاف اور خالص ہوتی۔ چنانچہ حضور کو شروع میں آپ کی والدہ کے بعد ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے دودھ پلایا پھر بنو سعد کی خاتون حلیمہ آپ کو پرورش کے لیے لے گئیں۔[۱] دو سال بعد جب رضاعت کی مدت پوری ہوئی۔ وہ بہت اصرار سے آپ کو پھر لے گئیں۔ چنانچہ کُل چار سال تک حلیمہ کو حضور کی پرورش کی سعادت نصیب ہوئی۔

والد اور والدہ کی وفات اور آپ کی کفالت:

ابھی آپ پیدا نہیں ہوئے تھے کہ آپ کے والد حضرت عبداللہ جو مدینہ کی طرف گئے ہوئے تھے سفر میں فوت ہوگئے۔ حضرت آمنہ نے خواب میں دیکھا تھا کہ میرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے اور اس کا نام محمدؐ رکھا گیا ہے، انھوں نے خواب میں یہ بھی دیکھا کہ ان کے اندر سے ایک چمکتا ہوا نور نکلا ہے جو دور دراز ملکوں میں پھیل گیا ہے۔

پیدائش کے چوتھے سال حلیمہ سعدیہ کے ہاں ایک واقعہ پیش آیا۔ حضورؐ جنگل میں اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ مل کر کھیل رہے تھے کہ دو فرشتے متمثل ہو کر آئے۔ انھوں نے آپؐ کو پکڑ کر آپؐ کا سینہ

---

[۱] ابن ہشام جلد اول جز اول صفحہ ۱۰۵

چاک کر کے اس میں نورؐ اور ایمان بھرا۔ حلیمہ نے جب یہ واقعہ سنا تو حلیمہ اپنے خاوند کے کہنے پر گھبرائی ہوئی آپؐ کو مکہ لائیں اور سارا ماجرا بیان کیا۔ حلیمہ نے حضورؐ کی گھبراہٹ سے اندازہ کیا کہ آپؐ پر جن یا آسیب کا اثر ہے۔ حضرت آمنہ نے فرمایا۔ "ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ میرا بیٹا بڑی شان والا ہے۔ جب یہ حمل میں تھا میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ میرے اندر سے ایک نور نکلا ہے۔"[1]

آپؐ کے شقِ صدر کا یہ واقعہ احادیث میں بھی بیان ہوا ہے جس میں یہ درج ہے کہ فرشتوں نے ایمان اور نور سے آپؐ کے سینہ کو بھرا اور یہ واقعہ ایک کشفی نظارہ تھا۔ معراج کے موقعہ پر بھی اسی قسم کے واقعہ کا ظہور ہوا۔ یہ ایک کشف تھا جس کی تعبیر یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کے دل اور سینہ کو نور سے بھر دیا ہے۔ تقریباً چار سال تک حلیمہ حضورؐ کو اپنے پاس رکھنے کے بعد آپؐ کی والدہ آمنہ کے پاس لائیں چنانچہ اب آپؐ اپنی والدہ حضرت آمنہ کی کفالت میں رہنے لگے۔ جب آپؐ کی عمر چھ سال کی ہوئی تو آپؐ کی والدہ آپ کو ننھیال کے ہاں یثرب لے گئیں۔ آپؐ قریباً ایک ماہ تک وہاں رہیں۔ واپسی پر آپ بیمار پڑ گئیں اور اپنے شوہر حضرت عبداللہ کی طرح آپ کی وفات بھی غریب الوطنی میں ہوئی اور مقام "ابواء" پر آپ کا انتقال ہوا۔[2] اور وہیں دفن ہوئیں اس سفر میں حضرت آمنہ کے ساتھ ان کی لونڈی ام ایمن بھی تھی۔ یہ لونڈی،

---

[1] ابن ہشام جلد اوّل جز اوّل صفحہ ۱۰۷

[2] ابن ہشام " " ۱۰۹

پانچ اونٹ اور چند بکریاں آپ کی والدہ کو حضور کے والد کے ترکہ میں ملی تھیں۔

دادا کی کفالت:

والدہ کی وفات کے بعد آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے (جو کہ قریش میں بہت عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے) آپ کی کفالت اپنے ذمہ لی۔ حضرت عبدالمطلب اپنے یتیم پوتے کو بہت پیار کرتے تھے۔ اسے کندھے پر بٹھا کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے۔ آپ صحن کعبہ میں فرش بچھا کر بیٹھا کرتے سوائے یتیم پوتے کے کسی کو ان کے فرش پر بیٹھنے کی مجال نہ ہوتی [1] لیکن دو سال کی کفالت کے بعد دادا بھی خدا کو پیارے ہو گئے۔ جب دادا کا جنازہ اٹھا تو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ ساتھ تھے اور روتے جاتے تھے۔ یہ تیسرا صدمہ تھا جو آپ کو آٹھ سال کی عمر تک پہنچا۔

چچا کی کفالت:

دادا کی وفات کے بعد آپ کی کفالت آپ کے چچا ابوطالب نے کی جو حضرت علیؓ کے والد محترم تھے۔ حضرت عبدالمطلب نے وفات کے وقت اپنے بیٹے ابوطالب کو آپ کا خاص خیال رکھنے کی وصیت فرمائی تھی [2]۔ چنانچہ حضرت ابوطالب نے اپنے والد کی وصیت پر پورا پورا عمل کیا آپ حضور کو اپنے بچوں سے بھی زیادہ عزیز رکھتے۔ ہر وقت ساتھ رکھتے

---

[1] ابن ہشام جلد اول جزو اول صفحہ ۱۰۹

[2] 〃 〃 〃 〃 ۱۱۶

رات کو بھی عموماً اپنے پاس سلاتے۔ چچا نے کفالت کا خوب حق ادا کیا اور مرتے دم تک آپ کا ساتھ دیا۔

دعوئ نبوت کے بعد جب ایک موقعہ پر قریش اکھٹے ہو کر آئے اور کہا۔ اپنے بھتیجے کو منع کرو کہ ہمارے بتوں کو برا بھلا نہ کہے یا پھر تم ایک طرف ہو جاؤ ہم خود اس سے نمٹ لیں گے۔ تو جہاں ایک طرف اپنے بھتیجے کے سامنے اپنی عاجزی اور قوم کے اس استکبار کا ذکر کیا۔ وہاں آپ نے بھتیجے کی مدد کا بھی علی الاعلان اظہار کیا۔[1] آپ کا ایک شعر تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے جس میں آپ نے فرمایا تھا۔

"ونُسلمُهٗ حتّٰی نُصَرَّعَ حَولَهٗ
ونذهَلُ عَنْ اَبْنَاءِنَا وَالحَلَائِلِ"[2]

کہ ہم تو اسے اکیلے نہ چھوڑیں گے اس کے ارد گرد لڑتے ہوئے لاشوں کے پشتے لگا دیں گے اور اپنے بیٹوں اور اپنی بیوی بچوں کی بھی اس راہ میں پرواہ نہ کریں گے

آپ کے چچا نے ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ شام کا سفر کیا تو بارہ سالہ بھتیجے کو ساتھ لے لیا۔ بُصریٰ جو شام کے قریب ایک مشہور مقام ہے وہاں پہنچے تو بحیرہ نامی عیسائی راہب نے ابو طالب سے کہا:

"یہ بچہ وہ موعود نبی ہے۔ آپ اہل کتاب کے شر سے اسے محفوظ رکھیں۔"[3]

---

[1] ابن ہشام جلد اول جزء اول صفحہ ۱۷۱
[2] " " " " ۱۷۷
[3] " " " " ۱۱۸

جوانی اور نبوت سے قبل آپ کے اشغال:

اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں سے اصلاحِ خلق اور دنیا کی راہنمائی کا کام لینا ہوتا ہے ان کی تربیت بھی وہ اپنے ہاتھ سے کرتا ہے۔ انہیں ہر قسم کے ادنیٰ اور ذلیل اخلاق سے محفوظ رکھتا ہے تاکہ وہ دنیا کے لئے ایک نمونہ ہوں اور وہ اُن کی عصمت کا خود محافظ ہوتا ہے ان کا کردار بے داغ اور ان کے اخلاق بے مثال ہوتے ہیں اور یہ محض خدا کی تائید اور اس کی منشاء کے تحت ہوتا ہے۔ ان کی پاکیزہ زندگی ان کے دعویٰ کی صداقت بنتی ہے اور وہ دعوئے نبوت کے بعد دنیا کو دعوت دیتے ہیں۔ کہ کوئی اُن میں سے جو ان کے اخلاق اور پاکیزہ زندگی پر اعتراض کر سکے[1]

سارے عرب میں شعر و شاعری کی محفلیں جمائی جاتیں ساری ساری رات قصے کہانیاں سنائی جاتیں لیکن حضورؐ کبھی ایسی مجلس میں نہ جاتے اس کے برعکس آپؐ کئی کئی دن اور راتیں مسلسل غارِ حرا میں جا کر عبادت اور ذکرِ الٰہی میں گزار دیتے۔ جوانی میں آپؐ تجارتی قافلوں کے ساتھ جاتے آپؐ کی دیانت، صداقت اور اعلیٰ اخلاق کی ہر طرف شہرت ہوئی اسی بنا پر مکہ کی متموّل اور عاقلہ خاتون حضرت خدیجہؓ نے آپ کو شادی کا پیغام بھجوایا تھا۔ حدیث کی کتابوں میں آتا ہے کہ سائب نامی شخص کے سامنے ایک بار لوگ حضورؐ کی تعریف کرنے لگے اور تعارف کروانا چاہا۔

---

[1] سورۃ یونس آیت ۲۴، د بخاری کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ شعراء

اس نے کہا میں تم سے زیادہ ان کو جانتا ہوں میں نے آپ کے ساتھ نبوت سے قبل تجارت کی تھی۔ آپ لین دین کے نہایت صاف تھے۔ آپ کسی قسم کا ہیر پھیر نہ کرتے تھے۔ نہ قسمیں کھاتے تھے نہ کسی کا حق مارتے تھے۔[1] آپ کی دیانت اور شہرت کی بنا پر نبوت سے قبل قوم نے آپ کو امین اور صادق کا خطاب دیا تھا۔ لوگ اکثر آپ کے پاس اپنی امانتیں رکھتے۔ اگر لوگوں میں باہم تنازعہ ہوتا تو لوگ آپ کی دیانت کی وجہ سے آپ سے فیصلہ چاہتے۔ زمانہ نبوت سے قبل جب خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت حجرِ اسود کے نصب کرنے کا معاملہ الجھا اور قریب تھا کہ تلوار چل جاتی اور خون کی ندیاں بہہ جاتیں تو آپ کے حسنِ تدبر ہی سے یہ معاملہ سلجھا۔

واقعہ یوں ہوا کہ ایک بار خانہ کعبہ کو سیلاب نے منہدم کر دیا۔ اس کی از سر نو تعمیر کی جانے لگی تو حجر اسود کے نصب کرتے وقت ہر قبیلہ کی یہ خواہش تھی کہ یہ مقدس پتھر نصب کرنے کی سعادت اسے ہی حاصل ہو۔ آخر طے یہ ہوا کہ صبح سب سے پہلے جو شخص خانہ کعبہ میں آئے وہی فیصلہ کرے۔ تقدیر خداوندی سے صبح حضورؐ سب سے پہلے تشریف لائے۔ آپ کو آتے دیکھا تو کہنے لگے۔ وہ امین یعنی قابل اعتماد آگیا۔ آپؐ کے حسنِ تدبر اور خداداد فراست نے یہ فیصلہ دیا کہ ایک چادر لاؤ۔ اسے بچھایا گیا۔ آپؐ نے حجرِ اسود اٹھا کر اس چادر میں رکھا اور فرمایا کہ ہر قبیلہ کا سردار چادر کا کنارہ تھام لے اسے اٹھائے اور وہاں

---

[1] ابوداؤد: کتاب الآداب باب فی کراھیۃ المراء

تک پہنچا سکے جہاں اسے نصب کرنا تھا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب پتھر وہاں پہنچا تو آپ نے اسے اٹھا کر مقرّرہ جگہ پر رکھ دیا اور اس طرح قوم کے معتمد نے یہ جھگڑا چکا دیا[1]

حلف الفضول میں آپؐ کی شرکت :

اسی طرح دعوئ نبوت سے قبل آپؐ ایک معاہدہ میں شامل ہوئے جس کا مقصد یہ تھا کہ ہم ظالم کا ہاتھ پکڑیں گے۔ مظلوم اور غریب کا حق اسے دلائیں گے۔ تاریخ میں یہ معاہدہ حلف الفضول کہلاتا ہے[2] چنانچہ اس کی بنا پر ایک بار ایک بدّو مکّہ میں آیا اور اس نے لوگوں سے کہا۔ کہ ابوجہل سردارِ مکہ نے مجھ سے اونٹ خریدا تھا اور اب وہ اس کی قیمت نہیں دے رہا۔ اس نے مکّہ کے لوگوں کے پاس جب یہ شکایت کی تو انھوں نے ازراہِ مذاق اور استہزاء اس شخص کو حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلم کا پتہ دیا کہ وہ تمہارا حق دلا سکتے ہیں۔ اور ان کی غرض صرف حضورؐ کا استہزاء اور ابوجہل سے آپؐ کا تنازعہ کروانا تھا لیکن جب اس بدّو نے آپؐ سے کہا تو آپؐ اُس کے ساتھ ہو لئے اور ابوجہل کے دروازہ پر جا کر دستک دی۔ وہ باہر آیا تو آپ نے کہا اسے قیمت کیوں نہیں دیتے؟ وہ چپ چاپ اندر گیا اور قیمت لاکر اس بدو کے سپرد کر دی۔ بعد میں کسی نے ابوجہل سے پوچھا کہ تم تو محمدؐ کے دشمن تھے۔ اتنی باتیں بنایا کرتے تھے۔

---

[1] ابن ہشام جلد اوّل جز اوّل صفحہ ۱۲۷

[2] " " " " ۸۷

یہ کیا معاملہ ہوا؟ اس نے کہا میں نے دیکھا کہ محمدؐ کے دونوں طرف دو مست اونٹ ہیں اگر میں نے انکار کیا تو وہ مجھے پھاڑ کر رکھ دیں گے۔[1]

سچ ہے اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے پیاروں کا رعب لوگوں کے دلوں میں ڈالتا آیا ہے۔

جوانی میں آپ کے کام آپ کی سب سے بڑی رازدان یعنی آپؐ کی بیوی خدیجہؓ آئیں۔ آپ کہتی ہیں:—

"آپ قرابت داری کا خیال رکھتے۔ لوگوں کے مصائب میں کام آتے اور وہ اخلاق جو اس زمانہ میں ناپید تھے وہ آپ سے ظہور میں آتے تھے۔"[2]

ان نیک اشغال یعنی بنی نوع انسان کی ہمدردی، اللہ تعالیٰ کی عبادت، ذکر الٰہی اور ہر قسم کی رذیل مجلسوں سے احتراز کا نتیجہ تھا کہ جوانی میں آپؐ سچی خوابیں دیکھتے۔ رات خواب دیکھتے صبح وہ سپیدہ سحر کی طرح آشکار ہو جاتی۔[3]

الغرض آپ کی جوانی بے داغ اور آپ کا چلن بے عیب تھا۔

---

[1] ابن ہشام جلد اوّل جزء اوّل صفحہ ۲۶۱

[2] بخاری باب "کیف کان بدء الوحی۔ انّکَ لتصل الرحم وتحمل الکلّ وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق۔۔۔۔۔۔"

[3] بخاری باب "کیف کان بدء الوحی۔ فکان لا یری رؤیا الاجاءت مثل فلق الصبح۔"

وہ بے مثال اخلاق اور بے نظیر کردار کے حامل تھے۔ آپ کی نیکی صداقت اور امانت کا سارے عرب میں چرچا تھا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ دعوئے نبوت کے بعد دشمن یہ تو کہتے تھے کہ یہ سچے نبی نہیں لیکن وہ آپؐ کی طرف کوئی جھوٹ منسوب نہیں کر سکتے تھے اس لئے کبھی وہ یہ کہتے کہ یہ مجنون یعنی دیوانہ ہے۔ کبھی کہتے یہ شاعر ہے کہ دلآویز اور دلفریب کلام کرتا ہے۔ کبھی کہتے یہ جادوگر ہے۔ دل موہ لیتا ہے۔ [1]

حضرت خدیجہؓ سے شادی:

مکہ میں بنو اسد کی ایک پاکباز عورت خدیجہ نامی تھی۔ اس کی شرافت کی وجہ سے لوگ اسے "طاہرہ" یعنی پاکباز کہتے تھے۔ وہ ایک متمول عورت تھیں۔ تجارت اُن کا پیشہ تھا۔ معاملہ فہمی اور ذہانت میں وہ شہرۂ آفاق تھیں۔ یکے بعد دیگرے ان کے دو خاوند فوت ہو چکے تھے۔ اپنی نیک شہرت اور پاک سیرت کی بدولت انہیں شادی کے کئی پیغام آتے تھے مگر انھوں نے سب کا انکار کیا۔ انہوں نے حضورؐ کی دیانت کی شہرت سن کر ایک بار آپؐ کو اپنے تجارتی قافلہ کے ساتھ بھجوایا اور واپسی پر اپنے غلام میسرہ نامی سے حضورؐ کی مزید تعریف سنی تو انہوں نے خود حضورؐ کو نکاح کا پیغام بھجوایا۔ آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم نے اپنے چچا سے مشورہ فرمایا اور مشورہ کے بعد اس پیغام کو قبول کر لیا۔ چنانچہ دونوں خاندانوں کے معزّز افراد جمع ہوئے اور حضرت ابو طالب نے

---

[1] ابن ہشام جلد اوّل جزو اوّل صفحہ ۱۸۷

پانچ سو درہم پر حضورؐ کا نکاح حضرت خدیجہ رضؓ سے پڑھا۔ اس وقت حضورؐ کی عمر پچیس سال تھی اور حضرت خدیجہ رضؓ کی چالیس۔ حضورؐ کی جتنی اولاد ہوئی سوائے حضرت ابراہیم کے جو ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے سب حضرت خدیجہ رضؓ کے بطن سے پیدا ہوئی۔ اولاد کے نام یہ تھے۔ لڑکیوں کے نام۔ زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ، فاطمہؓ اور لڑکوں کے نام قاسمؓ، طاہرؓ، طیبؓ عبداللہؓ[1]۔ آپ کی نرینہ اولاد میں سے کسی نے عمر نہ پائی۔ لڑکیوں میں سے حضرت فاطمہ رضؓ کی نسل چلی۔ حضرت فاطمہ رضؓ کی شادی حضرت علی رضؓ سے ہوئی جو رشتہ میں حضورؐ کے چچا زاد تھے۔

حضرت حسن رضؓ اور حسین رضؓ انہی کے بطن سے تھے۔ انہی سے سادات خاندان کی بنیاد پڑی۔ حضرت خدیجہ رضؓ حضورؐ کا بے حد احترام کرتیں اور آپ کے آرام کا ہر طرح خیال رکھتیں حضورؐ نے اس عہد نکاح کو اس طرح نبھایا کہ حضرت خدیجہ رضؓ کی وفات کے بعد بھی حضورؐ جب کبھی گھر میں کوئی بکرا ذبح کرواتے تو حضرت خدیجہ رضؓ کی سہیلیوں کو گوشت بھجواتے[2]۔ اور حضرت خدیجہ رضؓ کا اتنا ذکر فرماتے کہ ایک بار آپؐ کی محبوب بیوی حضرت عائشہ رضؓ نے کہا: یا رسول اللہ! خدا نے آپ کو اتنی اچھی اچھی بیویاں دیں لیکن پھر بھی آپ خدیجہ رضؓ کا ذکر ضرور کرتے ہیں گویا دنیا میں صرف وہی ایک عورت پیدا ہوئی تھی۔

حضورؐ نے فرمایا۔ "عائشہ اس میں بڑی خوبیاں تھیں اور خدا

---

[1] ابن ہشام جلد اول جز اول صفحہ ۱۲۱ - ۱۲۲

[2] بخاری کتاب الادب باب حسن العہد من الایمان

نے مجھے اولاد بھی اسی سے دی۔"

حضرت خدیجہ رضؓ مکہ کی زندگی میں حضورؐ کے ساتھ ہر دکھ میں شریک رہیں۔ مدینہ میں ایک بار آپؐ حضرت عائشہ رضؓ کے ہاں مقیم تھے کہ حضرت خدیجہ رضؓ کی بہن ہالہ ملنے آئیں۔ دروازے پر آکر اُس نے اجازت مانگی۔ آپؐ بے تاب ہو کر اٹھے اور فرمایا۔ خدیجہ رضؓ کی سی آواز ہے معلوم ہوتا ہے ہالہ آئی ہے[1]

جنگ بدر میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے داماد ابوالعاص کفارِ مکہ کی طرف سے لڑائی میں شریک ہوئے تھے۔ خاوند کو رہا کرنے کے لئے آپؐ کی بیٹی نے اپنا ہار فدیہ میں بھجوایا۔ یہ وہ ہار تھا جو ماں نے بیٹی کو جہیز میں دیا تھا۔ حضورؐ نے ہار دیکھا تو خدیجہ رضؓ یاد آگئیں۔ آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ صحابہ رضؓ سے فرمایا۔ یہ ماں کی یادگار ہے اس کی بیٹی کو واپس کردو[2]

الغرض حضورؐ کی یہ دفا شعار رفیقہ زوجہ پینسٹھ سال کی عمر میں جب حضورؐ کی عمر پچاس برس تھی عام الحزن یعنی سن نبوی کے دسویں سال فوت ہوگئیں۔ حضورؐ نے خود قبر میں اتر کر ان کے جسد مبارک کو قبر میں اتارا۔ اس سال کو عام الحزن یعنی غم کا سال اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس سال حضرت خدیجہ رضؓ کی وفات سے قبل آپ کے چچا حضرت

---

[1] ریاض الصالحین باب فضل بر اصدقاء الاب والام والزوجة و سائر من یندب اکرامه [2] بخاری کتاب الادب باب حسن العھد من الایمان۔ [3] ابن ہشام جلد اول جزاول صفحہ ۷۹م

ابوطالب نے وفات پائی تھی۔

ابوطالب کی قریش کو نصیحت:

وفات کے وقت حضرت ابوطالب نے رؤسائے قریش سے کہا:۔

"اے قریش! تم خدا کی مخلوق میں سے ایک برگزیدہ قوم ہو۔ خدا نے تمہیں بڑی عزت دی ہے۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ محمدؐ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا کیونکہ وہ ایک اعلیٰ اخلاق کا انسان ہے اور عربوں میں صدق وصفا کی وجہ سے ممتاز ہے اور سچ یہ ہے کہ وہ ہماری طرف ایک ایسا پیغام لے کر آیا جس سے زبان نے انکار کیا۔ مگر دل نے اسے تسلیم کیا۔ میں نے عمر بھر اس کا ساتھ دیا اور ہر تکلیف کے موقعہ پر اس کی حفاظت کے لئے آگے بڑھا ہوں۔ اور اگر مجھے مزید مہلت ملتی تو بھی ایسا ہی کرتا۔ اے قریش! میری تم کو بھی نصیحت ہے کہ اسے دکھ دینے کے درپے نہ رہو بلکہ اس کی نصرت و اعانت کرو۔ کہ تمہاری اسی میں بھلائی ہے۔" [1]

غرضیکہ سنِ نبوی کے دسویں سال آپؐ کے دو بڑے ہمدرد آپؐ سے جدا ہو گئے۔ ان کی وفات کے بعد قریش مکہ نے ایذا دہی کو عروج

---

[1] زرقانی جلد اوّل صفحہ ۲۹۵ - ۲۹۶

پر پہنچا دیا۔ ایک دن حضورؐ راستہ پر جا رہے تھے کہ ایک بدبخت نے آپؐ کے سر پر کوڑا کرکٹ اور مٹی ڈال دی۔ آپ گھر تشریف لائے۔ بیٹی نے دیکھا تو سر مبارک دھویا اور زار زار رونے لگ گئیں[۱] حضورؐ نے فرمایا "بیٹی رو نہیں۔ اللہ تیرے باپ کو ضائع نہیں کرے گا۔ یہ تکلیفیں دور ہو جائیں گی۔"

ایک دن صحنِ کعبہ میں حضورؐ سجدہ ریز تھے کہ عقبہ بن ابی معیط اٹھا اور اونٹنی کی بچہ دانی جو گند سے بھری ہوئی تھی لاکر حضورؐ کی پشت پر رکھ دی۔ حضرت فاطمہؓ دوڑی آئیں اور اس بوجھ کو اٹھایا۔ اس موقعہ پر حضورؐ نے کفار قریش کا نام لے کر بددعا کی تھی۔ جس کا نتیجہ بدر کے میدان میں ظاہر ہوا کہ ان میں سے کوئی بھی میدانِ جنگ سے واپس نہ لوٹا[۲]

دعوائے نبوت، ورقہؓ اور خدیجہؓ کی رائے:

آپ یہ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ سے آپؐ کی شادی پچیس برس کی عمر میں ہوئی تھی۔ جب آپؐ نے عمر کی چالیس منزلیں طے کر لیں تو اللہ تعالیٰ نے تمام جہان کی اصلاح کے لئے آپؐ کو مامور فرمایا۔ آپؐ سے پہلے انبیاء مخصوص قوم، مخصوص علاقہ کے لئے آتے تھے۔ آپؐ کو

---

[۱] ابن ہشام جزاول جلد دوم ص ۲۸۳

[۲] بخاری باب "مالقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ من المشرکین بمکۃ"۔

خدا نے سب زمانوں کے لئے سب جہاں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا
جب خدا کا یہ عظیم الشان پیغام آپؐ کو ملا تو اس پیغام کی عظمت
اور اصلاح خلق کی ذمہ داری کے احساس سے آپؐ سخت متفکر
ہوئے اور گھبرائے ہوئے گھر تشریف لائے۔ اس عظیم ذمہ داری
کے احساس سے آپؐ پر کپکپی طاری تھی۔ آپؐ نے اپنی رفیقۂ حیات
حضرت خدیجہ رضؓ کو کہا۔ " مجھے کپڑا اوڑھاؤ۔ مجھے جس پیغام کا حامل
بنایا گیا ہے اس کے بوجھ کا احساس اور آنے والے واقعات کا اندازہ
کر کے میں سمجھتا ہوں کہ میری ہستی ہلا دی جائے گی۔ میری جان جوکھوں
میں پڑے گی۔"

وفا شعار بیوی نے کہا۔ " خدا کی قسم! خدا کبھی آپؐ کو بے سہارا
نہیں چھوڑے گا۔ آپؐ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ لوگوں کے بوجھ اور ذمہ داریاں
خود اٹھا لیتے ہیں۔ ناپید اخلاق عالیہ کا ظہور آپؐ سے ہو رہا ہے۔"[1]

اس کے بعد وہ اپنے چچا زاد ورقہ بن نوفل کے پاس حضورؐ کو
لے گئیں جو شرک کا تارک ہو کر عیسائی مذہب قبول کر چکا تھا اور کہا
" بھائی! اپنے اس بھتیجے کی بات بھی سن لو!"
اس نے پوچھا۔ " کیا معاملہ ہے؟" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب
ماجرا بیان کیا۔ تو ورقہ نے کہا ۔" اس پر وہی فرشتہ
اترا ہے جو موسیٰ پر وحی لے کر آیا تھا۔" پھر حضورؐ سے مخاطب ہو کر کہا

---

[1] بخاری باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم۔

"اے کاش مَیں اس دن جوان ہوتا جب تیری قوم تیرے درپئے آزار ہوگی اور تجھے وطن سے نکالے گی۔"

حضورؐ نے فرمایا۔ "کیا وہ مجھے وطن سے بے وطن کردیں گے۔"

ورقہ نے کہا۔ "ہاں! جو پیغام تُو لایا ہے جو بھی اُسے لے کر آیا اسے قوم نے اذیّت ہی دی۔" [1]

قوم کی طرف سے تکالیف:

تجربہ کار بوڑھے ورقہ نے ٹھیک کہا تھا۔ یکبار حضرت محمّد قوم سے امین کا خطاب پانے والے، قوم کی امید گاہ نے جب انہیں آسمانی سندیسہ سنایا کہ مَیں خدا کی طرف سے آیا ہوں۔ خدا ایک ہے۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ بُری باتوں کو ترک کردو کہ ایک دن ہم سب نے اس کے سامنے پیش ہونا ہے۔ ہمارے ہر عمل کا بدلہ ہمیں ملے گا۔ اپنی زندگیوں کو خدائی احکام کے تحت بسر کرو۔ تو ایک طوفانِ بدتمیزی بپا ہوگیا۔ قریش آپؐ کی مخالفت پر کمربستہ ہوگئے۔ لیکن سعید رُوحیں آپؐ کے گرد جمع ہونا شروع ہوئیں۔ مکّہ کے تاجر حضرت ابوبکرؓ نے اسلام قبول کرلیا۔ انھوں نے جب سنا کہ محمّد صلے اللہ علیہ وسلّم نے پیغمبر ہونے کا دعوٰی کیا ہے تو بلا کسی توقّف کے آپؐ کے دعوٰی پر ایمان لے آئے۔ بچوں میں سے حضرت علیؓ نے سب سے پہلے اسلام

---

[1] بخاری باب کیف کان بدءالوحی۔

قبول کیا۔ اس وقت حضرت علیؓ کی عمر دس سال تھی۔ غلاموں میں سے حضرت خدیجہؓ کے غلام زیدؓ بن حارثہ ایمان لائے۔ ابتدائی اسلام لانے والوں میں خباب بن الارتؓ، بلالؓ بن رباح، عثمانؓ بن مظعون، ابوذر غفاریؓ اور حضرت یاسرؓ بھی تھے۔ اسلام قبول کرنے کا طریق یہ تھا کہ مرد حضورؐ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اقرار کرتے[1] کہ:

"خدا کو ایک یقین کروں گا۔ کسی قسم کا شرک نہیں کرونگا ہر قسم کے بُرے فعل مثلاً چوری۔ زنا، قتل، جھوٹ سے پرہیز کروں گا۔ کسی پر بہتان نہ باندھوں گا۔"[2]

جو شخص اسلام قبول کرتا۔ کفار قریش اس پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑتے۔ ایسے ایسے مظالم کرتے کہ آج بھی ان کو سن کر انسانیت ندامت محسوس کرتی ہے۔ بلالؓ کا مالک امیہ بن خلف کوڑوں سے اسے پیٹتا اور کہتا۔ اسلام سے توبہ کرو۔ ادھر بلالؓ کی کمر پر کوڑا پڑتا۔ تڑاخ کی آواز پیدا ہوتی۔ ادھر بلالؓ نعرہ لگاتے۔ "احدٌ احدٌ"۔ خدا ایک ہے۔ ایک ہے۔ دوپہر کے وقت چلچلاتی دھوپ میں گرم ریت پر بلالؓ کو لٹا کر سینہ پر بھاری پتھر رکھ دیتے۔ شہد پلا کر شدید گرمی میں انھیں کھڑا کر دیتے۔ پیاس سے زبان باہر آنے لگتی۔ لیکن بلالؓ کے پائے ثبات میں لغزش پیدا نہ ہوتی۔[3] یہی بلالؓ

---

[1] ابن ہشام جزو اول جلد اول صفحہ ۱۵۶ تا ۱۵۹

[2] بخاری کتاب الاحکام باب بیعۃ النساء

[3] ابن ہشام جزو اول ص ۲۱۱-۲۱۲

آگے چل کر مؤذنِ رسولؐ بنے۔ وہ ایسے جذبہ اور لَے سے آذان دیتے تھے کہ درو دیوار وجد میں آجاتے۔ حضورؐ کی وفات کے بعد آذان دینا ترک کر دیا تھا۔ وہ ہجرت کر کے ملک شام چلے گئے تھے۔ ایک بار حسن رضؓ وحسین رضؓ کے مجبور کرنے پر مدینہ میں آذان دی تو یادِ محمدؐ میں لوگوں کی ہچکیاں بندھ گئیں۔[1]

خبّاب بن الارت رضؓ لوہار تھے۔ مکّہ کے ظالم اُن کی بھٹی میں سے جلتے ہوئے کوئلے نکال کر انہیں پشت کے بل اُن پر لٹا دیتے۔ بار بار کی مشقِ ستم سے کمر کا چمڑہ جل کر سیاہ اور موٹا ہو گیا تھا۔[2] کفار کہتے۔ اسلام کا انکار کرو۔ لیکن یہ مردِ وفا کوہِ ایمان ثابت ہوا۔

عمار رضؓ کی والدہ یاسر رضؓ کی بیوی کو ابو جہل نے نیزہ مار کر شہید کر دیا۔ یاسر رضؓ کو ظالم پیٹتے۔ حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم فداہ ابی وامی پاس سے گزرتے تو فرماتے:۔

[3]
"آلِ یاسر صبر کرو۔ مَیں تم سے جنّت کا وعدہ کرتا ہوں"

خود حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے گلے میں ایک دفعہ پٹکا ڈال کر اتنے زور سے بھینچا کہ آنکھیں باہر آنے لگیں۔ حضرت ابو بکر رضؓ نے آپؐ کو دیکھا تو آکر چھڑایا اور کہا۔ "ظالمو! اس لئے اسے مارتے ہو کہ یہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے!" اس پر ظالموں نے حضرت ابو بکر رضؓ کو اتنا پیٹا کہ جب گھر آئے تو سر کے بالوں کو جہاں ہاتھ لگاتے بال ہاتھ

---

[1] اسد الغابہ [2] اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۹۸ تا ۱۰۰

[3] ابنِ ہشام جزاول صفحہ ۲۱۱

میں آجاتے۔[1] اپنے گھر کے سامنے چبوترے پر حضرت ابوبکرؓ کو قرآن پڑھنے سے منع کرتے۔ حضرتِ ابوذر غفاریؓ کو کفار نے اسلام لانے پر خوب زدوکوب کیا۔ حتّٰی کہ مار کی وجہ سے ایک آنکھ نیلی ہو گئی۔ میرے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے سر مبارک میں خاک ڈالتے۔ راہ میں کانٹے بچھاتے۔ حضورؐ خانہ کعبہ کے سایہ میں نماز پڑھتے تو دشمن استہزاء کرتے اذیتیں دیتے۔ خبّاب بن الارت جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ ایک دن حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ اس وقت خانہ کعبہ کے سایہ میں تشریف فرما تھے خبابؓ نے آکر اپنی تکالیف کا ذکر کیا اور عرض کیا۔ آپؐ ہمارے لئے خدا سے مدد طلب کیوں نہیں فرماتے؟ حضورؐ لیٹے تھے اٹھ کر بیٹھ گئے چہرہ سُرخ ہو گیا۔ آپؐ نے فرمایا:۔

"تم سے پہلے لوگوں کے سروں پہ آرے رکھ کر انھیں چیر دیا گیا۔ لوہے کی کنگھیوں سے ان کے بدن سے گوشت نوچا گیا۔ لیکن یہ امر بھی انہیں دین سے برگشتہ نہ کر سکا۔"

پھر فرمایا:

"خدا کی قسم اللہ اس دین کو غالب کرے گا۔ اپنی منشا کو پوری کر کے رہے گا اور ایسا وقت آئے گا کہ مسافر اکیلا سفر کرے گا اور سوائے خدا کے اُسے کسی کا ڈر نہیں ہوگا۔"[2]

---

[1] ابن ہشام جلد اول صفحہ ۲۵۱

[2] بخاری باب مالقی النبیؐ واصحابہ من المشرکین بمکۃ

بہرحال ظالم دشمن ظلم میں بڑھتا چلا گیا اور دوسری طرف اسلام مکّہ سے باہر بھی پھیلنے لگا۔ شمع کے گرد پروانے اکٹھا ہونا شروع ہوئے۔ بنو مخزوم میں ارقم مسلمان ہوئے تو حضورؐ نے ان کے مکان کو تبلیغی مرکز بنایا۔ ان کا گھر کوہ صفا کے دامن میں تھا۔

ہجرتِ حبشہ:

جب مکّہ میں مسلمانوں کی تکلیف انتہا کو پہنچی تو حضورؐ نے مسلمانوں کو ایتھوپیا یعنی حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کا ارشاد فرمایا۔ ایتھوپیا براعظم افریقہ کے شمال مشرق میں واقع ہے اس وقت وہاں کا بادشاہ اصحمہ تھا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ حبشہ کا بادشاہ عادل اور انصاف پسند ہے اس کی حکومت میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔ ان ایام میں حبشہ کا دارالخلافہ اکسوم (AXUM) تھا۔ جو موجودہ شہر عدوا (ADWA) کے قریب واقع ہے۔ چنانچہ ۵ نبوی میں گیارہ مرد اور چار عورتوں نے گھر بار چھوڑ کر حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ حبشہ میں ان مسلمانوں کو امن کی زندگی نصیب ہوئی اور قریش کے مظالم سے چھٹکارا نصیب ہوا۔ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں حضورؐ کے داماد عثمانؓ بن عفان اور ان کی زوجہ رقیہؓ بھی تھیں۔ عبدالرحمنؓ بن عوف، عثمانؓ بن مظعون، ابوسلمہؓ اور ان کی بیوی ام سلمہؓ بھی تھیں۔

بہرحال مسلمانوں نے نہ صرف کفار مکہ کے مظالم سہے۔ انھوں نے اپنے وطن اور گھر بار کو بھی خدا کے لئے خیرباد کہا لیکن قریش کے مظالم خدا کی تقدیر کو نہ روک سکے اور خدا کا لگایا ہوا نخلِ اسلام پھلنے اور

پھولنے لگا سختیاں اور تکالیف اس کی ترقی کو روک نہ سکیں۔ اس زمانہ میں حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ بھی مسلمان ہو گئے۔

مسلمانوں کا بائیکاٹ:

کفار نے جب یہ محسوس کیا کہ اسلام کی ترقی کو وہ روک نہیں سکے تو انہوں نے ایک اور ظلم کا منصوبہ بنایا کہ مسلمانوں کا سماجی بائیکاٹ کیا جائے انہیں کھانے پینے کی کوئی چیز پہنچنے نہ پائے۔ چنانچہ قریش نے محرّم ۷ نبوی میں ایک معاہدہ لکھا اور اسے خانہ کعبہ میں لٹکا دیا کہ مسلمانوں کو ایک جگہ محصور کر کے تباہ کر دیا جائے۔ نہ ان کے پاس کوئی چیز فروخت کی جائے نہ اُن سے خریدی جائے نہ ان کے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز جانے دی جائے۔ چنانچہ حضورؐ شعب ابی طالب میں جو ایک پہاڑی درّہ تھا محصور ہو گئے۔ صحابہؓ کا بیان ہے کہ ان ایام میں ہم جنگلی درختوں کے پتے کھا کر گزارہ کرتے۔ ان ایام میں بعض اوقات صحابہؓ نے سوکھے چمڑے پانی میں بھگو کر صاف کر کے بھون کر پیٹ کی آگ بجھائی۔ بچوں کی یہ حالت تھی کہ گھاٹی سے باہر اُن کے رونے کی آواز جاتی تو قریش سُن کر بغلیں بجاتے۔ بعض مخالفین کے دل میں اس سے رحم بھی پیدا ہوتا۔ اس عرصہ میں مسلمان سوائے حج وغیرہ کے موسم کے باہر نہیں جا سکتے تھے۔ یہ محاصرہ قریباً اڑھائی سال تک جاری رہا۔

ایک دن حضورؐ نے اپنے چچا ابو طالب سے فرمایا۔ "مجھے خدا نے خبر دی ہے کہ معاہدہ کی تحریر مٹ چکی ہے۔ اسے کیڑا کھا گیا ہے۔ صرف خدا کا نام باقی رہ گیا ہے۔"

حضرت ابوطالب اٹھ کر خانہ کعبہ پہنچے۔ وہاں ابوجہل دوسرے رؤسا کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اسے بتلایا کہ "دیکھو میرے بھتیجے نے یہ بتایا ہے۔ دیکھو تو اس کی بات کس حد تک درست ہے؟"

کفار نے معاہدہ نکالا تو حضورؐ کی بات درست نکلی۔ اب قریش میں دو گروہ ہو گئے۔ ایک گروہ اس ظلم کو جاری رکھنے کے حق میں تھا لیکن دوسرا گروہ اس ظالمانہ فعل کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ مطعم بن عدی نے ہاتھ بڑھا کر معاہدہ چاک کر دیا اور ہتھیار بند ہو کر شعب ابی طالب میں گئے اور تلواروں کے پہرہ میں مسلمانوں کو گھاٹی سے نکال کر مکہ واپس لائے۔[۱] یہ واقعہ بعثتِ نبویؐ کے دسویں سال کا ہے۔

بیعتِ عقبہ اُولیٰ:

مدینہ میں اوس و خزرج دو مشہور قبیلے تھے جو بُت پرست تھے۔ ان کے درمیان اکثر لڑائی رہتی۔ ایک دفعہ حج کے موقعہ پر حضورؐ نے دیکھا کہ اوس قبیلہ کے کچھ آدمی اپنے مدِّ مقابل خزرج قبیلہ کے خلاف قریش کی مدد طلب کر رہے ہیں۔ حضور صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ان کے پاس تشریف لے گئے۔ انہیں اسلام کی دعوت دی۔ آپؐ کا پیغام سنا تو ایک آدمی بول اٹھا۔ "خدا کی قسم! محمد (صلّی اللّٰہ علیہ وسلم) جس طرف ہمیں بلاتا ہے وہ اس سے بہتر ہے جس کے لئے ہم آئے ہیں۔" لیکن وفد کے سردار نے اُسے چُپ کرا دیا۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ یہ شخص مدینہ پہنچکر جلد فوت ہو گیا اور بوقت وفات اس کی زبان پر کلمۂ توحید جاری تھا۔[۲]

---

[۱] ابن ہشام جزو اول جلد اول صفحہ ۲۵۱ تا ۲۵۳ زیرِ عنوان حدیث نقض صحیفہ قریش

اگلے سال ۱۱ نبوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ کے لوگوں سے پھر ملاقات ہوئی۔ حسب ونسب پوچھنے پر پتہ چلا کہ یہ قبیلہ خزرج کے لوگ ہیں۔ حضورؐ نے انہیں اسلام کی دعوت دی انہوں نے کمال محبت اور احترام سے حضورؐ کا پیغام سنا اور کہا یہ موقعہ ہے مبادا یہود مدینہ ہم سب پر سبقت لے جائیں۔[۱]

چنانچہ قبیلہ خزرج سے تعلق رکھنے والے ان لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔ اب ان کی وجہ سے مدینہ میں اسلام کا چرچا ہونا شروع ہوا۔ اگلے سال ۱۲ نبوی میں حج کے ایام میں اوس اور خزرج دونوں قبیلوں کے بارہ اشخاص مکہ کی ایک گھاٹی میں حضورؐ سے ملے اور سب نے آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

بیعت کے الفاظ میں پہلے نقل کر آیا ہوں۔ بیعت کے بعد حضورؐ نے ان سے فرمایا:-

"اگر تم استقامت کے ساتھ اس عہد پر قائم رہے تو تمہیں جنت نصیب ہوگی اور اگر کمزوری دکھائی تو تمہارا معاملہ خدا کے سپرد ہوگا۔"[۲]

یہ بیعت تاریخ میں بیعت عقبہ اولیٰ کہلاتی ہے۔ مکہ سے رخصت ہوتے وقت ان بارہ اشخاص نے درخواست کی کہ کوئی معلم ہمارے ساتھ بھجوایا جائے جو ہمیں اسلام کی تعلیم دے اور مشرکوں میں تبلیغ

---

[۱] ابن ہشام جز اول جلد ثانی صفحہ ۲۹۲

[۲] " " " " ۲۹۶

کرے۔ چنانچہ حضورؐ نے مصعبؓ بن عمیر کو ان کے ساتھ روانہ فرمایا۔[1]
مصعبؓ بن عمیر بہت ٹھنڈی طبیعت کے تھے۔ اگر کوئی اشتعال کا مظاہرہ کرتا تو آپ نرمی سے اسے تبلیغ کرتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مدینہ میں جوق در جوق لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ مصعبؓ نے اسعدؓ بن زرارہ کے مکان کو تبلیغی مرکز بنایا۔ یہیں جمعہ کی نماز ادا کی جاتی۔ سعدؓ بن معاذ اور اسیدؓ بن حضیر کی تبلیغ سے ان کا تمام قبیلہ مسلمان ہوگیا۔[2] اور انھوں نے اپنے ہاتھ سے اپنے قبیلہ کے بُت توڑ دیئے۔
سعدؓ قبیلہ کے بااثر سردار تھے اور نہایت درجہ فدائی تھے۔ ان کی وفات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔[3]
"سعد کی موت پر تو رحمان کا عرش بھی لرزہ میں آگیا"
یہ شہادت کی موت کی دعا کیا کرتے تھے ان کی وفات جوانی میں ہی ہوئی۔
۵ھ ہجری کا واقعہ ہے کہ جنگِ احزاب میں انھیں تیر کا زخم پہنچا پہلے خون رُک گیا پھر رات کو جاری ہوگیا جس سے ان کی وفات ہوگئی۔

بیعت عقبہ ثانیہ:

اگلے سال یعنی تیرہ نبوی کو حج کے مہینہ میں اوس و خزرج کے کئی

---

[1] ابن ہشام جزاول جلد ثانی صفحہ ۲۹۶
[2] " " " " ۲۹۹
[3] بخاری باب مناقب الانصار مناقب سعدؓ بن معاذ

سو آدمی مکہ میں آئے۔ ان میں پچھتر آدمی مصعبؓ بن عمیر کی معیت میں وقت مقررہ پر آئے اور رات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی گھاٹی میں ملے اس تاریخی ملاقات کا ذکر کرنے سے پہلے اسی موقعہ کے ایک ایمان افروز واقعہ کا بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

مصعبؓ بن عمیر کی والدہ ابھی تک مشرکہ تھیں۔ اسے جب پتہ چلا کہ میرا بیٹا مصعبؓ بھی مکہ آیا ہے تو پیغام بھیجا کہ بیٹا مجھے مل جاؤ۔ مصعبؓ بن عمیر نے جواب دیا۔ "ماں۔ ابھی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ملا۔ ان سے مل کر پھر تمہارے پاس آؤں گا۔"

یہ وہ لوگ تھے جو حقیقی ایمان رکھتے تھے۔ بہر حال ۱۲ ذی الحجہ کو جب رات بھیگ گئی تو پچھتر مخلصین حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ کے ساتھ آپ کے چچا حضرت عباسؓ تھے۔ جب سب بیٹھ گئے تو حضورؐ کے چچا یوں گویا ہوئے:۔

"اے گروہ خزرج ہم نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی۔ اب ان کا ارادہ تمہارے ہاں آنے کا ہے اگر تم اس امانت کی حفاظت کرنا چاہتے ہو تو اس راہ کے خطرات کو سوچ لو۔ اگر تم نے کمزوری دکھانی ہے تو اس بوجھ کو نہ اٹھاؤ۔"

انصار یثرب بولے۔ "ہم نے سن لیا۔" یا رسول اللہ! آپ ارشاد فرمائیں! حضورؐ نے قرآن پاک کی تلاوت کے بعد کچھ نصیحت فرمائی اور فرمایا:۔

"کیا تم اس طرح میری حفاظت کرو گے جس طرح اپنے

اہل دعیال کی کرتے ہو؟"

براؓ بن معرور یثربی نے حضورؐ کا ہاتھ تھام لیا اور عرض کی:۔

"اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو مبعوث فرمایا۔
ہم اپنی پوری قوت سے آپؐ کا دفاع کریں گے۔ یا
رسول اللہ! ہماری بیعت لیجئے ہم جنگی سپوت ہیں
ہم نے شجاعت ورثہ میں پائی ہے۔

ابوالہیثم بن تیہان انصاری نے براؓ بن معرور کی بات کاٹ کر عرض کی

"یا رسول اللہ! اگر ہم نے ایسا کر لیا اور خدا تعالیٰ نے
آپؐ کو غالب کر دیا تو کیا آپؐ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم
کی طرف نہیں چلے جائیں گے۔"

حضورؐ نے تبسّم فرمایا اور یوں گویا ہوئے:۔

"نہیں! تمہارا اور میرا خون اکٹھا بہے گا۔ تمہاری
ذمہ داری میری ذمہ داری ہو گی۔ اور تم میرے ہو گے
اور میں تمہارا۔ جس سے تمہاری لڑائی ہو گی میری بھی
اس سے جنگ ہو گی اور جس سے تمہاری صلح ہو گی میری
بھی اس سے صلح ہو گی۔[1]"

تاریخ میں یہ بھی آیا ہے کہ انصار نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اگر اجازت
دیں تو کل ہی تلوار سونت کر مکہ والوں پر ٹوٹ پڑیں۔ لیکن حضورؐ نے
فرمایا:۔ "مجھے لڑنے کی اجازت نہیں۔ مجھے دعا اور صبر کا ارشاد ہے[2]"

---

[1] ابن ہشام جزاول جلد ثانی صفحہ ۳۰۳
[2] " " " " ۳۰۵، ۳۰۷

اس موقعہ پر ایک انصاری نے کہا۔ "اے خزرج کے گروہ! جانتے ہو تم اس شخص (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کس بات پر بعیت کر رہے ہو۔ تم ہر شخص سے جنگ کی ٹھان رہے ہو۔ اگر جان و مال فدا کر سکتے ہو تو آگے بڑھو۔ اگر نہیں کر سکتے تو دنیا و آخرت میں رسوائی ہوگی۔ اگر جائیداد قربان کرنے کے لئے تیار ہو تو دنیا و آخرت میں تمہارے لئے بھلائی ہی بھلائی ہے۔"

انصار نے کہا۔ "ہم اس کے لئے تیار ہیں۔"

اس پر عباس بن عبادہ انصاری نے کہا۔ "یا رسول اللہ اگر ہم نے وفاداری کی تو؟"

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "تو تمہارے لئے جنت کا وعدہ کرتا ہوں۔"

انصاری نے کہا۔ "ہاتھ بڑھایئے یا رسول اللہ!"

اور یثرب سے آنے والے لوگوں نے اس رات حضورؐ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر وفاداری کا عہد باندھا۔[1]

جب بعیت ہو چکی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"موسیٰؑ نے اپنی قوم میں سے بارہ نقیب چنے تھے جو موسےؑ کی قوم کے نگران اور مربّی تھے۔ میں بھی تم میں سے بارہ نقیب مقرر کرتا ہوں جو تمہارے نگران اور محافظ ہوں گے۔ اور وہ میرے لئے عیسیٰؑ کے حواریوں کی طرح

---

[1] ابن ہشام جزاول جلد ثانی صفحہ ۳۰۵، ۳۰۶

ہوں گے۔[1]

چنانچہ ان کے مشورہ سے حضورؐ نے بارہ نقیب مقرر فرمائے اور تاریخ گواہ ہے کہ مکہ کی گھاٹی میں رات کی تنہائی میں یثرب کے رہنے والوں نے جو عہد باندھا تھا اس کا حق انھوں نے ادا کر دیا۔ انھوں نے اپنا خون دے کر اس عہد کو پورا کیا۔ اور یہ ایسی "تاریخی سعادت" تھی کہ ایک صحابی انسؓ بن نضر جو اس بیعت عقبہ ثانیہ میں شریک تھے لیکن جنگ بدر میں جو کہ اسلام اور کفر کے درمیان پہلا معرکہ تھا کسی مجبوری کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے تھے وہ کہتے تھے۔ مجھے حسرت تو ہے کہ میں بدر میں شریک نہ ہو سکا لیکن یہ نہیں چاہتا کہ بدر میں ہوتا اور عقبہ میں شریک نہ ہوتا۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ بنیادی اینٹوں کی اہمیت عمارت میں لگنے والی دوسری اینٹوں سے کم نہیں ہوتی۔

ہجرتِ مدینہ:

بیعت عقبہ ثانیہ میں ہونے والی گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کا اذن ہو چکا تھا۔ اب جب مدینہ میں اسلام تیزی سے پھیلنے لگا اور یہاں اسلام کو مخلص اور با اثر فدائی مل گئے تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے فرمایا:-

"جو مدینہ ہجرت کر سکتے ہوں وہ ہجرت کر جائیں!"

---

[1] ابن ہشام جلد ثانی جز اول صفحہ ۳۰۵ - ۳۰۶

یہاں یہ بیان کر دینا ضروری ہوگا کہ بے شک حُبِّ وطن ایمان کا حصّہ ہے۔ اسی طرح جس طرح اَولاد اور ماں باپ کی محبت اور اُن سے حسنِ سلوک مذہب کا حصّہ ہے۔ لیکن کبھی خدا کے لیے ان محبّتوں کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ یہ ایک روحانی تربیت ہوتی ہے کہ خدا کی خاطر ہم ہر چیز ہر محبّت ترک کرنے کو تیار رہیں۔

الغرض بعض صحابہؓ چھپ چھپا کر مکّہ سے مدینہ پہنچ گئے اور بعض نے علی الاعلان ہجرت کی۔ جیسے حضرت عمر فاروقؓ۔ وہ جس دن مسلمان ہوئے۔ اس دن بھی خانہ کعبہ میں جاکر اعلان کیا اور ان کے اسلام لانے پر مسلمانوں نے نعرہ ہائے تکبیر بلند کئے اور جب انھوں نے ہجرت کی تو ہتھیار لگائے اور خانہ کعبہ میں جاکر کہا:۔

"شَاهَتِ الوُجُوهُ مَنْ اَرَادَ اَنْ تَثْكَلَهُ اُمُّهُ وَيُتِّمَ وَلَدُهُ وَتُرْمَلَ زَوجَتُهُ فَلْيَلْقَنِی وَرَاءَ هٰذَا الوَادی"

جو چاہتا ہے کہ اس کی بیوی بیوہ ہو اور بچے یتیم تو مجھے اس وادی کے پار ملے[1]

حضرت عمرؓ ایک پرجوش، بہادر، نڈر صحابی تھے۔ حضورؐ نے خدا سے دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ! یا عمر کو مسلمان کر دے یا عمرو بن ہشام یعنی ابوجہل کو۔ اور اللہ نے حضرت عمرؓ کو اس سعادت سے بہرہ ور فرمایا۔ حضورؐ کی دعا ان کے حق میں قبول ہوئی کہ گھر سے حضورؐ کو قتل کرنے نکلے لیکن

---

[1] "تاریخ الادب العربی مطبوعہ قاہرہ صفحہ ۱۸۲ زیر عنوان عمرؓ بن خطاب

اپنی بہن اور بہنوئی سے قرآن سُنا تو دل موم ہو گیا۔ سیدھے ارقمؓ کے گھر پہنچے۔ جہاں حضورؐ فروکش تھے۔ اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ صحابہ ہجرت کرتے رہے اور مدینہ کے انصار انھیں خوش آمدید کہتے رہے۔ ان کی ہر ضرورت کا خیال رکھتے۔ لیکن ابھی حضورؐ خود اور حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ اور کچھ مسلمان مکہ ہی میں تھے کہ مدینہ میں اسلام کی قبولیت قریش مکہ کی آتش حسد پر تیل کا کام دے رہی تھی۔ ادھر انہوں نے دیکھا کہ اب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اکیلے رہ گئے ہیں۔ اس لئے وہ دارالندوہ میں اُس جگہ جہاں وہ مشورے کیا کرتے تھے۔ اکٹھے ہوئے اور مشورہ کرنے لگے کہ اس مشن کو ختم کرنے کے لئے کیا کیا جائے۔ آخر ابو جہل کی تجویز پر طے پایا کہ ہر ایک قبیلہ سے ایک ایک جوان چنا جائے۔ یہ بیک وقت تلواروں سے محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) کا کام تمام کر دیں تا محمدؐ کا قبیلہ ان سب سے لڑ نہ سکے اور ہم مل کر خون بہا دے دیں گے[۱]۔

ادھر یہ مشورہ کر رہے تھے ادھر اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ حضورؐ کو ان کے ارادوں کی خبر دے دی اور ہجرت کا حکم فرمایا۔ چنانچہ حضورؐ دوپہر کے وقت۔ جب سخت گرمی کی وجہ سے لوگ گھروں سے بہت کم نکلتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کے گھر اطلاع دینے تشریف لے گئے اور فرمایا۔ "مجھے ہجرت کا حکم ہوا ہے"۔ حضرت ابوبکرؓ نے جو آپؐ کے مخلص اور جاں نثار صحابیؓ تھے۔ فوراً درخواست کی۔ "حضورؐ مجھے اپنی رفاقت عطا فرمایئے!" اور عرض کیا۔ "یا رسول اللہ میں نے سفر کی تیاری

---

[۱] ۔ ابن ہشام جزاول جلد ثانی صفحہ ۳۳۲

کرلی ہوئی ہے ۔ دو اونٹنیاں سفر کے لئے تیار کھڑی ہیں ۔ چنانچہ طے پایا کہ آج رات غار ثور جو مکہ کے ماحول میں ایک پہاڑ کے اندر تھی اس میں چلے جائیں گے اور پھر وہاں سے مناسب وقت پر آگے چلیں گے ۔ چنانچہ جب مخالفین نے آپ کے گھر کا محاصرہ کیا ہوا تھا ۔ اپنے بستر پر حضرت علی رض کو سُلا کر حضور رات کی تاریکی میں مکہ کی گلیوں سے گزر کر مکہ سے جانب جنوب تین میل کے فاصلہ پر غار ثور کی طرف روانہ ہوئے حضرت علی رض کو حضور اس لئے پیچھے چھوڑ آئے تھے تا حضور کے پاس لوگوں کی جو امانتیں تھیں ہجرت کے بعد حضرت علی رض انہیں واپس کر آئیں ۔

راستہ میں حضرت ابو بکر رض بھی مل گئے ۔ یہ غار کافی اونچائی پر ایک بنجر پہاڑی میں واقع تھی ۔ حضرت ابو بکر رض نے پہلے غار کے اندر جا کر صفائی کی ۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے گئے ۔ تقدیر خداوندی کے تحت جب یہ دونوں مقدس وجود غار میں تشریف لے گئے تو مکڑی نے غار کے منہ پر جالا تن دیا ۔[۱]

ادھر قریش تھوڑی دیر کے بعد دیکھتے کہ بستر پر کون لیٹا ہوا ہے اور مطمئن ہو جاتے ۔ صبح ہوئی تو انہیں علم ہوا کہ ان کا منصوبہ ناکام ہو چکا ہے ۔ چنانچہ انھوں نے ادھر ادھر تلاش شروع کی ۔ حضرت علی رض کو پیٹا ۔ حضرت ابو بکر رض کی صاحبزادی حضرت اسماء رض کو دھمکایا لیکن انہیں ان سے کوئی معلومات حاصل نہ ہو سکیں ۔ آخر انہوں نے اعلان کیا کہ جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پتہ دے گا اُسے سو اونٹ انعام دیا جائے گا ۔ بعض

---

[۱] بخاری باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینہ و ابن ہشام جز اول جلد ثانی صفحہ ۳۳۲ ، ۳۳۳ ، ۳۳۴ ۔

رؤسائے قریش سراغرسان کے ساتھ تلاش کرتے غار ثور کے منہ تک پہنچ گئے سراغرساں نے کہا۔ یا تو محمدؐ یہیں کہیں آس پاس چھپ گئے ہیں یا آسمان پر چلے گئے ہیں۔ خدائی تدبیر کے ماتحت مکڑی نے غار کے منہ پر جالا تن دیا تھا۔ وہ جالے کو دیکھ کر کہنے لگے۔ اگر اس غار کے اندر جاتے تو یہ جالا رہ نہیں سکتا تھا۔ اس وقت ان کے پاؤں حضرت ابوبکرؓ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو نظر آرہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی۔ "یا رسول اللہ! اگر یہ اپنے پاؤں کی طرف جھک کر اندر دیکھیں تو ہمیں دیکھ سکتے ہیں" اس پر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ " ابوبکرؓ غم مت کرو خدا ہمارے ساتھ ہے[1]۔"

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو جو ایک زیرک نوجوان تھا گھر سے نکلتے وقت سمجھا دیا تھا کہ تم قریش کی حرکات اور مشوروں سے ہمیں غار میں اطلاع دے دیا کرنا۔ چنانچہ وہ دن بھر مکہ میں پھر کر معلومات فراہم کرتے اور رات کو جا کر غار میں سب کچھ بتا آتے۔ حضرت ابوبکرؓ کے ایک غلام عامر بن فہیرہ دن کو اس پہاڑی کے ماحول میں بکریاں چراتے اور ان کا دودھ دوہ کر غار کے اندر پہنچا دیتے۔ تین دن تک حضورؐ اس غار میں ٹھہرے رہے۔ جب قریش کی دوڑ دھوپ میں کچھ کمی آگئی تو یکم ربیع الاوّل ۱۴ سن نبوی بمطابق ۱۲ ستمبر ۶۲۲ء حضورؐ اور حضرت ابوبکرؓ ان دو اونٹنیوں پر جو پہلے سے اس غرض کے لئے تیار تھیں صبح کے وقت ایک رہبر کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔

---

[1] سورۃ توبہ آیت ۴۰ و بخاری مناقب ابی بکرؓ

ایک روایت میں سفر کا آغاز رات کو بیان ہوا ہے۔ مکہ سے روانگی کے وقت حضورؐ نے مکہ پر آخری نظر ڈالی اور فرمایا:-

"مکہ کی بستی تو مجھے بہت پیاری ہے لیکن تیرے رہنے والے مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے۔"

حضرت ابوبکرؓ نے سنا تو عرض کی:-

"ان لوگوں نے خدا کے نبیؐ کو نکالا ہے اب یہ خدائی عذاب کا شکار ہوں گے۔" [۱]

سراقہ کا تعاقب:

چونکہ تعاقب کا ڈر تھا اس لئے اصل راستہ کی بجائے سمندر کے ساتھ ساتھ حضورؐ نے سفر اختیار فرمایا۔ ادھر ایک شخص سراقہ نامی کو مکہ میں کسی طرح پتہ چل گیا کہ فلاں راستے سے حضرت محمدؐ جا رہے ہیں وہ بغیر کسی کو بتلائے سو اونٹ کے انعام کے لالچ میں ہتھیار بند ہو کر گھوڑے پر سوار حضورؐ کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ حضورؐ آغاز سفر میں مسلسل ایک رات اور دوسرے دن کا کچھ حصہ چلتے رہے۔ پھر ایک بڑے پتھر کے سایہ میں دوپہر کو آرام کیا یہیں ایک چرواہے کی بکریوں کا دودھ دوہ کر حضرت ابوبکرؓ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔

کچھ دیر آرام کرنے کے بعد روانہ ہوئے ابھی تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ نے دیکھا کہ ایک شخص گھوڑا دوڑائے تعاقب کر رہا ہے

---

[۱] زرقانی کتاب المغازی

انہوں نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ کوئی شخص ہمارا تعاقب کر رہا ہے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ "غم مت کیجیئے اللہ ہمارے ساتھ ہے"

جب سراقہ اور قریب ہوا تو اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور سراقہ زمین پر گر پڑا۔ عرب توہم پرست تو تھے ہی۔ اس نے اپنے ترکش سے تیر نکال کر فال لی۔ فال کا طریق یہ تھا کہ عرب ترکش میں تیر رکھتے۔ ایک پر "لا" یعنی "نہیں" لکھا ہوتا تھا، دوسرے پر "نعم" یعنی "ہاں" ہوتا اور تیسرا خالی۔ فال میں اسے یہ نظر آیا کہ مجھے یہ کام نہیں کرنا چاہیئے۔ لیکن انعام کا لالچ تھا۔ گھوڑے پر سوار ہو کر تعاقب میں لگ گیا۔ سراقہ کہتا ہے جب میں قدرے قریب ہوا تو میں نے سنا کہ حضورؐ قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ پیچھے مڑ مڑ کر دیکھتے تھے لیکن حضورؐ نے ایک بار بھی پیچھے مُڑ کر نہیں دیکھا۔ اب میں اور قریب ہوا تو میرے گھوڑے نے پھر ٹھوکر کھائی اور گھوڑے کے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے۔ اور میں بھی جھٹکے سے زمین پر آ رہا۔ میں اُٹھا گھوڑے کو ڈانٹا ڈپٹا۔ وہ بمشکل ریت سے نکلا لیکن اتنے زور سے دھنس گیا تھا کہ اس کے اُٹھنے کے بعد ہر طرف غبار چھا گیا۔ اب پھر میں نے تیر نکال کر فال لی۔ پھر وہی نکلا جسے میں ناپسند کرتا تھا لیکن اب میں نے تعاقب کا ارادہ ترک کر دیا اور وہیں سے آواز دی۔ "یا رسول اللہ! امان دیجیئے!" اور میں گھوڑے پر سوار ہو کر حضورؐ کی خدمت میں پہنچا اور سارا ماجرا عرض کیا۔ اور واپس ہونے کا ارادہ ظاہر کیا۔ میں نے کچھ زادِ راہ بھی پیش کیا۔ لیکن آپؐ نے اس میں سے کچھ نہ لیا۔ اور فرمایا۔ "کسی سے ہمارا ذکر نہ کرنا"۔ میں نے عرض کی۔ "یا رسول اللہ مجھے امان کی تحریر عنایت فرمایئے!" آپؐ نے غلام کو چمڑے کے ٹکڑے پر لکھنے

کا ارشاد فرمایا۔ سراقہ روایت کرتا ہے کہ حضورؐ آگے روانہ ہوئے اور میں واپس پلٹا تو حضورؐ نے فرمایا:۔

"سراقہ! اس وقت تیرا کیا حال ہوگا جب تیرے ہاتھ میں کسریٰ کے کنگن ہوں گے"۔ [1]

سراقہ کے لئے یہ بات کس قدر تعجب انگیز تھی۔ اس نے پوچھا "کون؟ کسریٰ بن ہرمز شاہنشاہِ ایران؟" آپؐ نے فرمایا۔ "اور کون!"

یہ ایک عظیم الشان پیشگوئی تھی جو اس کسمپرسی کی حالت میں خدا کے رسولؐ نے فرمائی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے عہد میں جب ایران فتح ہوا تو کسریٰ کے سونے کے کنگن آپ کی خدمت میں پیش ہوئے۔ آپؓ نے سراقہ کو بلایا اور اسے وہ کنگن پہنائے کہ رسول اللہؐ کی پیشگوئی تھی۔ [2] سچ ہے خدا کی باتیں پوری ہو کر رہتی ہیں۔

مدینہ میں ورود:

مختلف مقامات پر پڑاؤ کرتے ہوئے آٹھ روز کے سفر کے بعد ۱۲ ربیع الاول ۱۴ نبوی بمطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء حضورؐ مدینہ کے قریب پہنچے۔ مدینہ میں سراپا حضورؐ کے لئے فرشِ راہ تھی۔ مدینہ والوں کو علم

---

[1] ابن ہشام جزاول جلد ثانی صفحہ ۳۳۸، ۳۳۹، بخاری ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ، زرقانی جزاول صفحہ ۳۴۸ عنوان قصہ سراقہ۔

[2] اسد الغابہ ذکر سراقہ بن مالک۔ و زرقانی جزاول صفحہ ۳۴۸ عنوان قصہ سراقہ۔

ہو چکا تھا کہ حضورؐ مکہ سے روانہ ہو چکے ہیں۔ وہ ہر روز صبح مدینہ سے باہر ایک گھاٹی کے پاس پہنچ جاتے جہاں وہ آنے والوں کا استقبال اور جانے والوں کو رخصت کیا کرتے تھے اس کا نام ثنیۃ الوداع تھا۔ جب دھوپ تیز ہو جاتی تو مایوس ہو کر واپس آ جاتے اس دن بھی وہ آئے ہوئے تھے۔ حضورؐ کو نہ پا کر وہ واپس جا رہے تھے کہ انہوں نے ایک یہودی کی آواز سنی جو اپنے قلعہ نما مکان سے آواز دے رہا تھا:۔

"اے اہلِ عرب! تمہیں جس کی انتظار تھی وہ آ رہا ہے"۔

لوگ واپس ہوئے انہوں نے ہتھیار لگائے ہوئے تھے۔ بچے اور عورتیں گا گا کر استقبال کر رہے تھے:۔

"اَشْرَقَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاع
وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا مَا دَعَا لِلّٰہِ دَاع"[1]

ثنیۃ الوداع سے ہم پر چاند چڑھا۔ خدا کا شکر اس وقت تک واجب ہے جب تک کوئی خدا کی طرف بلانے والا بلاتا ہے۔

آج بھی یہ تصوّر کر کے آنکھیں پُرنم ہو جاتی ہیں کہ مکّہ والوں نے رحمت خداوندی کو ردّ کر دیا اور مدینہ والوں نے دیدہ و دل فرشِ راہ کر کے اس نعمت کو اپنے گھروں میں جگہ دی۔ آج مدینہ کا ہر ذرہ چمک اُٹھا تھا۔ ہر مسلمان شاداں و فرحاں تھا کہ ابرِ رحمت ان کے گھروں کی طرف آ رہا تھا رحمت کی ہوائیں اس ابر کو مکّہ سے مدینہ کی طرف لے آئیں۔

---

[1] لباب الخیار صفحہ ۴۸

حضورؐ قصواء نامی اونٹنی پر سوار تھے۔ ہر شخص منتظر تھا کہ حضورؐ کے قیام کی سعادت کسے نصیب ہوتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا:۔

"میری اونٹنی کی باگ چھوڑ دو یہ جہاں رُک جائے گی ہم وہاں ٹھہریں گے۔"

اور قصواء ابو ایوب انصاری رضؓ کے گھر کے سامنے جا کر رُک گئی۔[۱]

یہ سعادت حضرت ابو ایوب انصاریؓ کو نصیب ہوئی کہ خدا کے مہاجر نبیؐ نے آپ کے گھر پر قیام فرمایا۔ چالیس سال کی عمر میں حضورؐ نے دعویٰ نبوت فرمایا تھا۔ دعویٰ نبوت کے بعد حضور صلے اللہ علیہ وسلم تیرہ برس تک مکّہ میں رہے۔ ہجرت کے وقت حضورؐ کی عمر ترپن ۵۳ سال تھی۔ یہ دور مظالم اور سختیاں سہنے کا دور تھا اور مذہبی جماعتوں کی زندگی میں ابتلاء اور شدائد ان کی روحانی تربیت کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ مدینہ میں آمد کے بعد کا زمانہ مدنی دور کہلاتا ہے۔ یہ دور فتوحات کا دور تھا اور مدینہ میں آمد سے سن ہجری کا آغاز ہوا۔ مکّہ کے زمانہ میں قرآن مجید کی جو سورتیں نازل ہوئیں وہ مکی کہلاتی ہیں۔ ان کا مضمون زیادہ تر عقائد اور شرک کی تردید کے بارہ میں تھا۔ ہستی باری تعالےٰ اور توحید، حضورؐ کی صداقت کے دلائل، ملائکہ کے وجود، قیامت، جزا و سزا کے بارہ میں دلائل اور احکام پر مشتمل آیات مکی سورتوں میں بیان کی گئیں۔ نماز مکّہ میں ۱۲ سنہ یا ۱۳ سنہ نبوی میں فرض ہوئی۔

مواخات:

مدینہ میں آنے کے بعد حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ سے ہجرت

---

[۱] بخاری باب ہجرۃ النبی صلّی اللہ علیہ وسلم واصحابہ

کرنے والوں اور مدینہ میں رہنے والوں کے درمیان مواخات قائم فرمائی۔[1]
آپؐ نے حضرت انسؓ کے گھر پر ایک انصاری اور ایک مہاجر کو بھائی بھائی
بنایا۔ مکہ کو چھوڑ کر آنے والے اسلامی اصطلاح میں مہاجر کہلائے اور مدینہ
میں رہنے والے انصار یعنی مددگار کہلائے۔ انصارِ مدینہ نے اپنے مہاجر
بھائیوں کے لئے ہر قسم کا ایثار کیا۔ انھوں نے اپنی جائداد دو حصوں میں
تقسیم کی اور ایک حصّہ کی مہاجرین کو پیشکش کی تاہم مہاجرین نے ان پر زیادہ
دیر تک بوجھ بننا پسند نہیں کیا۔ انصار کی پیشکش اور ایثار کی مثالیں
تاریخ میں محفوظ ہیں۔ انھوں نے اپنے مکانوں کا ایک ایک حصہ اپنے بھائیوں
کے لئے خالی کر دیا۔ اپنی آمدنیوں میں ان کو شریک سمجھا اور ان کی ہر ضرورت
کا خیال رکھا۔

مسجد نبویؐ کی تعمیر:

حضورؐ نے مدینہ تشریف لانے کے بعد یہاں مسجد کی تعمیر کا آغاز فرمایا
دو یتیموں سے زمین خرید کر اسے ہموار کیا اور درختوں کو کاٹ کر مسجد کی تعمیر
شروع فرمائی۔ حضورؐ صحابہؓ کے ساتھ خود مٹی اٹھاتے اور انصار و مہاجرین
دعائیہ اشعار پڑھتے ہوئے حضورؐ کا ہاتھ بٹاتے۔ ایک شعر یہ تھا:۔

"اَللّٰھُمَّ اِنَّہٗ لَاخَیْرَ اِلَّا خَیْرُ الْاٰخِرَۃ
فَانْصُرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُھَاجِرَۃ"[2]

---

[1] بخاری باب کیف آخی النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم بین اصحابہ، اور ابن ہشام
جلد اول خزائنی صفحہ ۳۵۱

[2] بخاری باب مقدم النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم

اے اللہ اصل بھلائی تو آخرت کی بھلائی ہے پس تو انصار
اور مہاجرین کی مدد فرما۔

اس مسجد کی بلندی اُس وقت ساڑھے دس فٹ تھی۔ طول ایک سو پانچ فٹ اور عرض نوّے فٹ تھا۔ مسجد کے ساتھ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لئے ملحقہ کمرہ بنایا گیا جس کا ایک دروازہ مسجد میں کھلتا تھا۔ یہ مسجد ہی مسلمانوں کا پارلیمنٹ ہاؤس تھا کہ اہم امور کے متعلق مشورے یہیں ہوتے یہی دارالقضاء تھا۔ کہ مقدمات کے فیصلے یہیں ہوتے۔ یہی سیکریٹریٹ تھا کہ جہاں سے مختلف احکام صادر ہوتے۔

اذان کی ابتداء:

مدینہ کی ابتدائی زندگی میں ہی اذان کی ابتداء ہوئی۔ مختلف صحابہ کو اس بارہ میں کشف ہوا۔ چنانچہ حضرت بلال رضؓ پہلے موذّن مقرر ہوئے اس سے پہلے نماز کے لئے آواز دی جاتی کہ نماز کھڑی ہونے والی ہے۔

اذان میں کتنی دل کشی ہے۔ اس کے الفاظ کتنے پیارے اور مفہوم کتنا عمدہ اور واضح ہے۔ صبح کے وقت سکوتِ سحر کو چیرتی ہوئی جب موذّن کی آواز بلند ہوتی ہے مسلمان اپنے بستروں کو چھوڑ کر کھڑے ہو جاتے ہیں تو اس کی تاثیر کا پتہ چلتا ہے۔ حضور صلّے اللہ علیہ وسلّم کی مدینہ میں آمد کے ساتھ ہی عبداللہ بن سلام مشہور یہودی عالم نے اسلام قبول کیا اور فارس کے رہنے والے سلمان رضؓ فارسی نے حضورؐ کے ہاتھ پر بیعت کی لے

لے بخاری باب اسلام سلمان فارسی رضی اللہ عنہ،

میثاقِ مدینہ یعنی یہودِ مدینہ سے معاہدہ:

مدینہ میں یہود بکثرت آباد تھے۔ چنانچہ اُن سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک معاہدہ طے فرمایا جس کا مفہوم یہ تھا کہ:-

(۱) ہم اور یہود ایک قوم کی طرح مل کر رہیں گے۔

(۲) ہر ایک کو مذہبی آزادی ہوگی۔

(۳) تمام باشندگان کی جانیں اور اموال محفوظ ہوں گے۔

(۴) ہر قسم کے اختلافات اور تنازعات کا فیصلہ حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔

(۵) فیصلہ ہر فریق کی اپنی شریعت کے مطابق ہوگا۔

(۶) قریش مکّہ کو کسی قسم کی مدد یا پناہ یہود نہیں دیں گے۔[۱]

گویا پہلے ہی مرحلہ پر مدینہ میں ایک جمہوری سٹیٹ کی تشکیل کی گئی جس کی پبلک مدینہ اور اس کے نواح میں رہنے والے سب باشندے تھے۔ اب مسلمانوں کے قدم مدینہ میں مضبوطی سے جمنے شروع ہوئے۔ ادھر مکّہ والے حسد اور بغض میں جلنے لگے۔ انھوں نے مدینہ والوں کو دھمکیاں دینی شروع کیں کہ تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پناہ دی۔ یا تو تم اُس کا ساتھ چھوڑ کر اس سے برسرِپیکار ہو جاؤ ورنہ ہم تم پر لشکر کشی کریں گے۔ پھر رؤساء قریش نے یہود مدینہ کو اسی قسم کے خط لکھنے شروع کئے اور مدینہ پر لشکر کشی کی تیاری شروع کر دی۔ اس غرض کے لئے انہوں نے قبائل

---

[۱] ابن ہشام جلد اول جز ثانی صفحہ ۳۴۶ تا ۳۴۹

عرب میں پھر کر مسلمانوں کے خلاف انھیں ابھارا۔ مدینہ میں ان کے ارادوں کا مسلمانوں کو علم ہوا تو تاریخ میں مذکور ہے کہ مسلمان رات کو بھی ہتھیار لگا کر سوتے کہ مبادا غفلت میں حملہ ہو جائے۔ جب مکہ والوں کے ارادہ کا حضورؐ کو علم ہوا تو آپؐ نے مدینہ کے اردگرد کے قبائل کے ساتھ باہمی امن و امان کے معاہدے کئے۔ تاکہ مدینہ کے اردگرد کا علاقہ خطرہ سے محفوظ ہو جائے اور مختلف پارٹیاں بھیج کر دشمن کے عزائم کی خبر رکھنا شروع کر دی۔ قریش کے اُن قافلوں پر نظر رکھتے جو بظاہر تجارت کی غرض سے باہر نکلتے لیکن دراصل مسلمانوں کے خلاف لوگوں کو اکساتے تھے۔



جنگِ بدر

مکہؔ میں ایک ایک کافر سردار اپنی قوم کو مسلمانوں کے استیصال کی تاکید کرتا اور جنگ کے لئے انہیں تیار کرتا چنانچہ ۲ھ میں ابوجہل کی قیادت میں ایک ہزار کا لشکر کیل کانٹے سے لیس ہو کر مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ ہوا۔ روانگی سے قبل ابوجہل نے خانہ کعبہ پر ہاتھ رکھ کر دعا کی کہ:۔

"اے اللہ! ہم میں سے جو جھوٹا ہو اُسے ملیس کر رکھ دے[۱]"

ان کے ساتھ عرب کے دستور کے مطابق عورتیں بھی تھیں جو گا گا کر اور دفیں بجا بجا کر اُن کو جوش دلاتیں۔ ہر پڑاؤ پر شراب کے دَور چلتے اور اونٹ ذبح کر کے اس کے کباب اُڑائے جاتے اس طرح یہ لشکر بدر کی وادی میں خیمہ زن ہو گیا جو کہ مدینہ سے جنوب مغرب میں چار یا پانچ دن کی مسافت پر واقع ہے حضورؐ کو کفار کی لشکر کشی کا علم ہوا تو آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ حضرت عمرؓ بن خطاب نے فدائیت کا اظہار کیا۔ مقدادؓ بن

---

[۱] ابن ہشام جلد اول جز ثانی صفحہ ۴۵۸

عمرو نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! جو خدا کا منشا ہے اس کے مطابق عمل کیجئے ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ ہم موسیٰؑ کے حواریوں کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ تو اور تیرا رب جا کر لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ ہم تو کہتے ہیں امض لما اراد اللہ فنحن معک[1]۔ ہم آپؐ کے ساتھ ہو کر رہیں گے۔ یا رسول اللہؐ! جہاں جانے کا ارشاد فرمائیں گے ہم چلیں گے۔"

لیکن حضورؐ نے اس ایمان افروز جواب کے بعد بھی فرمایا:۔ "لوگو مجھے مشورہ دو!"

اور آپؐ کا روئے سخن دراصل انصار کی طرف تھا اور حضورؐ کے ذہن میں یہ تھا کہ انصار مدینہ سے جو معاہدہ ہوا تھا اس سے مراد وہ یہ نہ لیتے ہوں کہ مدینہ میں رہتے ہوئے دشمن سے آپؐ کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا اور مدینہ سے باہر جا کر لڑنے کا عہد تو نہیں تھا۔ سعد بن معاذ[2] رئیس انصار حضورؐ کا یہ تاثر بھانپ گئے انھوں نے عرض کی "یا رسول اللہؐ! شاید آپ کا روئے سخن ہماری طرف ہے!"

آپؐ نے فرمایا۔ "ہاں ایسا ہی ہے۔"

تب سعدؓ انصاری نے کہا "یا رسول اللہؐ! ہم آپؐ پر ایمان لائے اور ہم نے تصدیق کی اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ صداقت کے علمبردار ہیں۔ ہم نے عہد کیا ہے کہ ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔ یا رسول اللہ! آپؐ نے جو ارادہ کیا ہے۔ اس پر عمل کیجئے۔ ہم آپؐ کے ساتھ ہیں اور قسم ہے اُس

---

[1] ابن ہشام جلد اول جز ثانی صفحہ ۲۴۴

[2] بخاری میں مقداد بن اسودؓ کا نام آیا ہے۔

ذات کی جس نے آپؐ کو رسول بنا کر بھیجا۔ یہ سامنے سمندر ہے اگر آپ حُکم دیں تو اس میں گھوڑے ڈال دیں اور ایک شخص بھی پیچھے نہ رہے گا۔ ہم لڑائی سے ڈرتے نہیں۔ ہم جنگ میں ثابت قدم رہنے والے ہیں۔ ہماری جانب سے آپؐ کی آنکھ ٹھنڈی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی برکتوں کے سائے میں ہمیں لے کر آگے بڑھیئے۔"[1]

حضورؐ نے سعدؓ سے یہ سُنا تو چہرہ مبارک مسرّت سے تمتما اٹھا اور فرمایا:۔

"چلو تمہیں خدا کی خوشخبری ہے۔ اللہ نے مجھ سے نصرت کا وعدہ کیا ہے۔ خدا کی قسم مجھے وہ جگہیں دکھائی دے رہی ہیں جہاں مشرکین کی لاشیں پڑی ہوں گی۔"[2]

۱۲ رمضان بروز اتوار حضورؐ مدینہ سے تین سو تیرہ جان نثار صحابہؓ کے ساتھ اس کفر و اسلام کے پہلے معرکہ کے لئے روانہ ہوئے۔ مدینہ سے باہر نکل کر لشکر کا جائزہ لیا۔ بعض کم سن نوجوانوں کو واپس کیا۔ سعدؓ بن ابی وقاص کے چھوٹے بھائی بھی کم سن تھے۔ انھوں نے جب سنا کہ حضورؐ کم سن نوجوانوں کو واپس کر رہے ہیں تو لشکر میں کہیں چھپ گئے لیکن اُن کا پتہ چل گیا۔ حضورؐ نے انہیں واپسی کا ارشاد فرمایا تو رونے لگ گئے۔ حضورؐ نے اُن کا شوق دیکھا تو ساتھ چلنے کی اجازت دے دی۔ لشکر میں ساٹھ^۶۰ کے قریب مہاجر تھے۔ باقی سب انصار تھے۔ لشکر میں صرف ستّر^۷۰ اونٹ تھے اور دو^۲ گھوڑے

---

[1] ابن ہشام جلد اول جزثانی صفحہ ۴۴۷، ۴۴۸

[2] " " " ۴۴۸

جن پر مسلمان باری باری سواری کرتے اور صرف سات زرہ پوش تھے۔ اس وقت لڑنے والے لوہے کی قمیض جسم پہ پہنتے تھے تاکہ تلوار یا نیزہ اثر نہ کر سکے۔ اسے زرہ کہتے تھے۔ بدر کے میدان میں پہنچ کر ایک چشمہ پر اسلامی لشکر نے پڑاؤ کیا۔ کفار کے لشکر میں مکہ کے تمام بڑے بڑے رؤسا عتبہ، شیبہ۔ ولید، عقبہ بن ابی معیط، امیہ بن خلف اور ابوجہل شریک تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کا نام سُ کر اُس موقعہ پر جب مکہ میں خانہ کعبہ کے سایہ میں حضورؐ سربسجدہ تھے اور عقبہ نے اونٹنی کی گند سے بھری بچہ دانی رکھ دی تھی۔ اس موقعہ پر حضورؐ نے اُن کے لئے بددعا کی تھی۔ حضورؐ نے ان کو دیکھا تو صحابہؓ سے فرمایا:۔

"هٰذِهٖ مَكَّةُ قَدْ اَلْقَتْ اِلَيْكُمْ اَفْلَاذَ كَبِدِهَا۔"[1]

کہ مکہ نے اپنے جگر گوشے تمہاری طرف نکال کر پھینک دیئے ہیں۔

اس کے بعد حضورؐ کے حکم سے آپؐ کے لئے ایک جھونپڑا تیار کیا گیا تا حضورؐ اس میں الگ ہو کر دعا کر سکیں حضرت ابوبکرؓ روایت کرتے ہیں۔ کہ حضورؐ کے کندھے پر چادر تھی اور حضورؐ اس الحاح سے دُعا کرتے تھے کہ چادر کندھے سے اُتر اُتر جاتی تھی۔ حضورؐ خدا سے عرض کر رہے تھے:۔

"اے اللہ! مجھے چھوڑیئے نہیں۔ یا اللہ میں تیرا وعدہ تجھے یاد دلاتا ہوں"۔

ابوبکر صدیقؓ نے عرض کی۔ "یا رسول اللہ! بس کیجئے! اللہ تعالیٰ نے آپ سے فتح و ظفر کا وعدہ فرمایا ہے۔"

---

[1] ابن ہشام جلد اول جزثانی صفحہ ۹۳۳

آنحضرت صلّے اللہ علیہ وسلّم نے اپنے پروردگار سے التجا کرتے ہوئے کہا:۔

"یا اللہ! اگر تو نے ان چند مٹھی بھر مسلمانوں کو ہلاک کر دیا

تو روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔"

دعا کر کے آپؐ جھونپڑے سے باہر نکلے۔ حضورؐ نے میدانِ جنگ کا معائنہ فرمایا۔ مختلف جگہوں پہ نشان لگائے اور فرمایا:۔

یہاں پہ فلاں کافر سردار مرا پڑا ہوگا اور اس جگہ فلاں کافر

سردار کی لاش ہوگی اور اس جگہ فلاں کافر سردار کا جثہ ہوگا

حضورؐ نے ایک مٹھی کنکریوں اور ریت کی زمین سے اٹھائی اور کفار کی طرف پھینکی اور فرمایا:۔

"یہ سردار رسوا ہوئے۔ اے اللہ ان کے دلوں میں رعب

ڈال دے اور ان کے قدموں کو ڈگمگا دے"۔[1]

اور آپ نے پیشگوئی کے رنگ میں فرمایا:۔

"یہ لشکر کفار ہزیمت کھائے گا اور میدان جنگ سے پیٹھ

پھیر کر بھاگ جائے گا۔"[2]

اب دونوں طرف جنگ کے لئے صفیں آراستہ ہوئیں۔ جنہیں درست کرتے ہوئے ایک لطیف واقعہ ہوا۔ حضورؐ چھڑی سے صفیں درست فرما رہے تھے کہ ایک انصاری صحابی سواد بن غزیہؓ کے پیٹ پہ چھڑی لگا کر فرمایا۔ "صف سیدھی کرو!" اس نے کہا۔" حضور عدل و انصاف کے

---

[1] مسلم جلد ثانی کتاب الجہاد والسیر باب غزوۃ بدر۔

[2] بخاری کتاب المغازی باب قول اللہ تعالیٰ اِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ۔

پیغمبر ہیں۔ مجھے اس چھڑی سے تکلیف پہنچی ہے۔ میں بدلہ لوں گا۔"

حضورؐ نے فرمایا "آؤ بدلہ لے لو!"

اس نے کہا۔ "آپؐ کی چھڑی میرے ننگے جسم پہ لگی تھی۔"

آپؐ نے کپڑا اٹھایا اور فرمایا۔ "آؤ بدلہ لے لو!"

وہ آگے بڑھا اور حضورؐ کے جسم مبارک کو چوم لیا۔

حضورؐ نے دریافت فرمایا۔ "یہ کیا؟"

اُس نے عرض کیا۔ "حضورؐ زندگی کا کیا اعتبار! میدان جنگ میں ہوں۔ کیا پتہ اس دنیا میں میری یہ آخری ملاقات ہو۔ مَیں نے چاہا اس دنیا میں میرا آخری فعل آپؐ سے یہ پیار ہو۔"[1]

حضورؐ نے لشکر کو مخاطب ہو کر فرمایا:۔

"اپنی جگہ رہنا۔ دشمن کو آگے بڑھنے دینا۔ جب وہ تیروں کی زد میں آجائے تو تیروں کا مینہ برسانا اور قریب آ جائے تو نیزوں پر لینا اور آگے بڑھے تو تلواریں بے نیام کر لینا۔"

جنگ کے آغاز میں جیسا کہ عرب کا دستور تھا۔ کفار کے لشکر سے اسود مخزومی آگے آیا۔ اُس نے مقابلہ کے لئے پکارا۔ حضرت حمزہؓ مقابلہ کے لئے آئے اور اس کی پشت پر ایسا وار کیا کہ وہیں اُسے ڈھیر کر دیا۔ پھر عتبہ۔ اس کا بھائی شیبہ اور بیٹا ولید میدان میں اترے اور مقابلہ کے لئے پکارا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبیدہؓ بن حارث، حمزہؓ اور علیؓ

---

[1] ابن ہشام جلد اول جز ثانی صفحات ۲۵۶ - ۲۵۷

کو مقابلہ کے لئے ارشاد فرمایا۔ حمزہؓ نے شیبہ کو قتل کر دیا۔ حضرت علیؓ نے ولید کو موت کے گھاٹ اتارا۔ عبیدہؓ اور عتبہ آپس میں گتھم گتھا تھے کہ علیؓ اور حمزہؓ اپنے مد مقابل سے فارغ ہو کر آئے اور عتبہ کو خاک میں سلا دیا۔[1]

بلالؓ کا آقا امیہ جو مکہ میں اذیتیں دیا کرتا تھا۔ آج بلالؓ کے ہاتھوں بدر کے میدان میں قتل ہوا۔ ابو جہل جو لشکر کفار کا سردار تھا۔ دو نوجوان مسلمانوں کے ہاتھوں واصل جہنم ہوا۔ معوذؓ اور معاذؓ عفراءؓ کے بیٹے تھے۔ یہ سات بھائی تھے۔ ساتوں بدر میں شریک تھے۔ معوذ اور معاذ صف میں حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ مشہور صحابی کے دائیں بائیں تھے حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ یہ واقعہ بیان کرتے ہیں۔ دیکھئے کتنا دلچسپ واقعہ ہے وہ کہتے ہیں :۔

میں نے جو اپنے دائیں بائیں دیکھا تو مجھے خیال آیا کہ یہ کیا ہوا؟ میرے دائیں بائیں بھی کوئی مضبوط نوجوان ہوتے تو خوب ہوتا۔ میرے دل میں اس خیال کا آنا تھا کہ مجھے کسی نے دائیں سے کہنی ماری اور رازدارانہ لہجہ میں پوچھا۔ "چچا! وہ ابو جہل کہاں ہے؟" ابھی میں اس کا جواب بھی نہ دینے پایا تھا کہ بائیں طرف سے مجھے کسی نے کہنی ماری اور پوچھا۔ "چچا ابو جہل کہاں ہے؟" میں نے کہا۔ "تمہیں اس سے کیا سروکار؟" انھوں نے کہا۔ "وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ ہم نے ارادہ کیا ہے یا تو اُسے آج قتل کریں گے یا اس راہ میں اپنی جان دے دیں گے"۔ میں نے ان بچوں کو بتایا کہ وہ دیکھو میدان جنگ میں پہروں کے

---

[1] ابن ہشام جلد اول جزء ثانی صفحہ ۴۵۵ - ۴۵۶

اندر چھتر کے نیچے لوہے میں ڈوبا ہوا۔ وہی ابوجہل ہے۔"

حضرت عبدالرحمان بن عوف کہتے ہیں۔ میرا یہ کہنا تھا کہ یہ بچے یوں جھپٹے جیسے شہباز اپنے شکار پر جھپٹتا ہے اور جاکر ایسی تابڑ توڑ تلواریں ماریں کہ ابوجہل زمین پر گر گیا۔[1] عکرمہ اس کا لڑکا اس کے پاس ہی تھا۔ اس نے لڑکے کے ایک شانے پر ایسا کاری وار کیا کہ بازو کٹ کر لٹک گیا۔ اس نوجوان نے جب دیکھا کہ بازو لٹک رہا ہے اور لڑنے میں حائل ہو رہا ہے تو پاؤں کے نیچے ہاتھ کی انگلیاں رکھ جسم کو اوپر کھینچ کر بازو کو جسم سے الگ کر دیا اور پھر لڑنے لگا۔[2]

اس جنگ میں کفار کے ستر آدمی قتل ہوئے اور ستر قید ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اس جنگ کو حق و باطل میں فیصلہ کا دن قرار دیتا ہے۔[3] کیونکہ اسی دن کفر کو فیصلہ کن شکست ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

" اللہ نے بدر کے دن تمہاری مدد کی جبکہ تم کمزور سمجھے جاتے تھے۔"[4]

اور حق یہ ہے کہ ۳۱۳ اور ہزار کا کیا مقابلہ تھا۔ ایک طرف بے سروسامانی تھی اور دوسری طرف فخر و غرور۔ ہر قسم کے سامان سے آراستگی۔ لیکن ایک بات تھی۔ ایک طرف خدا پر بھروسہ۔ دوسری طرف تکبر اور انانیت۔ ایک طرف بے بسی لیکن خدا کی تائید شامل اور دوسری طرف ہر قسم کا سامان لیکن نتیجہ حسرت و ناکامی۔

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوہ بدر [2] ابن ہشام جلد اول جز ثانی صفحہ ۶۳۴

[3] وما انزلنا علی عبدنا یوم الفرقان یوم التقی الجمعان (انفال آیت ۴۲)

[4] ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلۃ۔ (آل عمران آیت ۱۲۴)

جب کفّار شکست کھا چکے تو سردارانِ قریش کی لاشوں کو ایک گڑھے میں ڈالا گیا۔ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلّم تشریف لائے۔ گڑھے کے کنارے کھڑے ہو کر فرمایا:۔

"تم نبی کے بہت بُرے ساتھی تھے۔ تم نے میری تکذیب کی اور لوگوں نے میری تصدیق کی۔ تم نے مجھے گھر سے بے گھر کیا۔ لیکن لوگوں نے پناہ دی"۔

ایک صحابی نے عرض کی۔ "یا رسول اللہؐ! یہ آپ کی بات سُن رہے ہیں؟"

فرمایا۔ "خدا اُن کو سنا رہا ہے۔ جس طرح تم میری باتیں سنتے ہو"۔

اور فرمایا۔ "خدا نے ہم سے جو وعدہ فرمایا تھا ہم نے دیکھ لیا کہ وہ سچا ہے۔ تم سے جو خدا نے وعدہ فرمایا تھا۔ تم نے بھی اسے دیکھ لیا"۔ [1]

اور فرمایا۔ "اس وقت یہ میری بات سن رہے ہیں"۔

صحابہؓ نے میدان جنگ کا جائزہ لیا تو دیکھا کہ ابوجہل کے آخری سانس ہیں۔ حضرت ابن مسعودؓ نے کہا۔ "تیری کوئی آخری خواہش؟" اس نے کہا۔ "میری گردن لمبی کر کے کاٹنا"۔

حضرت ابن مسعودؓ نے اس کی چھاتی پہ پاؤں رکھا اور داڑھی پکڑ کر سر کے پاس سے اس کی گردن کاٹی۔ [2]

صحابہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے مکہ میں جس جس کے لئے بددعا کی تھی اور جنگ سے پہلے جس جس جگہ نشان لگائے تھے۔ خدا کی قسم ہم نے دیکھا وہ سب وہیں ڈھیر ہوئے اور انہی جگہوں پر ان کی لاشیں

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ بدر [2] بخاری کتاب المغازی باب دعاء النبیؐ صلّی اللہ علیہ وسلّم علی کفار قریش۔

پڑی تھیں۔ دن چونکہ سخت گرم تھا اس لئے اُن کی لاشوں کے حلیئے بگڑ گئے تھے[۱] یہ ۱۷ رمضان سنہ ۲ ہجری کا واقعہ ہے۔

اَسیرانِ بدر سے سلوک :

جو ستّر کفار جنگی قیدی بنے۔ ان میں سے اکثر نے وہیں زرِ فدیہ ادا کر دیا اور رہا کر دیئے گئے۔ جو رہ گئے ان کو مسلمان مدینہ لے آئے۔

قیدیوں کے بارہ میں رسول کریم صلّے اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد تھا "جو خود کھاؤ اُن کو کھلاؤ" چنانچہ ایک جنگی اسیر ابو عزیز جو مصعب بن عمیرؓ کے بھائی تھے کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اہلِ مدینہ پر رحم کرے وہ خود کھجوریں کھاتے تھے۔ یہ وہ غذا تھی جو عرب میں ہر غریب کو بھی میسّر تھی اور ہمیں روٹی کھلایا کرتے تھے۔[۲]

اِن جنگی قیدیوں کو جب مدینہ لائے تو مسجد کے ستونوں کے ساتھ ان کو باندھ دیا گیا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اس وقت کوئی جنگی کیمپ نہ تھے۔ مسجد ہی ایک جگہ تھی جہاں مسلمانوں کے اہم امور طے ہوتے تھے اور ایک غرض یہ تھی تا مسلمانوں کی عبادات اور اجتماعی زندگی کو دیکھ کر یہ قیدی اسلام سے آگاہی پا سکیں۔ چنانچہ عباسؓ جو حضورؐ کے چچا تھے اور اس موقعہ پر قیدی بنائے گئے تھے اُن کو باندھا گیا تو بندھن ذرا سخت ہو گیا اور وہ کراہتے تھے۔ حضورؐ ان کی تکلیف کی وجہ سے سو نہ سکے۔ جب صحابہؓ کو معلوم ہوا کہ حضورؐ اس وجہ سے بے چین اور بے خواب ہیں تو

---

[۱] ابن ہشام جلد اول جز ثانی صفحہ ۴۷۳۔ [۲] ابن ہشام جلد ثانی جز ثالث صفحہ ۵۸۷

حضرت عباس کے بندھن ڈھیلے کر دیئے گئے۔

فرمایا:۔

"پھر سبھی کو یہ رعایت دو!"

چنانچہ سب کے بندھن ڈھیلے کر دیئے گئے۔

بہرحال اس جنگ کے نتیجہ میں کفر کا غرور خاک میں مل گیا۔ کفار قریش کی بڑی رسوائی ہوئی۔ مکّہ کے گھر گھر سے بَین کی آوازیں آنے لگیں۔ ہر گھر میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ لیکن بجائے اس کے کہ وہ خدائی تقدیر کی انگلی دیکھتے اور نوشتۂ دیوار پڑھتے۔ انہوں نے انتقام کی ٹھانی اور مسلمانوں سے بدلہ لینے کا ارادہ کیا اور جنگی تیاریاں زور شور سے شروع کر دیں۔ اور قسمیں کھائیں کہ جب تک اس شکست کا بدلہ نہ لیں گے چین سے نہ بیٹھیں گے۔



جنگِ اُحد

چنانچہ انتقام کے جذبہ کے تحت اہل مکہ نے بھرپور تیاری سے اگلے سال ۳ھ کو شوال کے مہینہ میں ایک جرار لشکر مدینہ پر حملہ کے لئے روانہ کیا لشکر تین ہزار کا تھا۔ اس میں سات سو زرہ پوش تھے اور دو سو گھوڑے تھے۔ میمنہ پر خالد بن ولید تھے اور میسرۃ پر عکرمہ[1]۔ لشکر کے ساتھ ان کی عورتیں بھی تھیں جو دفیں بجا بجا کر اور گا کر مسلمانوں کے خلاف لشکر کو جوش دلا رہی تھیں۔

قریش کا لشکر دس گیارہ دن کے سفر کے بعد اُحد پہاڑی کے دامن میں خیمہ زن ہوا۔ یہاں مدینہ کی چراگاہ تھی۔ انھوں نے آتے ہی پہلے اس پر حملہ کر کے تباہی مچائی۔ جمعرات کا دن تھا۔ حضورؐ اور اہلِ مدینہ کو ان واقعات کا علم ہوا۔ تو یہ رات مدینہ میں سخت تشویش میں گزری۔ صحابہ کرامؓ رضوان اللہ علیہم نے ساری رات حضورؐ کے مکان کا پہرہ دیا۔ صبح جمعہ کے دن حضورؐ نے صحابہؓ کو مشورہ کے لئے طلب کی۔

حضورؐ کا رؤیا اور اُس کی تعبیر:

مشورہ سے قبل حضورؐ نے فرمایا۔ "آج رات مَیں نے خواب میں دیکھا

---

[1] ابن ہشام جلد ثانی جز ثالث صـ۵

کہ میری تلوار کا سرا ٹوٹ گیا ہے اور میں نے دیکھا ایک گائے ہے جو ذبح کی جا رہی ہے اور فرمایا میں نے یہ بھی دیکھا کہ میں نے اپنا ایک ہاتھ مضبوط اور محفوظ زرہ کے اندر ڈالا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کی۔ حضورؐ اس خواب کی تعبیر کیا ہے؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ تلوار ٹوٹنے سے مراد میرے عزیزوں میں سے کسی کی شہادت ہے یا خود مجھے کوئی تکلیف پہنچے گی اور زرہ کے اندر ہاتھ ڈالنے سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ لڑائی کے لئے مدینہ کے اندر رہ کر لڑنا زیادہ مناسب ہوگا۔[1] اس کے بعد آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ طلب کیا۔ معمرؓ اور تجربہ کار صحابہؓ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ کے اندر قلعہ بند ہو کر ہمیں لڑنا چاہیئے لیکن نوجوان صحابہؓ نے جوشِ شہادت اور خدمت کے جذبہ کی وجہ سے یہ رائے دی کہ شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہیئے۔ انہوں نے اس رائے پر اس قدر اصرار کیا کہ حضورؐ نے ان کی رائے مان لی اور فرمایا ہم باہر نکل کر مقابلہ کریں گے۔ اس کے بعد حضورؐ اندرون خانہ تشریف لے گئے اور عمامہ باندھا اور ہتھیار لگا کر باہر تشریف لائے۔ اس عرصہ میں نوجوانوں کو بزرگوں نے سمجھایا اور انہیں ان کی غلط رائے کا احساس دلایا تو اس پر انہوں نے حضورؐ سے عرض کیا۔ حضورؐ ہم سے غلطی ہوئی۔ حضورؐ جس طرح مناسب خیال فرمائیں اسی طرح کارروائی فرمائیں۔ اسی میں برکت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔" خدا کے نبی کی شان سے یہ بعید ہے کہ ہتھیار لگا کر پھر اُسے اُتار دے اب اللہ کا نام لے کر چلو!"[2]

---

[1] ابن ہشام جلد ثانی جز ثالث صفحہ ۵۸۳

[2] " " " " " ۵۸۴

کم عمر نوجوانوں کا جذبہ جہاد:

اُحد مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ جب لشکر تقریباً ڈیڑھ میل مدینہ سے باہر آگیا تو آپؐ نے اس کا جائزہ لیا۔ بچوں کو واپس کر دیا۔ ایک کم عمر صحابیؓ رافعؓ کی طرف دیکھا تو اگرچہ یہ بھی کم عمر تھے لیکن وہ اکڑ کر سیدھے کھڑے ہو گئے تاکہ لمبے معلوم ہوں۔ اُن کی یہ تدبیر کارگر ہوئی اور انہیں شمولیت کی اجازت مل گئی۔ اس پر ایک اور کم عمر نوجوان سمرہؓ بن جندب۔ جسے واپس ہونے کا ارشاد ہوا تھا کہنے لگا۔ حضور میں رافعؓ سے طاقتور ہوں۔ بے شک کشتی لڑا کر دیکھ لیں اسے آپ نے اجازت دی ہے اور مجھے واپسی کا ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ دونوں کی کشتی ہوئی۔ سمرہؓ نے رافعؓ کو پچھاڑ لیا۔ چنانچہ اسے بھی اجازت دے دی گئی۔ [1]

لطف کی بات یہ ہے کہ سمرہؓ کے والد بھی شریک تھے۔ سمرہؓ نے انہیں سے شکوہ کیا تھا اور وہی اس کی تجویز کو لے کر حضورؐ کے پاس پہنچے تھے کیا ولولہ اور اخلاص تھا ان کم عمر نوجوانوں کا!

حضورؐ نے رات یہیں بسر کی۔ محمدؐ بن مسلمہ نے پچاس آدمیوں کے دستہ کے ساتھ رات بھر پہرہ کی ڈیوٹی دی۔ دوسرے دن ۱۵ شوال ۳ ہجری مطابق ۳۱ مارچ ۶۲۴ء بروز ہفتہ سحری کے وقت اسلامی لشکر آگے بڑھا۔ فجر کی نماز راستے میں ادا کی اور صبح ہوتے ہی اُحد کے میدان میں پہنچ گیا۔ اس موقع پر منافقوں کا سردار عبد اللہ بن اُبی ابن سلول اپنے

---

[1] ابن ہشام جلد ثانی جز ثالث صفحہ ۵۸۶

تین سو ساتھیوں سمیت لشکر سے علیحدہ ہو کر مدینہ چلا گیا کہ ہمارا مشورہ نہیں مانا گیا۔ یہ کوئی جنگ تھوڑی ہے۔ یہ تو خودکشی ہے۔[۱] اب اسلامی لشکر کی تعداد سات سو رہ گئی۔ ان میں صرف ایک سو زرہ پوش تھے۔ لیکن ہر شخص متاعِ ایمان رکھتا تھا اور اسلام پر قربان ہونے کے لئے گھر سے نکلا تھا۔

درّہ کی حفاظت: حضورؐ نے آگے بڑھ کر اُحد پہاڑ کو عقب میں لیا تاکہ دشمن کا لشکر پچھلی طرف سے حملہ نہ کر سکے اور مدینہ کو سامنے رکھا۔ پہاڑ میں ایک درہ تھا۔ اس میں پچاس آدمیوں کو مقرر فرمایا اور ارشاد ہوا۔ دیکھو تم یہاں سے نہ ہٹنا خواہ ہمیں فتح ہو یا شکست۔ تم درہ خالی نہ کرنا۔[۲] ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔ اگر تم دیکھو کہ پرندے ہمارا گوشت نوچ رہے ہیں پھر بھی تم یہاں سے نہ ہٹنا۔ یہاں تک کہ میں تمہیں حکم دوں۔ اس کے بعد حضور نے لشکر کی صف بندی کی مختلف دستوں کے امیر مقرر فرمائے۔ قریش کا علم حضور نے مصعبؓ بن عمیر کو عطا فرمایا۔[۳] کفار کے لشکر کا امیر ابوسفیان تھا۔ انہوں نے میمنہ پر خالد بن ولید کو کمانڈر بنایا اور میسرہ پر عکرمہ بن ابوجہل کو[۴] اور عورتیں دف بجا بجا کر اور گا گا کر انہیں مسلمانوں کے خلاف اکسا رہی تھیں

---

[۱] ابن ہشام جلد ثانی جز ثالث صفحہ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ [۲] ابن ہشام جلد ثانی جز ثالث صفحہ ۵۸۶ و بخاری کتاب المغازی باب غزوہ اُحد۔

[۳] ابن ہشام جلد ثانی جز ثالث صفحہ ۵۸۶ [۴] ابن ہشام جلد ۲ جز ثالث صفحہ ۵۸۷ ؎

ھل من مبارز: عرب کے دستور کے مطابق کفار کے لشکر سے قریش کا علمبردار طلحہ نمودار ہوا اور پکارا۔ کوئی ہے جو میرے مقابل آئے حضرت علیؓ آگے بڑھے اور دو چار ہاتھ ہیں طلحہ کو کاٹ کر رکھ دیا۔ اس کے بعد طلحہ کا بھائی عثمان آیا اور مقابلہ کے لئے اسلامی لشکر کو للکارا۔ ادھر سے حضرت حمزہؓ نکلے۔ سر پر شتر مرغ کے پر کی کلغی لگی ہوئی تھی۔ آتے ہی عثمان کو مار گرایا اس کے بعد عام جنگ شروع ہوئی۔

حضورؐ کی تلوار: حضورؐ نے اپنی تلوار ہاتھ میں لی۔ فرمایا کون اس کا حق ادا کرے گا؟ کئی خواہشمند تھے کہ یہ اعزاز اُسے نصیب ہو۔ ابودجانہؓ نے ہاتھ آگے بڑھایا اور عرض کی۔ مَیں اس کا حق ادا کروں گا۔ حضورؐ نے تلوار ابودجانہؓ کو عطا فرمائی۔ ابودجانہؓ نے سر پر سرخ پٹکا باندھا۔ تلوار لہرائی اور دندناتے ہوئے آگے بڑھے۔ ابودجانہؓ بہت دلیر انسان تھے اور جنگ میں ناز سے چلتے ہوئے آگے بڑھتے۔ حضور نے فرمایا۔ اِنّھا مِشْیَۃٌ یُبْغِضُھَا اللّٰہُ اِلَّا فِیْ مِثْلِ ھٰذَا الْمَوْطِنِ۔ خدا کو یہ چال پسند نہیں مگر ایسے موقعوں پر۔ حضرت زبیرؓ حضورؐ کے ہم زلف کہتے ہیں۔ مَیں نے کہا۔ مَیں آج دیکھوں گا ابودجانہؓ اس تلوار کا کیسے حق ادا کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ مَیں نے دیکھا ابودجانہؓ جدھر جاتا ہے موت بکھیرتا جاتا ہے۔ مَیں نے نہیں دیکھا کہ کوئی اس کے سامنے آیا ہو اور وہ بچ کر گیا ہو۔ حتیٰ کہ ایک دفعہ وہ کفّار کی صفوں کو چیر کر عقب میں جا نکلا اور کفار کے لشکر کے سردار ابوسفیان کی بیوی ہندہ کے سر پر ابودجانہؓ کی تلوار چمکی۔ ہندہ مدد کے لئے چیخی لیکن موت اتنی مہلت کہاں دے سکتی تھی کہ کوئی مدد کو پہنچ سکے۔ لیکن مَیں نے دیکھا کہ ابودجانہؓ نے ہاتھ روک لیا۔

مَیں نے بعد میں پوچھا۔ ابو دجانہؓ یہ تم نے کیا کیا؟ حضرت ابو دجانہؓ نے جواب دیا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار تھی مَیں نے نہ چاہا کہ یہ تلوار کسی عورت کے خون میں نہائے[1]۔ زبیرؓ کہتے ہیں۔ مَیں سمجھ گیا کہ حضورؐ کی تلوار کا حق ابو دجانہؓ نے ادا کر لیا۔

ابو دجانہؓ سرخ پٹکا باندھے لڑ رہا تھا۔ حضرت حمزہؓ شتر مرغ کے پروں کی کلغی لگائے دادِ شجاعت دے رہے تھے۔ زبیرؓ شوخ رنگ کی پگڑی باندھے اپنے گھوڑے پر سوار دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے اس کے عقب میں نکل جاتے۔ پھر حملہ کرتے واپس پلٹتے۔ حضرت علیؓ اپنے لمبے اور سفید جھنڈے کے ساتھ ہر جگہ نمایاں تھے۔

اس دن کفّار کے نو علمبردار باری باری مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے لیکن وہ بھی اتنے جوش و خروش سے لڑ رہے تھے کہ جب ایک موقعہ پر ان کے علمبردار صواب کے دونوں ہاتھ کٹ گئے اور وہ بھی زمین پر جھنڈے کے ساتھ گرا تو پھر اٹھا اور کٹے ہوئے ہاتھوں سے جھنڈے کو سینے سے لگا لیا اور جھنڈے کو بلند کرنے کی کوشش کی مگر ایک مسلمان نے پھر ایسا وار کیا کہ صواب بھی ختم ہو گیا اور پھر جھنڈا اُٹھانے والا کوئی آگے نہ آیا۔[2] اب مکہ والوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور مسلمانوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ وہ میدانِ جنگ کا جائزہ لینے لگے۔

جنگ کا رُخ پلٹ گیا:

ادھر درہ میں متعین مسلمانوں نے اپنے امیر سے کہا۔ جنگ ختم ہو

---

[1] ابن ہشام جلد ثانی جز ثالث ص۵۸۷ تا ۵۸۸۔ [2] ابن ہشام جلد ۲ جز ثالث ص۵۹۶

گئی ہے۔ اب آپ ہمیں اجازت دیں کہ ہم جا کر مسلمانوں کے ساتھ شامل ہوں۔ ان کے امیر حضرت عبد اللہ نے روکا اور حضورؐ کی تاکید کا بھی ذکر کیا لیکن وہ فتح کی خوشی میں نہ رُکے۔ ادھر خالد بن ولید نے جو اس دن کفر کی طرف سے لڑنے آئے تھے دیکھا کہ درّہ خالی ہے۔ صرف پانچ سات آدمی ہیں۔ اس نے عکرمہ کو اپنے ساتھ لیا اور دوستے اکٹھے کر کے درّہ پر حملہ آور ہوا۔ درہ کے یہ محافظ اس ریلے کو کیسے روک سکتے تھے۔ یہ ان کو روندتے ہوئے مسلمانوں پر اس طرح اچانک حملہ آور ہوئے کہ مسلمانوں میں ابتری پھیل گئی۔ ادھر کسی نے آواز دے دی۔ کہ کفار کا لشکر دوسری طرف سے حملہ آور ہو گیا ہے۔ کفار کی ایک عورت نے آگے بڑھ کر قریش کا علم زمین سے اُٹھا کر بلند کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کفار کا منتشر لشکر پھر اکٹھا ہو گیا مسلمانوں کی صفوں میں ایسی کھلبلی مچی کہ ان کے لئے اپنے پرائے میں تمیز کرنا مشکل ہو گیا۔ چنانچہ حذیفہؓ کے والد یمان مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ وہ چلاتے رہے "مسلمانو! میرے والد ہیں۔" لیکن ایسی بدحواسی طاری تھی کہ کسی نے سنا ہی نہ۔ جب حذیفہؓ نے یہ ماجرا دیکھا تو کہا "مسلمانو! خدا تم پر رحم کرے"۔ بعض مسلمان مسلمانوں کے ہاتھوں زخمی ہو گئے۔

غرض مسلمان چاروں طرف سے نرغہ میں آ گئے۔ حضرت حمزہؓ پر وحشی نے گھات لگا کر نیزہ کا وار کیا اور وہ شہید ہو گئے۔ ابو طلحہؓ انصاری حضور کے سامنے کھڑے ہو گئے اور تیر اندازی سے کفار کے لشکر کو پیچھے دھکیلتے رہے۔ یہ بہت اچھے تیر انداز تھے۔ اس دن انہوں نے تیر اندازی کرتے ہوئے تین کمانیں توڑیں۔[۱]

---

[۱] بخاری کتاب المغازی باب اذا ہمت طائفتان منکم ان تفشلا

ابودجانہؓ نے اپنے جسم سے حضورؐ کے جسم کو چھپائے رکھا وہ ہر تیر اور پتھر کو اپنے جسم پر لیتے رہے اور حضورؐ کی حفاظت میں اپنا بدن چھلنی کروالیا۔[1] ایک موقع پر ایک کافر تلوار لہراتا حضورؐ پر حملہ آور ہوا، طلحہؓ نے اپنے خالی ہاتھ سے اس کا وار روکا اور اپنا بازو کٹوا دیا۔ ام عمارہؓ ایک مسلمان عورت تلوار لے کر حضورؐ کے سامنے ہو گئی اور دشمنوں کے وار سہتی اور حضورؐ کی حفاظت کرتی رہی اور دشمن پر جوابی وار کرتی رہی[2]

انصار کی جاں نثاری:

اسی موقع پر جب کفار کی لہر آگے بڑھی تو آپؐ نے فرمایا: "کون ہے جو اس وقت اپنی جان خدا کی راہ میں قربان کرے؟" ایک انصاری کے کانوں میں یہ آواز پڑی وہ چھ ساتھیوں سمیت آگے بڑھا اور ان میں سے ہر ایک نے ایک ایک کر کے اپنی جان محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دی۔ ان میں سے ایک زیادؓ بن سکن تھے وہ شدید زخمی ہوئے انہیں اٹھا کر حضورؐ کے قدموں کے پاس لٹا دیا۔ انہوں نے سر اٹھایا اور کچھ سرک کر اپنے گال حضورؐ کے قدموں پر رکھ دیئے اور اس طرح جان خدا کے سپرد کر دی۔[3]

عتبہ بن ابی وقاص جو سعد بن ابی وقاص کا بھائی تھا۔ اس نے اور دوسرے کفار نے حضورؐ پر پتھر پھینکے جو آپؐ کے رخسار پر لگے اور خود کی

---

[1] ابن ہشام جلد ثانی جز ثالث صفحہ ۶۰۰ [2] ابن ہشام جلد ثانی جز ثالث صفحہ ۵۹۹ [3] ابن ہشام جلد ثانی جز ثالث صفحہ ۵۹۹

ڈوکڑیاں آپؐ کے رخسار مبارک کے اندر پیوست ہو گئیں اور انہوں نے غلط طور پر مشہور کر دیا کہ ہم نے حضورؐ کو قتل کر دیا ہے۔

حضرت انسؓ بن نضر کی شہادت:

اس سے بعض صحابہ وارفتگی میں ہمت ہار بیٹھے اور میدانِ جنگ سے ایک طرف ہو گئے کہ اب لڑنے سے کیا حاصل؟ ان میں حضرت عمرؓ بھی تھے وہ میدان کے ایک طرف پتھر پر بیٹھے رو رہے تھے کہ حضرت انسؓ بن نضر جو حضرت انسؓ کے چچا تھے ادھر سے گزرے اور حضرت عمرؓ سے پوچھا۔ "رو کیوں رہے ہو؟" حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔ "تمہیں پتہ نہیں کہ حضورؐ شہید ہو گئے ہیں۔" حضرت انسؓ نے جواب دیا۔ "پھر بھی رونے کا کیا فائدہ؟ چلو پھر ہم بھی وہیں چلیں جہاں حضور گئے۔ اب زندگی کا کیا لطف؟" اور یہ کہہ کر آگے بڑھے۔ راستہ میں سعدؓ ملے تو کہا۔ "سعد! مجھے احد کی طرف سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔" یہ کہہ کر دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے اور شہید ہو گئے۔ وہ اس بے جگری سے لڑے کہ جسم پر اسّی سے زیادہ زخم آئے۔ پہچانے نہ جاتے تھے۔ ان کی بہن نے ان کے انگلیوں کے پوروں سے پہچانا۔[1] کفار اپنے زعم میں سمجھ بیٹھے تھے کہ ہم نے حضرت محمدؐ کو نعوذ باللہ موت کی نیند سلا دیا ہے لیکن ان کی غلط فہمی تھی۔ حضورؐ اٹھے۔ صحابہؓ آپؐ کے گرد اکٹھے ہو گئے اور ایک اونچی جگہ پر محفوظ درہ میں پہنچ گئے۔ مکہ کے ایک کافر رئیس ابیّ بن خلف کی نظر آپؐ پر پڑی تو

---

[1] ابن ہشام جلد ثانی جزء ثالث صفحہ ۶۰۰

تلوار لہراتا یہ نعرہ بلند کرتا آگے بڑھا۔ "اگر محمدؐ بچ گئے تو میں زندہ نہ رہوں گا" صحابہؓ نے روکنا چاہا تو حضورؐ نے فرمایا: "اسے آنے دو!" حضورؐ نے نیزہ تھام کر اس پر ایک وار کیا وہ زخم کھا کر چیختا چلاتا واپس ہوا۔[۱]
جب کفار نے حضورؐ کو یہاں دیکھا تو خالد بن ولید نے پھر پہاڑ پر چڑھ کر درہ پر حملہ کرنا چاہا لیکن حضرت عمرؓ نے مہاجرین کے ساتھ حضورؐ کے حکم سے اس کا مقابلہ کیا اور اسے پسپا کر دیا۔[۲] حضرت علیؓ نے حضورؐ کے زخم دھونا شروع کئے۔ آپ کے زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔ دو دندانے جو حضورؐ کے رخسار میں پیوست ہو گئے تھے۔ ابو عبیدہؓ بن جراح نے اپنے دانتوں سے باری باری کھینچ کر باہر نکالے۔ اس تگ و دو میں ان کے بھی دو دانت شہید ہو گئے۔[۳]

جب مدینہ میں خبر پہنچی:

احد میں جو کچھ بیتی اس کی وحشت ناک خبر جب مدینہ پہنچی تو وہاں سے مستورات احد کے میدان کی طرف نکل گئیں۔ حضرت فاطمۃ الزہراؓ بھی آئیں اور چٹائی جلا کر اس کی راکھ سے حضورؐ کے خون کو بند کیا۔[۴]

کفار کی بربریت:

اب مسلمان عورتیں زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے لگیں اور انہیں پانی پلانا

---

[۱] ابن ہشام جلد ۲ جزو ۳ صفحہ ۶۰۱ [۲] ابن ہشام جلد ۲ جزو ۳ صفحہ ۶۰۳۔ [۳] ابن ہشام صفحہ ۹۸
[۴] بخاری کتاب المغازی باب ما اصاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم من یوم احد۔

شروع کیا۔ دوسری طرف مکہ کے کفار مسلمان شہیدوں کی نعشوں کے حلیئے بگاڑ رہے تھے۔ انہوں نے شہداء کے ناک۔ کان کاٹ کر اس کے ہار بنا کر گلے میں پہنے۔ ہندہ ابوسفیان کی بیوی نے حضرت حمزہؓ کا جگر نکال کر چبا لیا۔ کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعش کو بھی میدان میں ڈھونڈتے رہے۔ لیکن ان کی آرزوئیں خاک میں مل گئیں۔ ان کی خواہش بھلا کیسے پوری ہو سکتی تھی؟ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضورؐ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا تھا۔[۱]

ابوسفیان کی پکار:

اب ابوسفیان نے اونچی ٹیکری پر کھڑے ہو کر پوچھا۔ "کیا تم میں محمدؐ ہے؟" حضورؐ نے فرمایا "۔ اس کا کوئی جواب نہ دو۔" وہ اس کے بعد پکارا۔ "کیا تم میں ابوبکرؓ ہیں؟" حضورؐ نے پھر جواب سے روکا۔ پھر عمرؓ کا پوچھا۔ اس پر بھی حضورؐ کا وہی ارشاد تھا کہ مت جواب دو۔ وہ سمجھا یہ تینوں شہید ہو گئے اور نعوذ باللہ اسلام ختم ہو گیا۔ تب اس نے نعرہ بلند کیا۔ "اُعْلُ ھُبَلْ"۔ ہُبل بت کی جے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا۔ اب جواب دو۔ صحابہؓ نے عرض کی۔ "حضورؐ کیا کہیں؟" فرمایا "کہو۔ اَللّٰہُ اَعْلیٰ وَ اَجَلّ"۔ اللہ سب سے زیادہ عزت کا مستحق اور صاحب عظمت ہے۔ پھر ابوسفیان نے کہا۔ "لنا العُزّیٰ ولا عُزّیٰ لکم" ہمارے پاس عُزّیٰ بت ہے اور تمہارے پاس کوئی عزیٰ نہیں۔" آپؐ نے فرمایا۔ اسے کہو

---

[۱] وَاللّٰہُ یعصمک من النّاس ۔ (المائدہ آیت ۶۸)

"اللہ مولٰنا ولا مولیٰ لکم" ہمارا دوست اور آقا خدا ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں[1]۔ پھر کہنے لگا۔ "آج ہم نے بدر کا بدلہ لے لیا اور میدانِ جنگ میں تم ایسی لاشیں دیکھو گے جن کے اعضاء کاٹے جا چکے ہیں۔ یہ میرے حکم سے نہیں ہوا لیکن مجھے یہ بُرا بھی نہیں لگا اور آئندہ سال بدر کے میدان میں پھر ہمارا اور تمہارا مقابلہ ہوگا۔" ایک صحابیؓ نے جواب دیا۔ "بہت اچھا! ہمیں منظور ہے۔"

جب کُفّار واپس ہوئے:

اب کفّار مکہ کو روانہ ہو گئے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ "دیکھو یہ مدینہ پر تو حملہ آور ہونا نہیں چاہتے؟" فرمایا۔ "اگر وہ اونٹوں پر سوار ہوں اور گھوڑوں کو خالی چلا رہے ہوں تو سمجھنا یہ مکّہ کو جا رہے ہیں۔ لیکن اگر گھوڑوں پر سوار ہوں تو ان کی نیت مدینہ پر حملہ آور ہونے کی ہے۔" فرمایا۔ "اگر انہوں نے مدینہ پر حملہ کیا تو خدا کی قسم! ہم ان کا مقابلہ کریں گے اور انہیں اس حملہ کا مزہ چکھا دیں گے۔" لیکن کفار نے اتنا ہی غنیمت جانا کہ حضورؐ زخمی ہو گئے اور کچھ مسلمان شہید ہوئے۔ بہر حال وہ مکہ کو واپس ہو گئے[2]۔ وہاں جا کر جب اپنی فتح کی شیخی بگھاری تو مکہ والوں نے پوچھا کہ کیا محمدؐ کو قتل کر آئے ہو؟ انہوں نے کہا۔ نہیں۔ انہوں نے پوچھا۔ ابوبکرؓ قتل ہوئے ہیں۔ انہوں نے پھر نفی میں جواب دیا۔ انہوں نے پوچھا۔ کیا عمرؓ کا سر قلم کیا؟ انہوں نے کہا۔ نہیں۔ حضرت عمرؓ نے ہی تو ابوسفیان کو کہا تھا۔ ہم سب زندہ ہیں

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوہ احد [2] ابن ہشام جلد ۲ جز ۳ صفحہ ۶۰۹-۶۱۰

اور حضورؐ تمہاری بات سُن رہے ہیں۔ اسی پر ابو سفیان نے کہا تھا۔ عمر ہمارے آدمی نے جھوٹ بولا ہے۔ جب کفار نے یہ سنا کہ ان میں سے ایک بھی قتل نہیں ہوا تو انھوں نے کہا کیا تم نے ان کی عورتوں کو لونڈی بنایا؟ ان کے مال و متاع پر قابض ہوئے؟ تم نے مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجائی؟ جب ان سب باتوں کا جواب نفی میں ملا تو انھوں نے کہا۔ پھر جنگ کیا خاک جیتی؟

شہدأؓ کی دیکھ بھال:

اب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم درّہ سے نیچے میدانِ جنگ میں اترے۔ شہداء کی دیکھ بھال کی۔ ستّر مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش کیا تھا جن میں سے صرف چھ مہاجر تھے باقی سب انصاری تھے۔ قریش کے مقتولین کی تعداد تیئیس ۲۳ تھی۔ حضورؐ جب حضرت حمزہؓ کی لاش پر تشریف لائے۔ چاک پیٹ دیکھا تو دیر تک خاموش کھڑے رہے۔ چہرہ سے غم و غصّہ کے آثار ہویدا تھے۔ فرمایا۔ "اگر صفیہ کا خیال نہ ہوتا اور میرے بعد اسے سنّت بنا لینے کا خدشہ نہ ہوتا تو لاش نہیں رہنے دیتا۔ جنگل کے درندے اور فضاؤں کے پرندے لاش کو کھاتے اور قیامت کے دن حمزہؓ کا حشر ان کے پیٹوں سے ہوتا۔" پھر فرمایا۔ "اسلام تمھیں یہ اجازت نہیں دیتا کہ کفار کی لاشوں سے یہ سلوک کرو۔ تم نیکی اور احسان کا طریق اختیار کرو۔"[1]

حضرت حمزہؓ کی بہن اور آپؐ کی پھوپھی صفیہ بنت عبدالمطلب بھی یہ

---

[1] ابن ہشام جلد ثانی جز ثالث ص ۶۱۰، ۶۱۱

وحشت ناک خبر سن کر مدینہ سے آگئی تھیں۔ حضورؐ نے اُن کے صاحبزادہ زبیرؓ کو کہا۔ اپنی والدہ کو ماموں کی نعش نہ دکھانا۔ حضرت صفیہ کو پتہ چلا کہ حضور نے مجھے لاش پر جانے سے روکا ہے تو عرض کی کہ حضورؐ! آپ نے اِس خیال سے روکا ہے کہ میں جزع فزع کروں گی۔ مَیں وعدہ کرتی ہوں کہ مَیں ایسا نہیں کروں گی۔ حضورؐ نے اجازت دے دی۔ نعش پر آئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ط پڑھا اور خاموش ہو گئیں۔[1] حضورؐ کے پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن جحش کی نعش کا بھی حلیہ بگاڑ دیا تھا۔[2] حضورؐ ایک ایک نعش پر جاتے دعا فرماتے۔ اُن کا چہرہ دیکھتے۔ آپ کے چہرہ کے آثار چڑھاؤ سے غم و غصہ کا اظہار ہو رہا تھا۔

سعدؓ بن ربیع کے آخری لمحات:

پھر آپؐ نے فرمایا۔ مَیں نے جنگ کے دوران سعدؓ بن ربیع انصاری کو تلواروں اور نیزوں کے درمیان گھرا دیکھا تھا۔ ان کا بھی پتہ کرو۔ صحابہؓ گئے میدانِ جنگ میں اِدھر اُدھر دیکھا۔ آوازیں بھی سعدؓ بن ربیع کو دیں لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ مایوس واپس لوٹے اور عرض کیا وہ نہیں ملے۔ کسی نے پوچھا کس طرح تلاش کی۔ انھوں نے بتلایا کہ آوازیں بھی دیں۔ نام بھی پکارا مگر کوئی پتہ نہیں چلا۔ اس صحابیؓ نے کہا جا کر یوں کہو "اے سعدؓ بن ربیع! مجھے خدا کے رسولؐ نے تمہاری طرف بھیجا ہے۔ انھوں نے جا کر اسی طرح لاشوں میں پھر کر آواز دی۔ اس پر انھوں نے ایک سر کچھ بلند ہوتے دیکھا

[1-2] ابن ہشام جلد ثانی جز ثالث صفحہ ۶۱۲

ایک دھیمی سی آواز سُنی۔ "کون ہے؟ مَیں یہاں ہوں"۔ ابی رضؓ بن کعب نے کہا مجھے خدا کے رسولؐ نے تمہاری طرف بھیجا کہ تمہاری حالت کی اطلاع آپؐ کو دوں۔ سعدؓ بن ربیع انصاری موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا تھے۔ انہوں نے کہا۔ "خدا کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کو میرا اسلام عرض کرنا اور کہنا یارسول اللہ! نبیوں کے متّبعین کی قربانی کی وجہ سے جو ثواب نبیوں کو ملتا ہے اللہ اس بارہ میں آپ کی آنکھ سب سے زیادہ ٹھنڈی کرے!"

سبحان اللہ! کیا عجیب تصور ہے کہ یہ قربانی کی توفیق جو ہمیں ملی یہ آپؐ کی عنایات سے ملی۔ اس کا ثواب اللہ آپؐ ہی کو دے! اور" پھر میری قوم سے کہنا۔ اے میری قوم! محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم خدا کی ایک امانت تھی۔ جب تک ہم زندہ رہے ہم نے اس امانت کی حفاظت کی۔ اب یہ امانت تمہارے ہاتھوں میں دیئے جاتے ہیں۔ یاد رکھو اگر اس امانت کو کوئی گزند پہنچ گیا تو قیامت کے دن خدا تمہارا کوئی جواب نہ سنے گا۔" اللہ اللہ! زمین و آسمان۔ اُحد کا پہاڑ اور اس کی وادی گواہ ہیں کہ یہ لوگ امین تھے انھوں نے عقبۂ ثانیہ کے موقع پر جو عہد کیا تھا اُسے پورا کر دکھایا۔ اللہ ان عشاق باوفا پر تا ابد اپنی رحمتیں نازل کرے۔

عَلَمِ اسلام کے حامل مصعبؓ:

شہداء میں عَلَمِ اسلام کے حامل مصعبؓ بھی تھے۔ مکہ میں بڑی خوشحال زندگی گزاری تھی۔ بڑی ناز و نعمت میں پلے تھے۔ ان کو ان کے کمبل کا کفن اوڑھایا گیا۔ کفن کی لمبائی ان کے قد سے کم تھی۔ سر کی طرف سرکاتے تو پاؤں ننگے ہو جاتے۔ پاؤں ڈھانکتے تو سر ننگا ہو جاتا۔ حضورؐ سے عرض کی تو فرمایا۔

"سر ڈھانک دو اور پاؤں پر گھاس ڈال دو!" امیر و کبیر صحابی حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کشائش کے زمانہ میں مصعبؓ بن عمیر کا یہ واقعہ یاد کر کے چشم پُر آب ہو جاتے اور فرماتے: "انھوں نے اپنا سارا اجر خدا سے لیا اور ہمارے ثمرات اس دنیا میں ہمیں ملنے لگے"[1]

پاؤں سے معذور عمروؓ بن جموح:

شہداء میں ایک عمروؓ بن جموح تھے جو پاؤں سے لنگڑے تھے۔ ان کے دو جوان بیٹے بھی اُحد میں شریک ہوئے۔ مدینہ سے جب اسلامی لشکر روانہ ہونے لگا تو عمروؓ بن جموح نے اپنے لڑکوں سے کہا "مجھے جنگ میں جانے دو۔ تمہارے لئے اور بہت مواقع ہوں گے۔ شاید میری عمر وفا نہ کرے اور مجھے پھر موقع نہ ملے۔" بیٹے یہ کہتے ہیں وہاں صحت مند اور جوانوں کی ضرورت ہے۔ آپ معذور ہیں۔ اللہ نے آپ کو مستثنیٰ کیا ہے۔ بالآخر یہ معاملہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا۔ آپ نے بیٹوں کو کہا۔ "اگر وہ بضد ہیں۔ ان کی خواہش ہے تو جانے دو۔" ادھر عمروؓ بن جموح کو بھی سمجھایا۔ وہ کہنے لگے۔ "میں جنت میں اپنی بیساکھیوں سے پھدکتا پھروں گا۔" کسی نوجوان نے کہا۔ "تم میدانِ جنگ میں کیا کرو گے؟" جواب دیا۔ "تم نوجوان جنگ کی شدت میں ادھر ادھر بھی ہو جاؤ گے۔ میں تو جہاں اڑ گیا کوئی ہلون گا تھوڑا ہی!" جب اُن کی نعش ان کے ورثاء اونٹ پر لاد کر اُحد سے لے جانے لگے تو اونٹ مدینہ

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوہ اُحد

کی طرف چلنے کا نام نہ لیتا تھا۔ حضورؐ نے پوچھا تو جواب ملا کہ گھر سے چلتے وقت عمروؓ بن جموح نے دعا کی تھی کہ اللہ مَیں گھر لوٹ کر نہ آؤں!"[۱]

چنانچہ وہیں دفن کیے گئے۔

شہداءؓ کی تکفین و تدفین:

چونکہ کفن پورے میسّر نہ تھے اس لیے شہداءؓ اپنے ہی کپڑوں میں بغیر غسل دیئے دفن کیے گئے کہ شہیدِ حق کو غسل کی کیا حاجت؟ حدیث میں آتا ہے۔ شہید خدا کے حضور پیش ہوگا۔ اس کے زخم سے خون جاری ہوگا۔ رنگ خون کا ہوگا لیکن خوشبو کستوری کی ہوگی۔ عموماً ایک ایک کپڑے میں دو دو صحابیوں کو اکٹھا کفنا کر ایک ہی قبر میں دفن کر دیا گیا۔ جس صحابیؓ کو قرآن زیادہ آتا تھا اسے حضورؐ کے ارشاد کے تحت قبر میں پہلے اُتارا جاتا۔

ہندؓ زوجہ عمروؓ بن جمُوح کا اخلاص و فدائیت:

لاشوں کو دفن کرنے کے بعد حضورؐ صلّی اللہ علیہ وسلّم مدینہ کو روانہ ہوئے۔ مدینہ میں جس نے سُنا اُحد کے میدان کی طرف دوڑا۔ راستہ میں عمروؓ بن جموح کی بیوی ہندؓ ملی۔ اس نے کسی مسلمان سے پوچھا۔ "حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا کیا حال ہے؟" اس نے کہا۔ "تمہارے خاوند شہید ہو گئے ہیں۔" ہندؓ نے پھر پوچھا۔ "مَیں نے حضورؐ کا دریافت کیا ہے۔" اس

---

[۱] ابنِ ہشام جلد ۲ جز ثالث صفحہ ۶۰۷

صحابی نے کہا "تمہارے بھائی عبداللہ شہید ہو گئے۔" اس نے پھر حضورؐ کی خیریت جاننا چاہی۔ " اسے پھر جواب ملا۔ تمہارا باپ بھی شہید ہو گیا۔ " لیکن وہ تو اس محبوب سبحانیؐ کا سن کر گھر سے دیوانہ وار نکلی تھی۔ جب اُسے بتایا گیا کہ حضورؐ بخیریت ہیں اور تشریف لا رہے ہیں۔ تو اس نے کہا "مجھے دکھاؤ حضورؐ کہاں ہیں؟" جب اس کی نظر چہرہ مبارک پر پڑی تو اس نے کہا۔ "فَکُلُّ مُصِیْبَۃٍ بَعْدَکَ جَلَلٌ" اگر آپ بخیریت ہیں تو پھر ہر مصیبت حقیر ہے۔"[1]

والدہ سعد بن معاذ:

حضرت سعدؓ بن معاذ رئیس اوس حضورؐ کی سواری کی باگ پکڑے مدینہ آ رہے تھے۔ ان کی بوڑھی والدہ باہر کھڑی تھیں۔ حضرت سعدؓ بن معاذ نے کہا۔ "حضور میری والدہ۔" حضورؐ نے سعدؓ کے بھائی عمروؓ بن معاذ کی شہادت پر اس کی بوڑھی ماں سے ہمدردی کا اظہار کیا تو وہ بوڑھی عورت بولی۔ "یا رسول اللہؐ! جب آپ سلامت ہیں تو ہمیں کیا غم ہے۔"[2]

اُحد کی پُرعظمت وادی:

کتنی پُرعظمت ہے اُحد کی وادی اور احد کا پہاڑ۔ اُس کے دامن میں صحابہؓ نے خدا کی عظمت کے نعرے لگائے۔ اسی وادی کے ذرّوں میں میرے آقاؐ کے خون کے قطرے گرے۔ اس کے پتھروں کے سایہ میں میرے آقاؐ

---

[1] ابن ہشام جلد ۲ جزء ثالث صفحہ ۶۱۲ [2] تاریخ خمیس

کے زخم دھوئے گئے۔ تلاش کروں شاید یہاں کہیں گری پڑی ہوں وہ کڑیاں جو رخسار مبارک میں پیوست ہو گئی تھیں۔ اس میدان کو جاں نثار صحابہؓ نے اپنے خون سے سینچا۔ احد گواہ ہے۔ صحابہؓ نے جو عہد خدا اور اُس کے برگزیدہ رسولؐ سے کیا تھا اس کا حق ادا کر دیا۔ انس بن نضر کو اسی دن اُحد کی جانب سے جنت کی خوشبو آتی تھی۔ میرے آقا! (آپؐ پر میرے ماں باپ قربان) جب خدا نے اختیار دیا کہ چاہو تو اس دنیا میں رہو چاہو تو میرے پاس آ جاؤ اور آپؐ نے آسمانی آقا کی رفاقت کو ترجیح دی آپؐ اُحد کے میدان میں آئے۔ شہداء احد کی قبروں پر نمناک آنکھوں سے دعا کی اور آپ ان سے یوں رخصت ہوئے جس طرح کہ دنیا سے جانے والا اپنے عزیزوں سے رخصت ہوتا ہے۔[1] آپؐ جب کبھی اُحد کی طرف آتے تو فرماتے۔ "احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔"[2] ایک بار شہداء احد کی قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا۔ "یہ وہ لوگ ہیں جن کے ایمان کا میں شاہد ہوں"[3]

آج بھی احد پہاڑ کے دامن سے سعدؓ بن ربیع کے پیغام کی آواز آ رہی ہے۔ آج بھی احد کی وادی، انسؓ بن نضر اور عمروؓ بن جموح کی وفا کی قسم کھاتی ہے آج بھی احد پہاڑ صحابہؓ کے عہد کی عظمت اور وفا شعاری پر گواہ ہے۔ خدا کی بے شمار رحمتیں ہوں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے جاں نثار صحابہ پر جنہوں نے احد کی وادی میں

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ احد [2] بخاری کتاب المغازی باب من قتل من المسلمین [3] ترمذی ابواب المناقب باب فضل المدینہ۔

انمٹ نقوش چھوڑے اور خدا سے دعا ہے کہ وہ ہمیں بھی وفا شعار بنائے اور عہد کو نبھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

اوپر یہ ذکر آچکا ہے کہ احد سے واپسی پر ابوسفیان نے کہا تھا کہ اگلے سال ہم پھر بدر میں آئیں گے اور مسلمانوں نے کہا تھا ہمیں منظور ہے[1]۔ چنانچہ سنہ ۴ھ شوال کے مہینہ میں حضورؐ کو علم ہوا کہ ابوسفیان دو ہزار کا لشکر لے کر بدر میں آنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ آپ نے صحابہ کو تیار کیا اور ڈیڑھ ہزار کا لشکر لے کر بدر کے میدان میں خیمہ زن ہو گئے۔ ابوسفیان نے پہلے تو کوشش کی کہ مسلمانوں کو اتنا مرعوب کیا جائے کہ وہ مدینہ سے روانہ ہی نہ ہوں۔ لیکن درحقیقت وہ خود اتنا مرعوب تھا۔ کہ مکہ سے نکلا اور تھوڑی دور آ کر پھر لوٹ گیا۔ مسلمان آٹھ دن تک بدر میں ٹھہرے رہے۔ لیکن کفار مکہ کو مسلمانوں کا سامنا کرنے کی جرأت نہ ہوئی اور بہانہ یہ کیا کہ اس سال قحط سالی اور تنگی ہے جب حالات سازگار ہوں گے مدینہ پر حملہ کریں گے۔ چنانچہ مکہ والوں نے اس لشکر کا نام "جیش السویق" رکھ دیا جس کے معنے ہیں۔ ستوؤں والی جنگ۔ کہ ابوسفیان اور اس کے ساتھی صرف ستو پی کر واپس آ گئے تھے[2]۔



---

[1] ابن ہشام جلد ۲ جزء ثالث صفحہ ۶۰۸ [2] ابن ہشام جلد ۲ جزء ثالث صفحہ ۶۹۶-۶۹۷

جنگِ احزاب

مسلمانوں کو جوں جوں ترقی ہو رہی تھی مخالفین کی آتشِ حسد و بُغض بڑھتی جا رہی تھی۔ انھیں اب نظر آ رہا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین مقبول ہو رہا ہے اور لوگ شرک و بُت پرستی سے بیزار ہو رہے ہیں۔ اب انھوں نے یہود کو بھی ساتھ ملایا اور قبائل میں گھوم پھر کر اسلام دشمنی کی آگ کو تیز کیا اور متحد ہو کر مسلمانوں کا قلع قمع کرنا چاہا۔ انھوں نے اسلام دشمن قوتوں کو یکجا کر کے مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ یہودی ایک ہوشیار اور مال دار قوم تھی۔ اس سازش میں وہ بھی شریک ہو گئے۔ ان کی مفسدانہ کوشش کی بدولت تمام عرب قبائل متحد ہو کر مسلمانوں کو ملیامیٹ کرنے کے لئے میدان میں اُتر آئے۔ مدینہ کے منافقین کو جنھیں اسلام کی ترقی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ اپنے ساتھ ملا لیا۔ کفار قریش نے اپنے ارد گرد کے قبائل کو ہی مسلمانوں کے خلاف نہیں ابھارا نجد میں پہنچ کر قبیلہ غطفان کو بھی اپنا ہمنوا بنایا اور پوری تیاری سے تقریباً چوبیس ہزار کا جرار لشکر ریلے کر تندسیل کی طرح مدینہ کی طرف اس نیت سے بڑھے کہ مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا کر واپس ہوں گے۔ اس سے پہلے مسلمانوں کے خلاف جنگوں میں مکّہ کے قریش اور کچھ ان کے ہمنوا ہی شریک ہوا کرتے تھے لیکن اس بار تمام عرب ان کے

لہ سیرۃ النبی جلد ۱ صد ۲۸۶

خلاف اُمڈ آیا تھا۔ لشکر کا امیر ابوسفیان تھا لیکن ہر قبیلہ کا علیحدہ امیر بھی تھا۔ سامان خورد و نوش کی کوئی کمی نہ تھی۔ شوال ۵ھ بمطابق ۶۲۷ء[1] مدینہ کی طرف یہ ٹڈی دَل روانہ ہوا۔

حضرت سلمانؓ کا مشورہ:

حضورؐ کو اس کا علم ہوا تو آپؐ نے اپنے جاں نثار صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے مشورہ دیا کہ ہمارے ہاں ایسی صورت میں شہر کے گرد اس کی حفاظت کے لئے خندق کھودی جاتی ہے[2]۔ تا دشمن ریلے کی صورت میں حملہ نہ کر سکے۔ حضورؐ کو یہ تجویز پسند آئی۔ مدینہ کا شہر قدرتی طور پہ چٹانوں کی وجہ سے محفوظ تھا۔ صرف ایک طرف سے دشمن ہجوم کر کے مدینہ پر حملہ آور ہو سکتا تھا اس لئے اس جانب خندق کھودنے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا چنانچہ زمین پر نشان لگا کر دس دس آدمیوں کی مختلف ٹولیاں بنائی گئیں۔ ہر گروپ کو ایک ایک حصہ خندق کھودنے کے لئے دیا گیا[3]۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کام میں صحابہؓ کے شریک تھے۔ سردیوں کا موسم تھا۔ زمین بھی نرم نہ تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ مسلمان مزدوری پیشہ تھے اور کام کر کے بال بچوں کا پیٹ پالتے تھے۔ اس کام میں مصروف ہو گئے۔ اور بعض اوقات تو فاقوں تک نوبت پہنچ گئی لیکن اس بشاشت سے وہ کام کر رہے تھے

---

[1] ابن ہشام جلد ۲ جز ثالث صـ ۶۹۹ [2] ابن ہشام جلد ۲ جز ثالث صـ ۷۰۸ [3] ابن سعد و طبری

کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی - اظہار و مستعدی کے لئے وہ یہ شعر گا کر مٹی کھودتے اور اٹھاتے ہے

" اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشَ الْاٰخِرَۃ

فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُھَاجِرَہ "[1]

اے میرے پروردگار اصل زندگی تو آخرت کی ہے۔ پس ہماری التجا ہے کہ انصار اور مہاجر کو اس جہان میں تیری بخشش اور عفو نصیب ہو۔

دوسری طرف سے دوسرا گروہ شعر میں ہی جواب دیتا۔ "ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی بھر جد و جہد کرنے پر بیعت کی ہے۔ جب تک سانس ہوگا۔ اس پر کاربند رہیں گے۔ ے

"نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا

عَلَی الْجِھَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا "[2]

ایک عظیم الشان پیشگوئی :

خندق کھودتے ہوئے ایک جگہ بہت سخت پتھر آیا۔ فاقہ زدہ صحابہؓ نے لاکھ کوشش کی لیکن پتھر نہ ٹوٹ سکا۔ وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ تشریف لے گئے۔ کدال ہاتھ میں لی۔ پتھر پر ضرب لگائی۔ لوہے کے پتھر پر پڑنے سے آگ کا شعلہ بلند ہوا اور پتھر کسی قدر

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوہ خندق۔ بعض روایات میں "مہاجر" کا لفظ پہلے آیا ہے۔ [2] بخاری کتاب المغازی باب غزوہ خندق۔ یہاں جہاد کی جگہ بعض روایات میں اسلام کا لفظ بھی آیا ہے۔

شکستہ ہو گیا۔ آپؐ نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور فرمایا۔ "مجھے مملکتِ شام کی کنجیاں دی گئی ہیں اور خدا کی قسم شام کے سرخ محلات مجھے سامنے دکھائی دے رہے ہیں۔" صحابہؓ نے بھی آپؐ کی اقتداء میں تکبیر کا نعرہ بلند کیا۔ آپ نے دوسری ضرب لگائی پھر شعلہ بلند ہوا اور آپؐ نے پھر اللہ اکبر کہا اور پتھر مزید شکستہ ہو گیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ "مجھے فارس کی کنجیاں دی گئی ہیں اور مجھے مدائن کے سفید محلات نظر آ رہے ہیں۔" تیسری بار آپؐ نے پھر کدال سے ایسی ضرب لگائی کہ پتھر ٹوٹ کر اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔ پھر شعلہ بلند ہوا اور آپؐ نے خدا کی کبریائی کے اظہار کے لئے اللہ اکبر بلند آواز سے کہا اور فرمایا۔ "مجھے یمن کی کنجیاں دی گئیں اور خدا کی قسم مجھے صنعاء کے دروازے دکھائی دے رہے ہیں۔"[1] ہر بار آپ کے اللہ اکبر کہنے پر صحابہ بھی اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے۔ یہ واقعہ معنوی رنگ میں اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی قوت سے اسلام کی راہ کی ہر روک اٹھا دی جائے گی اور تاریخ گواہ ہے کہ ایسا ہی ہوا۔ ظاہر بیں آنکھ حیران ہے کہ مدینہ کی ٹوٹی پھوٹی کچی مسجد کے مکینوں کو قیصر و کسریٰ کے خزانے کیسے نصیب ہوئے۔ ننگے پاؤں۔ فاقہ کش انسان خدائی وعدوں کے مطابق ہر قسم کے ظاہری اسباب رکھنے والوں پر کیونکر غالب آئے۔ کیا اس کی وجہ اس کے علاوہ کچھ اور ہو سکتی ہے کہ خدا کی تائید و نصرت ان کے شامل حال تھی۔ وہ حق و صداقت کے علمبردار تھے اور وہ خدائی تقدیر بن گئے تھے۔

---

[1] ابن ہشام جلد ۲ جزو ثالث ص۱۰۷

معجزہ کا ظہور:

اس موقعہ پر ایک مخلص صحابیؓ جابرؓ بن عبداللہؓ نے حضورؐ کے چہرہ سے بھوک کے آثار دیکھ کر گھر جانے کی اجازت چاہی۔ گھر آکر بیوی سے کہا۔ "میں نے حضورؐ کے روئے مبارک پر بھوک کی وجہ سے نقاہت کے آثار دیکھے ہیں۔ کیا گھر میں کھانے کے لئے کچھ ہے؟" فدائی بیوی نے کہا۔ "ایک چھوٹا سا بکرا ہے اور کچھ جَو کا آٹا۔" چنانچہ جابرؓ نے بکرا ذبح کر دیا اور آٹا گوندھ کر بیوی سے کہا۔ "تم پکانے کا انتظام کرو۔ میں حضورؐ کو بلا کر لاتا ہوں۔" بیوی نے کہا۔ "کھانا تھوڑا ہے۔ دیکھنا مجھے ذلیل نہ کرنا۔ رسول اللہؐ کے ساتھ زیادہ لوگ نہ لے آنا۔"

جابرؓ آئے اور حضور کی خدمت میں عرض کیا۔ حضورؐ نے انصار و مہاجرین کو فرمایا۔ "چلو بھائی تمہارے بھائی نے تمہاری دعوت کی ہے۔" حضورؐ کے ساتھ کوئی ایک ہزار صحابہؓ کام کر رہے تھے۔ چنانچہ وہ حضورؐ کے ساتھ ہو لئے۔ جابرؓ سے حضورؐ نے فرمایا۔ "تم چلو گھر جاؤ اور بیوی سے کہو ہنڈیا میرے آنے تک چولہے سے نہ اتارے اور روٹیاں پکانا شروع نہ کرے۔" جابرؓ نے آکر بیوی کو اطلاع دی کہ تمام صحابہؓ حضورؐ کے ساتھ آ رہے ہیں۔ بیوی نے سنا تو کہا پھر خدا کا رسولؐ بہتر جانتا ہے۔ حضورؐ تشریف لائے اور ہنڈیا اور آٹے پر دعا کی اور پھر فرمایا۔ "اب روٹیاں پکانا شروع کرو۔" کھانا تقسیم کرنا شروع کیا۔ جابرؓ بیان کرتے ہیں۔ "خدا کی قسم تمام صحابہؓ نے سیر ہو کر کھانا کھایا اور ابھی ہنڈیا اسی طرح اُبل رہی تھی اور آٹا پک رہا تھا۔"[۱۵]

۱۵؎ بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ خندق۔

یہ دوسرا معجزہ خدا کی طرف سے اشارہ تھا کہ اے مومنو! اللہ کے نبی کی برکت سے تمہارے رزق میں بھی برکت ڈالی جائے گی اور تمہاری کوششیں بھی سرخرو ہوں گی۔ تو مشاہدہ کر لو۔ ایسے معجزات مومنوں کو یقین اور ایمان میں بڑھانے کے لئے ظاہر ہوتے ہیں۔

اللہ تعالےٰ کے اس دنیا میں دو قانون جاری ہیں۔ ایک قانون عام جس میں علت معلول کا سلسلہ چلتا ہے۔ یہ عام انسانوں کے لئے جاری ہوتا ہے کہ کوشش کرو گے تو نتیجہ ظاہر ہوگا اور دوسرا قانون خاص جو خدا کی خاص تقدیر کے ماتحت اپنے انبیاء اور پیاروں کے لئے ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی باوجود اسباب کے نہ ہونے کے اللہ تعالیٰ ان کے لئے شاندار نتائج پیدا کرتا ہے۔

لشکرِ کفّار کی آمد:

بہر حال کئی روز کی مسلسل محنت سے صحابہؓ تھک کر چور ہو چکے تھے ادھر خندق مکمل ہوئی ادھر یہود و مشرکین کا عظیم لشکر ابوسفیان کی سرکردگی میں مدینہ کی اس جانب سے بڑھا جو شہر پر حملہ کے لئے موزوں تھی۔ لیکن خلافِ توقع جب انہوں نے خندق دیکھی تو کھلے میدان میں ڈیرے ڈال دیئے۔ ادھر حضورؐ تین ہزار مسلمانوں کو ساتھ لے کر خندق کے اس پار صف آراستہ ہو گئے۔ خندق بعض مقامات سے کم چوڑی تھی وہاں صحابہ کے دستے متعین فرمائے۔ مدینہ کے دوسری طرف خندق نہ کھودی گئی تھی کہ اس طرف سے حملے کا امکان کم تھا۔ اس طرف بھی صحابہؓ کی مختلف ٹولیوں کو متعین فرمایا۔ اور تاکید فرمائی کہ شب و روز کے کسی وقفہ میں پہرہ سے غفلت نہ ہو۔ کفار نے جب یہ صورت دیکھی کہ مدینہ پر عام حملہ عملاً مشکل ہو گیا ہے تو انھوں

نے مدینہ کا محاصرہ کر لیا اور خندق کے نسبتاً کم چوڑے حصوں کو پھلانگنے کا ارادہ کیا۔ ادھر لشکر کفار کے رئیس ابوسفیان نے مدینہ کے یہود اور منافقین کو پیغام بھیج کر یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ مسلمانوں کی تباہی کا وقت آن پہنچا ہے اور ہم اس کے بغیر یہاں سے نہیں جائیں گے۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ اگرچہ یہود مدینہ اور مسلمانوں کے درمیان پہلے سے ایک معاہدہ تھا کہ وہ ایک دوسرے کے دشمن کی مدد نہیں کریں گے لیکن جب مسلمانوں نے ان کو یہ معاہدہ یاد دلایا تو انھوں نے کہا۔ جاؤ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ہمارے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہے[1]۔ یہ وقت مسلمانوں کے لئے حد درجہ نازک تھا ایک طرف قبائل عرب مدینہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ دوسری طرف شہر کے یہودی اور منافقین مسلمانوں کے خلاف کفار کی سازش میں شریک ہو گئے تھے۔ اور ان کا ساتھ دے کر مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر رہے تھے۔ اور منافق برملا یہ کہنے لگے۔ خدا کے تم سے وہ وعدے کیا ہوئے۔ لیکن مخلص مومنین نے ان حالات میں بجائے گھبرانے کے یہ جواب دیا۔ خدا اور اس کے رسولؐ نے یہ خبر دی تھی کہ یہ اکٹھے ہو کر آئیں گے اور خدا کے وعدے ضرور پورے ہوں گے[2]۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ یہ ایک بہت کڑی آزمائش تھی۔ مسلمانوں کے لئے یہ حالات کسی شدید زلزلہ سے کم نہ تھے۔ منافق اور یہود شہر میں مختلف مقامات پر جمع ہو کر مسلمان عورتوں اور بچوں کے لئے پریشانی کا موجب بنتے۔ اس لئے گلی کوچوں میں بھی مسلمانوں کو حفاظت اور پہرہ کا سخت انتظام کرنا پڑا۔ ادھر کفار مسلسل خندق کو

---

[1] ابن ہشام جز ثالث جلد ۲ صہ ۲۰۵ [2] سورۃ احزاب آیت ۲۳

عبور کرنے کی کوشش کرتے۔ بعض اوقات وہ سارا سارا دن مسلسل کوشش کرتے رہتے۔ کبھی وہ تیر اندازی کر کے مسلمانوں کو خندق سے پیچھے ہٹا کر خندق عبور کرنا چاہتے۔ کبھی مسلمان تیر اندازی سے ان کو خندق سے پیچھے دھکیل دیتے۔[۱]

کفار۔ خندق کے اس پار:

ایک دن عکرمہ کی زیر کمان چند کفار گھوڑوں کو دوڑا کر خندق پھلانگ کر اس طرف آ گئے۔ حضرت علیؓ نے چکر کاٹ کر اس دستے کو گھیر لیا۔ اور واپس جانے کا راستہ مسدود کر دیا۔ کفار کے دستہ سے عمرو بن عبد ودّ مشہور بہادر آگے نکل کر انفرادی مقابلہ کا خواہاں ہوا۔ حضرت علیؓ اس کے مقابل میں آئے۔ عمرو بن عبد ودّ نے نام و نسب پوچھا۔ بتانے پر اس نے کہا۔ "بھتیجے تم ابھی بچے ہو۔ میں تمہارا خون گرانا نہیں چاہتا۔ کسی بڑے کو میرے مقابل پہ بھیجو۔" حضرت علیؓ نے فرمایا۔ "تم میرا خون گرانا نہیں چاہتے مگر مجھے تمہارا خون گرانے میں کوئی تامل نہیں۔"

عمرو بن عبد ودّ نے اپنے گھوڑے سے اتر کر اس کی ٹانگیں کاٹ دیں اس کا مطلب یہ تھا کہ اب یا مار دوں گا یا مر جاؤں گا اور پھر دونوں اس طرح ایک دوسرے پر پل پڑے کہ آسمان کی طرف غبار کا بادل اٹھا لیکن چند لمحوں کے بعد غبار کے بادل سے حضرت علیؓ کا نعرۂ تکبیر گونجا۔ غبار کا بادل چھٹا اور لوگوں نے عمرو بن عبد ودّ کو خاک و خون میں تڑپتے دیکھا۔ پہلا وار

---

[۱] ابن ہشام جلد ۲ جز ثالث ص۲۰۰

عمرو بن عبدود نے کیا تھا۔ اس کی تلوار حضرت علیؓ کی ڈھال کو کاٹتی ہوئی آپؓ کی پیشانی کو زخمی کر گئی۔ مگر حضرت علیؓ نے سنبھل کر ایسا جوابی وار کیا کہ تلوار اس کے شانے کو کاٹتی ہوئی اس کے جسم کے دو ٹکڑے کر گئی۔[۱]
اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عکرمہ اور اس کے ساتھی گھوڑوں کو دوڑا کر خندق کے اس پار کود گئے۔ نوفل ایک کافر خندق کے اندر گر گیا۔ حضرت زبیرؓ نے خندق میں کود کر اس کا کام تمام کر دیا۔ کفار نے نوفل کی لاش کو لینے کے لئے بہت سی رقم مسلمانوں کو دینا چاہی لیکن حضورؐ نے فرمایا۔ لاش ان کو واپس کر دیں۔ مسلمان مُردار فروش نہیں۔[۲] یہ کیفیت کئی دن جاری رہی خالد بن ولید اور عمرو بن العاص جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے وہ بار بار خندق کو پھلانگنے کی کوشش کرتے لیکن صحابہؓ کی شجاعت اور مستعدی کے سامنے ان کی ایک نہ چلی۔ ایک موقعہ پر تو خالد نے چوبیس گھنٹے مسلسل حملہ جاری رکھا۔ چنانچہ اس دن مسلمان وقت پر نمازیں بھی ادا نہ کر سکے۔ اس دن حضورؐ نے کفار کے لئے بددعا کی۔ فرمایا۔ "انھوں نے ہمیں نماز سے روکا ہے اللہ ان کی قبروں اور پیٹوں کو جہنم کی آگ سے بھر دے۔"[۳]

انصار سے حضور کا مشورہ:

محاصرہ لمبا ہو رہا تھا۔ مسلمان مضمحل ہو رہے تھے۔ حضورؐ نے انصار کے رؤساء سعدؓ بن معاذ اور سعدؓ بن عبادہ کو بلا کر مشورہ کیا کہ ان حالات

---

[۱] ابن ہشام جلد ۲ جزء ثالث صفحہ ۷۰۹ - ۷۱۰ [۲] زرقانی جلد ۲ صفحہ ۱۱۱
[۳] بخاری کتاب المغازی باب غزوہ الاحزاب۔

ہیں ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ اور پھر اپنی طرف سے یہ تجویز پیش کی کہ تم چاہو تو قبیلہ غطفان کو مدینہ کے محاصل میں سے کچھ دینے کا وعدہ کر کے صلح کی جائے۔ دونوں مخلصین نے دریافت کیا۔ حضور کیا وحی کی بناء پر یہ ارشاد ہے یا صرف حالات کی بناء پر یہ تجویز ہے؟ آپؐ نے فرمایا۔ وحی تو کوئی نہیں ہوئی اس پر انھوں نے عرض کی۔ ہم نے شرک کی حالت میں کبھی دشمن کو کچھ نہیں دیا اب مسلمان ہونے کی حالت میں کیوں دیں گے؟ خدا کی قسم! ہم تلوار کی دھار کے سوا کچھ نہ دیں گے۔[۱] حضورؐ کا اس مشورہ سے مطلب انصار کا جائزہ لینا ہی تھا۔ بہر حال یہ دن سخت ابتلاء کے تھے۔ حضورؐ کی ایک حرم حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں اکثر غزوات میں حضورؐ کے ساتھ رہی ہوں لیکن یہ جنگ جس قدر سخت تھی ایسی اور کوئی نہ تھی۔ دن بھی سخت سردی اور مالی تنگی کے تھے۔

حضرت صفیہؓ کی جرأت:

شہر میں مستورات کو ایک جگہ حضورؐ نے جمع کر دیا تھا اور ان کی حفاظت پر ایسے آدمی مقرر فرمائے تھے جو جنگ کی سختی نسبتاً کم جھیل سکتے تھے۔ ایک موقع پر کفار نے جاسوسی کی غرض سے ادھر اپنا آدمی بھیجا اس وقت ان کے پہرہ پر مشہور شاعر صحابی حسّان بن ثابتؓ تھے۔ یہ دل کے کمزور واقع ہوئے تھے۔ حضورؐ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ نے اس شخص کو دیکھا تو حسّان کو توجہ دلائی کہ یہ معاند یہودی لگتا ہے۔ جاسوسی اور شرارت

---

[۱] ابن ہشام جلد ۲ جز ثالث ص ۷۰۷-۷۰۸

کے مقصد سے یہاں کا چکر لگا رہا ہے اُسے قتل کردو۔ مبادا واپس جاکر کسی فتنہ کا موجب بن جائے۔ مگر حضرت حسان رضؓ نے کہا مجھ میں اس کی ہمت نہیں ہے۔ اس پر حضرت صفیہ رضؓ نے خود اس پر حملہ کیا اور اسے مار دیا۔ اور اس کا سر کاٹ کر جدھر یہود جمع تھے اس طرف پھینک دیا۔[1] تا انہیں پھر عورتوں کی طرف ایسی نیت سے جانے کی جرأت نہ ہو۔

حضورؐ کی دُعاء

محاصرہ کی اس شدّت میں چند صحابہؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ پر سب حالت عیاں ہے۔ آپؐ خدا سے خاص طور پر دعا فرمائیں۔ اور ہمیں بھی دعا سکھا دیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ "خدا سے دعا کیا کرو کہ وہ تمہاری کمزوریوں کی پردہ پوشی فرمائے اور دلوں کو مضبوط کرے" پھر خدا سے دعا مانگی۔ "اے اللہ! فرقانِ حمید کے نازل کرنے والے اور جلد حساب لینے والے اس لشکر کو تتر بتر فرما۔ اے اللہ! ان کو پراگندہ کر اور ہماری مدد فرما اور ان کے قدموں میں لغزش پیدا فرما۔[2] اے مصیبت زدوں کی پکار کو سننے والے۔ اے مضطر کی دعا قبول کرنے والے! ہمارے ہمّ و غم اور گھبراہٹ کو دور فرما۔ تو دیکھ رہا ہے میں اور میرے ساتھی کس حالت میں ہیں!"

نعیم رضؓ بن مسعود کی تدبیر:

محاصرہ لمبا ہونے کی وجہ سے جہاں مسلمانوں میں گھبراہٹ تھی۔ وہاں

---

[1] ابن ہشام جلد ۲ جزو ثالث صـ۱۱۱۔ [2] بخاری کتاب المغازی باب غزوہ خندق اللّٰھم منزل الکتاب سریع الحساب اھزم الاحزاب اللّٰھم اھزمھم وزلزلھم۔

دشمن کے لشکر میں بھی اضطراب اور بے چینی پیدا ہو رہی تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ یہود مدینہ اور قریش و غطفان کے درمیان بھی بداعتمادی پیدا ہو رہی تھی اس صورتِ حال سے نعیمؓ بن مسعود نے کمال ہوشیاری سے فائدہ اٹھایا۔ یہ غطفان کے قبیلہ میں سے تھا اور مسلمان ہو چکا تھا لیکن اس کے اسلام کا کسی کو پتہ نہ تھا۔ اس نے ایک طرف یہود مدینہ کو کہا کہ تم نے محمد (صلّی اللہ علیہ وسلم) سے بدعہدی کر کے بڑی غلطی کی ہے۔ یہ قریش اور غطفان تو یہاں سے چلے جائیں گے۔ تم نے یہیں رہنا ہے۔ تم نے اپنے آپ کو خواہ مخواہ مشکل میں ڈال لیا ہے۔ تم قریش و غطفان سے کہو کہ آئندہ ہم تمہارا ساتھ تب دیں گے جب تم چند آدمی بطور یرغمال ہمارے پاس رکھو تاکہ تم ہم سے غداری نہ کر سکو۔ یہ بات ان کی سمجھ میں آ گئی۔ انھوں نے قریش و غطفان سے یہ مطالبہ کرنے کا ارادہ کیا۔ ادھر قریش و غطفان کو جا کر نعیمؓ نے کہا۔ یہود مدینہ متزلزل ہو چکے ہیں اور وہ تم سے یرغمال کا مطالبہ کرنے والے ہیں۔ تم ہرگز یہ مطالبہ تسلیم نہ کرنا۔ ورنہ وہ تمہارے آدمی مسلمانوں کے سپرد کر دیں گے۔ چنانچہ دونوں طرف بدگمانی پیدا ہو گئی۔ جس کے لئے نعیمؓ بن مسعود نے کمال رازداری اور ذہانت سے کام لیا۔[1] ایک دات قریش نے ارادہ کیا کہ ہر چہار طرف سے حملہ کیا جائے۔ چنانچہ انھوں نے یہود مدینہ کو پیغام بھجوایا کہ کل متحدہ حملہ ہو گا۔ یہود مدینہ نے کہا۔ کل سبت کا دن ہے اس لئے ہم اس دن حملہ میں حصّہ نہیں لے سکتے۔ اور یوں بھی جب تک یرغمال کے طور پر ہمیں آدمی نہ دو ہم شامل نہیں ہوں گے۔ قریش نے سمجھا نعیمؓ نے سچ

---

[1] ابن ہشام جلد ۲ جزو ثالث۔ ص ۷۱۲-۷۱۳۔

کہا تھا۔ یہ یہود غداری پر آمادہ ہیں۔ ادھر تقدیر خداوندی کے ماتحت اس رات ایسی زور کی آندھی آئی اور بارش ہوئی کہ لشکر کفار کے خیمے اکھڑنے لگے۔ ان کی آگیں جو عرب خیموں کے سامنے جلاتے تھے بجھ گئیں۔ وہم پرست مشرکوں نے اس سے شگون لیا۔ وہ پہلے ہی محاصرہ سے تنگ آچکے تھے دوسری طرف ان کے دل میں یہ خیال بھی پختہ ہو گیا تھا کہ یہود مدینہ اب ہمارے ساتھ غداری کر رہے ہیں۔ چنانچہ ابوسفیان نے قبائل کے سرداروں کو بلا کر کہا۔ ہماری مشکلات بڑھ رہی ہیں۔ اب یہاں زیادہ ٹھہرنا مناسب نہیں بہتر ہے کہ واپس چلے جائیں اور لوئیں تو جا رہا ہوں۔ اس وقت اس پر اس قدر گھبراہٹ طاری تھی کہ اپنے اونٹ کو کھولنا بھی یاد نہ رہا اور روانگی کے لئے اس پر سوار ہو گیا۔ عکرمہ نے لاکھ کہا۔ تم لشکر کے امیر ہو۔ لشکر کو چھوڑ کر جا رہے ہو۔ شرم کرو۔ چنانچہ اس پر وہ اونٹ سے اتر آیا۔ لیکن پھر بھی یہی کہا کہ تم جلدی جلدی تیاری کر لو۔ پھر اونٹ پر سوار ہو کر مکہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ قبائل نے دیکھا تو انھی اپنے خیموں کو اکٹھا کیا اور ایک کے بعد دوسرا روانہ ہونے لگا۔[1]

حضورؐ کے حواری زبیرؓ:

اس رات جب خدائی تقدیر کے تحت لشکر کفار میدان جنگ کو خالی کر رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس کی اطلاع دی۔ حضورؐ خیمہ سے باہر نکلے۔ آواز دی۔ "کوئی ہے جو لشکر کفار کا حال معلوم کرے؟"

---

[1] ابن ہشام جلد ۲ جزو ثالث صد ۱۳ تا صد ۱۵

صحابہؓ کہتے ہیں۔ ہم آواز سنتے تھے لیکن رات کی سرد ہوا اور بارش سے ایسے یخ بستہ ہوئے تھے کہ آواز نہ نکلتی تھی۔ حضرت زبیرؓ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہم زلف اور نہایت شجاع تھے۔ اُٹھے اور جواب دیا۔ "میں حاضر ہوں" اس موقع پر حضورؐ نے انہیں اپنے حواری کا خطاب دیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا "ہر نبی کا حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیرؓ ہے۔"[1] اور ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا۔ "جاؤ لشکر کفار کا پتہ کرو اور دیکھو خاموشی سے جانا اور کسی سے مزاحم نہ ہونا۔" زبیرؓ تیر کمان چھپائے کفّار کے لشکر میں گئے۔ کہتے ہیں۔ میرے سامنے ابو سفیان بندھے ہوئے اونٹ پر سوار ہو رہا تھا۔ پہلے تو جی چاہا اسے تیر کمان کا نشانہ بناؤں پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی نصیحت یاد آگئی اور میں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا اور واپس آیا تو حضورؐ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے عرض کی۔ حضورؐ! لشکرِ اعداء سے میدان صاف ہو چکا ہے۔ حضور نے خدا کا شکر ادا کیا اور فرمایا۔ یہ محض خدا کا فضل ہے۔ ہماری کسی طاقت کا نتیجہ نہیں اور اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: "اَلْآنَ نَغْزُوْهُمْ وَلَا يَغْزُوْنَنَا۔" آئندہ یہ ہم سے لڑنے نہیں آئیں گے بلکہ فتنہ کے فرو کرنے کے لئے ہم وہاں جائیں گے۔"[2] یہ محاصرہ بیس دن جاری رہا۔ چھ مسلمان شہید ہوئے۔ انصار کے رئیس اور مشہور صحابی حضرت سعدؓ بن معاذ کو تیر کا ایسا زخم آیا جو بالآخر کاری ثابت ہوا۔ کفّار کا جانی نقصان تو کوئی خاص نہ ہوا لیکن ذہنی طور پر اب وہ مفتوح و مغلوب ہو چکے تھے اور اپنے مشن میں بری طرح ناکام ہو کر جا رہے تھے۔ یہ جنگ مسلمانوں کیلئے

---

[1]، [2] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ خندق

بڑی آزمائش تھی اگر خدانخواستہ دشمن اپنے ارادہ میں کامیاب ہو جاتا اور مدینہ میں داخل ہو جاتا تو کوئی مسلمان ان کے ہاتھوں نہ بچتا۔ عورتوں کی عصمت محفوظ نہ ہوتی۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ان کے منصوبوں میں انہیں ناکام کیا اور حضورؐ کی پیشگوئی پوری ہوئی۔ کیونکہ اس کے بعد کفر کو مدینہ پر یلغار کی ہمت نہ ہوئی۔ اور ان کی سکت بالکل جاتی رہی۔

بنو قریظہ کا انجام:

اس موقعہ پر چونکہ بنو قریظہ نے غداری کی تھی اور مسلمانوں کے لئے خطرناک صورت حال پیدا کی تھی اور غداری کے ارتکاب کے بعد اب یہ اپنے قلعوں میں پناہ گزین ہو گئے۔ اور بجائے کسی معذرت یا ندامت کے انہوں نے برملا طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینے کی مذموم حرکت کی۔ اور ازواجِ مطہراتؓ کے متعلق فحش کلمات استعمال کئے۔ مزید برآں انھوں نے ارادہ کیا کہ سبت کی رات مسلمانوں پر شب خون مار کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیا جائے۔[1] لیکن ان کی یہ تجویز بھی ناکام رہی۔ اس پر انہوں نے کہا۔ سعدؓ بن معاذ جو اس قبیلہ کے سردار ہیں جو فیصلہ کریں ہمیں منظور ہوگا۔[2] چنانچہ ان کو ثالث تسلیم کیا گیا۔ انھوں نے پہلے اقرار لے لیا کہ جو میں فیصلہ کروں گا تم اسے تسلیم کر دگے۔ یہود نے اقرار کیا۔ اسی طرح مسلمانوں سے بھی اقرار لیا اس کے بعد توریت کی رُو سے غداری کی جو سزا ہے انھوں نے

---

[1] ابن ہشام جلد ۳ جزو ثالث صہ ۱۷۱ [2] بخاری کتاب المغازی باب رجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الاحزاب۔

وہ سنائی کہ مجرموں کو تختہ دار پہ لٹکایا جائے [1]

اس فیصلہ کے بعد جب اس پہ عمل شروع ہوا تو جس یہودی نے معافی چاہی یا کسی مسلمان نے اس کی سفارش کی حضورؐ نے اسے معاف کر دیا۔ یہود کے ایک رئیس حیّی بن اخطب نے کہا۔ "اَمَا وَاللّٰہِ مَا لُمْتُ نَفْسِیْ فِیْ عَدَاوَتِکَ وَلٰکِنَّہٗ مَنْ یَّخْذُلِ اللّٰہُ یُخْذَلْ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَی النَّاسِ فَقَالَ اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّہٗ لَا بَأْسَ بِاَمْرِ اللّٰہِ"۔ بات یہ ہے جو خدا کو چھوڑتا ہے خدا بھی اسے چھوڑتا ہے۔ یہ خدا کی تقدیر ہے اسے کوئی روکنے والا نہیں [2]

میرا یقین ہے کہ اگر یہود مدینہ رحمۃٌ للعالمینؐ کو ثالث بناتے اور فیصلہ آپؐ کے ہاتھ میں دیتے تو وہ مجسّم رحمت ان غداروں کو بھی معاف کر دیتے لیکن افسوس کہ یہود نے حضورؐ کے مدینہ آنے کے بعد باوجود معاہدہ کرنے کے ہر موقعہ پہ غداری کی اور اس نازک گھڑی میں بھی آپ کو نہ پہچانا اور جب بھی مسلمانوں پر نازک وقت آیا۔ انھوں نے مسلمانوں کے لئے وہ لمحات نازک تر بنا دیئے۔ کئی مواقع پر دھوکے سے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی جان لینے کی کوشش کی۔ کئی مواقع پر چوری چھپے مسلمانوں کو قتل کیا۔ اور اپنی ان کرتوتوں کی وجہ سے آخرکار اپنے کئے کی سزا پائی۔



---

[1] استثنا، باب ۲۰۔ آیت ۱۴ تا ۱۶ [2] ابن ہشام جلد ۲ جزو ثالث ص ۷۲۲۔

صُلح حدیبیہ

اسلام صلح و آشتی کا مذہب ہے۔ مذہب کو پھیلانے کے لئے کسی مادی طاقت کی نہیں۔ اخلاص، عمدہ اخلاق اور اعلیٰ نمونہ کی ضرورت ہے۔ دل محبت اور خدمت سے جیتے جاتے ہیں نہ کہ سختی اور درشتی سے۔ مکی زندگی میں بھی جب صحابہؓ کرام نے دشمنوں کی ایذا دہی سے "تنگ آمد بجنگ آمد" کے مصداق لڑائی کی اجازت چاہی تو حضورؐ نے فرمایا۔ "مجھے صبر اور دعا کا حکم ہے۔ لڑنے کا حکم نہیں۔" لیکن جب دشمن طاقت آزمائی پر تُل گیا اور اس نے بزورِ شمشیر اسلام اور مسلمانوں کو ملیا میٹ کرنا چاہا تو خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو دفاع میں جنگ کرنے کی اجازت دی۔ چنانچہ اس بارہ میں پہلی آیت ۲ھ ہجری مطابق ۱۵ اگست ۶۲۳ء میں نازل ہوئی اور مسلمانوں کو اپنے دفاع میں تلوار اٹھانے کی اجازت ملی۔ اور تاریخ اور مسلمانوں کے حالات اس امر پر شاہد ہیں کہ مسلمانوں کو جنگوں پر مجبور کیا گیا۔ اور اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا تھا کہ یا تو وہ اپنے گھروں میں تہِ تیغ کر دیئے جاتے اور ان کی عورتوں کی بے حرمتی کی جاتی یا وہ باہر نکل کر دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو جاتے انھوں نے موخر الذکر صورت کو ترجیح دی اور خدا تعالیٰ نے ان کی تائید و نصرت فرمائی اور فتنہ و فساد کرنے والوں کو خدائی ہاتھ نے ناکام و نامراد کیا۔ کیا یہ تاریخی حقیقت نہیں کہ ہر بار وہ مسلمانوں پر حملہ آور ہوتے رہے اور دھمکیاں

دیتے رہے۔ پہلی بار انھوں نے مدینہ والوں کو جو دھمکی دی تھی۔ وہ اسی کتاب میں بدر کے حالات میں مذکور ہے۔ غلط کہتے ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ بہترین مسلمان جو چشم فلک نے دیکھے۔ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، ابوہریرہؓ، ابوذر غفاریؓ، مصعب بن عمیرؓ، سعد بن معاذؓ، عبدالرحمان بن عوفؓ۔ یہ کس تلوار کے نتیجہ میں مسلمان ہوئے تھے؟ ان کے دل قرآن نے جیتے تھے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور سیرت نے جیتے تھے اور صلح حدیبیہ کا واقعہ اور رسالہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام کی اصل طاقت امن میں ظاہر ہوئی۔ اور اسلام کو پھیلنے اور تبلیغ کے لئے امن کا زمانہ ہی سازگار ہے۔ ہاں مصائب نے ان کے ایمان۔ ان کی استقامت اور شدائد کی برداشت اور وفاداری کو ضرور مضبوط کیا۔

حضورؐ کا کشف:

سنہ ۶ھ ذوالقعدہ یعنی حج کے مہینہ سے ایک ماہ قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ اپنے صحابہؓ کے ساتھ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں۔[1] واضح ہو کہ ابھی حج فرض نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ آپ نے صحابہؓ سے اس خواب کا ذکر کیا۔ اور انہیں خانہ کعبہ کی زیارت کی تلقین فرمائی۔ مدینہ کے اردگرد بعض قبائل کو بھی پیغام بھجوایا۔ چنانچہ (۱۴۰۰) چودہ سو کے قریب صحابہ تیار ہوئے۔ قربانی کے لئے جانور ساتھ لے لئے۔[2] اور فرمایا۔ ہتھیار ساتھ لے جانے کی

---

[1] سورۃ الفتح آیت ۲۸۔ [2] بخاری باب غزوۃ الحدیبیہ۔ ابن ہشام جلد ۲ جزثالث صفحہ ۲۷۷

ضرورت نہیں۔ ہاں عربوں کے دستور کے مطابق تلواریں نیاموں کے اندر ساتھ رکھی جا سکتی ہیں جیسا کہ مسافر رکھتے ہیں۔ چنانچہ یہ مقدس قافلہ ۶ھ ہجری ذوالقعدہ کے مہینہ پیر کے دن صبح کے وقت مدینہ سے روانہ ہوا۔ یہ مہینہ ان مہینوں میں سے تھا جس میں عرب جنگ بند کر دیتے تھے حضور کی زوجہ محترمہ ام سلمہ رضی بھی حضورؐ کے ہمرکاب تھیں۔ جب ذوالحلیفہ پہنچے تو حضورؐ نے صحابہ کو احرام باندھنے کا حکم دیا۔ حج کے لئے مخصوص لباس یعنی دو بے سلی چادریں اوڑھ کر تلبیہ کہنے کا ارشاد ہوا۔ حضورؐ نے بیس آدمی قافلہ کے آگے روانہ کر دیئے اور چند آدمیوں کو مکہ بھی روانہ فرمایا۔ تا وہ قریش کے ارادوں کو بھانپ سکیں۔ جب مکہ دو منزل رہ گیا تو آپ کے قاصدوں نے آکر اطلاع دی کہ قریش سخت جوش میں ہیں۔ حتیٰ کہ بعض نے اپنی وحشت کے اظہار کے طور پر چیتوں کی کھالیں پہن رکھی ہیں۔[1] اور وہ جنگ پر آمادہ ہیں اور انہوں نے خالد بن ولید اور عکرمہ کے ساتھ دو صد آدمیوں کا ایک دستہ آگے بھجوایا حضور نے اس پر صحابہ کو عام رستہ سے ہٹ کر سمندر کے ساتھ دشوار گزار راستہ پر سفر جاری رکھنے کا ارشاد فرمایا۔ جب مکہ نو میل رہ گیا اور حدیبیہ کے قریب پہنچے تو آپ کی اونٹنی "القصواء" اچانک پاؤں پھیلا کر زمین پر بیٹھ گئی اور باوجود اٹھانے کے اٹھنے کا نام نہ لیا۔ صحابہ رضی نے عرض کی۔ حضورؐ! یہ مسلسل سفر سے تھک گئی ہے۔ حضور نے فرمایا۔ نہ یہ تھکی ہے نہ بیٹھنے کی اسے عادت ہے۔ اس کو اسی نے روک دیا ہے جس نے اصحاب فیل کو مکہ سے روکا تھا۔ خدا کی قسم مکہ والے حرم کی حفاظت کے لئے جو مطالبہ

---

[1] ابن ہشام جلد ۲ جزو ثالث صفحہ ۷۵، ۷۶

بھی مجھ سے کریں گے۔ میں اسے مان لوں گا۔[1] پھر آپ نے اونٹنی کو آواز دی اور اونٹنی کھڑی ہو گئی۔ چنانچہ حدیبیہ کے دوسرے کنارے چشمہ پر ٹھہر کر آپ اونٹنی سے اتر آئے اور صحابہ رضہ کو یہیں ڈیرے ڈال دینے کا ارشاد فرمایا۔

معجزہ کا صدور:

یہاں چشمہ میں پانی قافلہ کی ضرورت کے مطابق نہ تھا۔ صحابہؓ نے پانی کی کمی کی شکایت کی تو آپؐ نے تیر لے کر چشمہ کی تہ میں گاڑ دینے کا حکم فرمایا۔ اور دعا فرمائی چنانچہ تھوڑی دیر گزری تھی کہ چشمہ پانی سے بھر گیا۔[2] اور اسی رات بارش سے وادی جل تھل ہو گئی اور پانی کی کمی دور ہو گئی۔[3]

کفّار کے نمائندگان کی آمد:

جب صحابہؓ وادی میں خیمہ زن ہو گئے تو کفار کا نامور رئیس بدیل بن ورقاء خزاعی آپؐ کے پاس آیا اور کہا۔ محمد (صلّی اللّٰہ علیہ وسلم) مکّہ کے لوگ جنگ کے لئے تیار کھڑے ہیں۔ وہ آپ کو طواف نہ کرنے دیں گے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ میں جنگ کی نیت سے نہیں آیا۔ میں ان سے سمجھوتہ کے لئے بھی تیار ہوں وہ میرے خلاف جنگ بند کر دیں اور مجھے دوسرے لوگوں کے لئے آزاد چھوڑ دیں۔ اگر میں اس کشمکش میں مٹ گیا تو ان کا سینہ خود بخود ٹھنڈا ہو جائے گا لیکن اگر خدا نے مجھے کامیابی نصیب کی تو پھر مکہ والوں کو بھی مجھے مان

---

[1] ابن ہشام جلد ثانی جزو ثالث صفحہ ۷۷۵، ۷۷۶ [2] ابن ہشام جلد ۲ جزو ۳

[3] بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الحدیبیہ

لینے میں کوئی عذر نہیں ہونا چاہیئے۔ لیکن اگر وہ جنگ ہی جاری رکھنے پر مصر ہیں تو پھر ان کی مرضی۔ میرے لئے پھر دو ہی راستے ہوں گے۔ یا میں اس راہ میں اپنی جان قربان کردوں یا خدا مجھے فتح نصیب کرے۔ پیچھے ہٹنے کا سوال ہی نہیں۔[1] بدیل نے کہا۔ مجھے موقعہ دیا جائے۔ میں آپ کی یہ تجویز مکّہ والوں کے سامنے رکھوں۔ چنانچہ وہ گیا۔ پہلے تو قریش نے اس کی بات سننے سے انکار کردیا۔ پھر بات سنی تو یہ مشورہ طے پایا کہ محمدؐ نے ٹھیک کہا ہے۔ ان سے بات کرنے کے لئے ہماری طرف سے قبیلہ ثقیف کا رئیس عروہ بن مسعود جائے اور بات کرے۔ عروہ حدیبیہ پہنچا اور حضورؐ سے گفتگو شروع کی۔ اثنائے گفتگو وہ حضورؐ سے کہنے لگا۔ اور یہ اس کی ایک تدبیر تھی تا حضورؐ اس کی شرائط مان لیں کہ اگر معاملہ بگڑ گیا اور قریش کو غلبہ ہوا تو بخدا مجھے آپ کے اردگرد کے چہروں سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ انہیں بھاگتے دیر نہیں لگے گی اور یہ سب آپ کو چھوڑ چھاڑ کر بھاگ جائیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ نے سنا تو غصّے سے بھر گئے اور فرمایا۔ جاؤ لات کے پجاریو! جاؤ۔ ہم خدا کے رسولؐ کو چھوڑ کر جائیں گے؟ یہ تمہاری بھول ہے۔ اس نے پھر گفتگو کرتے ہوئے حضورؐ کی ریش مبارک کو ہاتھ لگایا۔ اب اس کے بھتیجے مغیرہؓ بن شعبہ نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔[2] اور کہا۔ "پرے کر ناپاک ہاتھ رسول خدا کے چہرہ مبارک سے!" اس گفتگو کے دوران اس نے حضورؐ کے گرد صحابہؓ کے جمگھٹے کو دیکھا گویا پروانے ہیں جو شمع پر نثار ہونے کے لئے ایک دوسرے پر گرے جارہے ہیں۔ اس نے فدائیت کا ایک اور

---

[1] ابن ہشام جلد ۲ جزو ثالث صفحہ ۷۷۵ تا ۷۷۷ — [2] ابن ہشام جلد ۲ جزو ۳ صفحہ ۷۷۸

عجیب نظارہ دیکھا۔ نماز کے لئے حضورؐ نے پانی منگوایا۔ حضورؐ اپنے ایک ایک عضو کو دھوتے تھے اور صحابہؓ پانی کے وہ قطرے جو حضورؐ کے جسدِ مبارک سے گرتے تھے زمین پر نہ گرنے دیتے تھے وہ تبرّک کے طور پر اپنے ہاتھوں میں لیتے تھے اور اپنے جسموں پر مَل لیتے تھے اور جن کو پانی کے وہ قطرات نہ ملتے وہ لوگوں کے ان قطروں سے گیلے ہونے والے جسموں سے اپنے جسم مَلتے تھے۔[1]

عروہ یہ ایمان افروز اور عقیدت و محبت کے مناظر دیکھ کر واپس لوٹا اور قریش سے کہنے لگا۔ خدا کی قسم مَیں نے بادشاہوں کے دربار بھی دیکھے ہیں۔ مَیں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار میں بطور وفد کے گیا ہوں مگر خدا کی قسم مَیں نے جو عزت محمدؐ کی ان کے ساتھیوں کو کرتے دیکھا ہے یہ عزت و احترام مَیں نے کہیں نہیں دیکھا۔ میرا تمہیں یہی مشورہ ہے کہ محمد (صلّی اللہ علیہ وسلم) کی تجویز قبول کر لو۔ یہ منصفانہ تجویز ہے۔ اس پر قریش نے حلیس بن علقمہ کو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سے گفتگو کے لئے بھجوایا۔ اس نے آکر مسلمانوں کے قربانی کے جانور دیکھے اور مسلمانوں کو تکبیر کی آواز بلند کرتے دیکھا تو جا کر قریش سے کہنے لگا۔ وہ تو حج کے ارادہ سے آئے ہیں۔ قربانی کے جانور ساتھ ہیں۔ انہیں کسی طرح خانہ کعبہ کے طواف سے روکنا مناسب نہیں۔

سہیل کی آمد:

اس سفارت کو بھی اپنے مطلب کا نہ پا کر مکہ والوں نے سہیل بن عمرو کو

---

[1] ابن ہشام جلد ۲ جزو ثالث صفحہ ۷۹

حضورؐ سے گفتگو کے لئے بھیجا۔ یہ حضورؐ کی خدمت میں پہنچا۔ ادھر حضورؐ نے
ایک صحابیؓ کو مکہ روانہ کیا۔ تا وہ قریش کو حضورؐ کا نقطہ نظر سمجھا سکے لیکن
عکرمہ نے اس کے اونٹ پر حملہ کر دیا اور قریب تھا کہ وہ اس پر بھی حملہ کرتا
مگر پرانے لوگوں نے اس کو سمجھا کر اس صحابیؓ کی جان بچائی اور انہیں
واپس اسلامی کیمپ میں بھجوا دیا۔[1] قریش نے اس پر ہی بس نہ کی۔ ان لوگوں
نے اسی ۸۰ آدمیوں کا ایک دستہ تیار کیا کہ حدیبیہ جائیں اور اسلامی کیمپ
کے ارد گرد گھومتے رہیں۔ اور موقع پا کر مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں۔[2]
انہوں نے یہ بھی ارادہ کیا کہ مدینہ سے اتنی دور یہ مسلمان آگئے ہیں۔ اب ان
پر حملہ آسان ہے۔ کیوں نہ ان کو تہ تیغ کر دیا جائے۔ لیکن مسلمانوں کو اس
ساری سازش کا پتہ چل گیا۔ اور وہ ہوشیار ہو گئے اور دشمن اپنے اس
ارادہ میں کامیاب نہ ہو سکا۔

حضرت عثمانؓ کی سفارت :

حضورؐ نے پھر حضرت عثمانؓ کو مکہ روانہ کیا کہ تم میری طرف سے سفارت
کے فرائض سرانجام دو۔ اور ایک تحریر بھی قریش مکہ کے نام لکھ کر دی اور
فرمایا مکہ کے کمزور مسلمانوں سے بھی ملنا۔ ان کی ڈھارس بندھانا اور انہیں
کہنا "صبر سے کام لیں۔ خدا تعالیٰ عنقریب کامیابی کے دروازے کھو لنے
والا ہے"۔ حضرت عثمانؓ نے مکہ پہنچ کر ابو سفیان سے ملاقات کی۔ جو حضرت
عثمانؓ کے قریبی بھی تھے اور مجمع عام میں حضورؐ کی تحریر بھی پڑھ کر سنائی۔

---

[1]، [2] ابن ہشام جلد ۲ جز ثالث صفحہ ۲۷۹

لیکن مکہ والے اپنی ضد پر قائم رہے کہ مسلمان اس سال مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ حضرت عثمانؓ نے جب زور دیا تو انھوں نے حضرت عثمانؓ سے کہا ہاں اگر تم چاہو تو تمہیں طواف کعبہ کی اجازت دیتے ہیں۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے کہا یہ کیسے ممکن ہے کہ حضورؐ کو تم روک دو اور میں طواف کروں۔[1] حضرت عثمانؓ مایوس ہو کر واپس لوٹنے لگے تو مکہ کے لوگوں نے ان کو روک لیا۔ ادھر مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمانؓ کو مکہ میں شہید کر دیا گیا ہے۔

بیعتِ رضوان:

حضورؐ کو یہ اطلاع پہنچی تو حضورؐ نے کیکر کے ایک درخت کے نیچے صحابہؓ کو جمع کیا اور اسی خبر کا ذکر فرمایا اور کہا۔ اگر یہ بات درست ہے تو ربِ کعبہ کی قسم! ہم عثمانؓ کا بدلہ لئے بغیر اس جگہ سے نہ ٹلیں گے۔ آپؐ نے صحابہ سے فرمایا۔ آؤ میرے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اس بات کا پختہ عہد کرو۔

"تم میں سے کوئی شخص پیٹھ نہیں پھیرے گا۔ اپنی جان کی بازی لگا دے گا۔ مگر کسی حالت میں اپنی جگہ کو نہیں چھوڑے گا۔"[2] جب صحابہؓ عہد کر چکے تو حضورؐ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ میں رکھا اور فرمایا۔ یہ عثمان کا ہاتھ ہے اور ان کی طرف سے اس عہد کا نشان ہے۔[3] صحابہؓ اس بیعت

---

[1] ما کنت لافعل حتی یطوف بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ابن ہشام جلد ۲ جزو ۳ صفحہ ۲۸۰، [2] ابن ہشام جلد ۲ جزو ۳ صفحہ ۲۸۰، [3] ابن ہشام جلد ۲ جزو ثالث صفحہ ۲۸۱

کو بیعتِ رضوان کہا کرتے تھے۔ یعنی وہ بیعت جس کے نتیجہ میں خدا کی رضا مسلمانوں کو حاصل ہوئی۔ قرآن میں بھی اس کا ذکر کیا[۱] بعض صحابہ رضہ اس بیعت کا ذکر کرکے اسے "بیعت موت" کہا کرتے تھے۔ کیونکہ انھوں نے اس موقعہ پر عہد کیا تھا کہ "مر جائیں گے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔[۲]

جب قریش کو اس بیعت کا علم ہوا تو انھوں نے حضرت عثمان رضہ اور ان کے ساتھیوں کو رہا کر دیا اور اپنے ایلچیوں کو پیغام بھیجا کہ جس طرح ممکن ہو مسلمانوں کے ساتھ صلح کر لی جائے۔ لیکن یہ شرط ضروری ہے کہ مسلمان اس سال طواف نہیں کر سکیں گے۔ ہاں اگلے سال وہ عمرہ کے لئے آسکتے ہیں۔[۳]

شرائطِ معاہدہ:

سہیل کہنے لگا۔ قلم دوات لایئے۔ اور معاہدہ تحریر کیجئے۔ حضورؐ نے حضرت علی رضہ کو بطور کاتب بلایا اور معاہدہ لکھا جانے لگا۔ کے

حضورؐ نے جب فرمایا۔ لکھو۔ "بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم" تو سہیل نے کہا یہ رحمان رحیم کیا ہوتے ہیں؟ صرف بسم اللہ لکھئے۔ چنانچہ "باسمک اللّٰھم" لکھا گیا۔ حضورؐ نے پھر فرمایا۔ لکھو یہ معاہدہ وہ ہے جو محمد رسول اللہ

---

[۱] لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم واثابھم فتحا قریبا۔ سورۃ الفتح آیت ۱۹

[۲] بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الحدیبیۃ۔

[۳] ابن ہشام جلد ۲ جزو ثالث۔ ص ۷۸۱

[۴] ابن ہشام جلد ۲ جزو ثالث ص ۷۸۲-۷۸۳

نے کیا ہے۔ انھوں نے لفظ "رسول اللہ" پر بھی اعتراض کیا کہ ہم آپ کو رسول اللہ نہیں مانتے۔ علیؓ یہ الفاظ لکھ چکے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ لفظ "رسول اللہ" کاٹ دیں۔ علیؓ نے عرض کیا۔ میں اپنے ہاتھ سے نہیں کاٹ سکتا۔ حضورؐ خود کاٹ دیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اچھا میں کاٹ دیتا ہوں۔ بہر حال معاہدہ کی شرائط لکھی گئیں اور وہ یہ تھیں:۔

(۱) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے ساتھی اس سال واپس چلے جائیں۔

(۲) آئندہ سال وہ مکہ میں آکر عمرہ ادا کر سکتے ہیں۔ مگر سوائے نیام میں بند تلوار کے کوئی ہتھیار ساتھ نہ ہو۔ اور مکہ میں تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں۔

(۳) اگر کوئی شخص مکہ سے مدینہ جانا چاہے خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو اسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مدینہ میں پناہ نہ دیں گے بلکہ واپس لوٹا دیں گے لیکن اگر کوئی مسلمان مدینہ چھوڑ کر مکہ جانا چاہے تو اسے مسلمان نہیں روکیں گے اور نہ اہلِ مکہ اسے واپس کرنے کے ذمہ دار ہونگے

(۴) قبائلِ عرب میں سے جو قبیلہ چاہے مسلمانوں کا حلیف بن جائے اور جو چاہے مکہ والوں کا۔

(۵) یہ معاہدہ فی الحال دس سال کے لئے ہوگا اور اس عرصہ میں قریش اور مسلمانوں کے درمیان جنگ بند رہے گی۔[1]

ابو جندل کا مکہ سے فرار:

معاہدہ لکھا جا چکا تھا۔ لیکن ابھی اس معاہدہ پر دستخط نہیں ہوئے

---

[1] ابن ہشام جلد ۲ جزو ثالث ص ۷۸۲

تھے کہ اسی سہیل کا بیٹا ابوجندل جو مسلمان ہو چکا تھا اور مکہ والوں نے اسے زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا اور اسے زدوکوب کرتے تھے۔ کسی طرح زنجیروں کو توڑ کر حدیبیہ آ پہنچا۔ اس نے مسلمانوں کو ضرب کے نشانات دکھائے اور کہا۔ مسلمانو! کیا مجھے کافروں کے سپرد کردو گے؟ اس کی حالت اور تقریر سن کر مسلمانوں میں جوش آ گیا۔ مسلمانوں کے ہاتھ تلواروں کے دستوں تک پہنچ گئے۔ حضورؐ کچھ دیر خاموش رہے۔ پھر ابوجندل سے دردبھری آواز میں فرمایا۔ "ابوجندل صبر کر اور اس کو ثواب سمجھ کر برداشت کر۔ یقیناً پروردگار عالم تمہارے لئے اور تمہارے ساتھ کے مسلمانوں کے لئے کشائش پیدا کرے گا اور ان مصائب سے نکلنے کی راہ پیدا کرے گا۔ ہم معاہدہ کر چکے ہیں اب خلاف ورزی نہیں ہو سکتی"[1]

اس شرط پر حضرت عمرؓ مضطرب ہوئے۔ غصہ سے آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ حضورؐ کے پاس آ کر آہستگی سے عرض کیا۔ حضورؐ کیا آپ خدا کے برحق رسول نہیں؟ کیا ہم حق پر نہیں؟ حضور نے فرمایا۔ "کیوں نہیں؟ میں خدا کا رسول ہوں اور میں اس کے منشاء کے خلاف نہیں چل سکتا۔ وہ میرا حامی و مددگار ہے۔" حضرت عمرؓ نے کہا۔ کیا خدائی وحی کے ماتحت آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم مکہ میں ضرور داخل ہوں گے اور کعبہ کا طواف کریں گے؟ آپؐ نے فرمایا۔ "ہاں لیکن یہ کب کہا تھا کہ یہ طواف اسی سال ہو گا۔" پھر حضرت عمرؓ ابوبکرؓ کے پاس گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ "عمرؓ! جوش میں اس ہاتھ کو ڈھیلا نہ ہونے دو جو رسولِ خدا

---

[1] ابن ہشام جلد ۲ جزو ثالث ص ۷۸۳

کی رکاب میں رکھا ہے۔[1]

فتح مبین:

بظاہر یہ شرائط مسلمانوں کے حق میں نہ تھیں۔ بلکہ بادی النظر میں ایک ذلّت تھی۔ لیکن جو خدا کی خاطر ذلّت قبول کرتا ہے اُسے آسمان پر لازوال عزت ملتی ہے۔ انسان کی نظر قریب کے واقعات پر ہوتی ہے لیکن خدا اور اس کے انبیاءؑ وہ دیکھتے ہیں جو عام آنکھ کو نظر نہیں آتا۔ ان شرائط پر یقیناً صحابہؓ کو صدمہ تھا لیکن مدینہ کو واپس ہوئے تو راستہ میں سورۃ فتح کی وہ آیات نازل ہوئیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اس معاہدہ کو ایک عظیم الشان فتح کا پیش خیمہ قرار دیا تھا۔ آپؐ نے صحابہؓ کو اکٹھا کر کے فرمایا۔ "مجھ پر اس وقت ایک ایسی سورۃ نازل ہوئی ہے جو مجھے تمام دنیا سے زیادہ محبوب ہے" اور آپ نے سورۃ فتح کی آیات تلاوت فرمائیں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کی۔ یا رسول اللہؐ! کیا واقعی یہ صلح اسلام کی فتح ہے؟ آپؐ نے فرمایا۔ "ہاں یقیناً ہماری فتح ہے" اور تاریخ گواہ ہے کہ حدیبیہ کی صلح منتج ہوئی فتح مکہ پر۔ اور جو شرط سب شرائط سے سخت سمجھی جاتی تھی اس کے نتیجہ میں مکّہ کے مسلمانوں کی ایک جمعیت پیدا ہوئی۔ جس نے خود مکہ والوں کو مجبور کیا کہ وہ حضورؐ سے صلح کی اس شرط کو ختم کرنے کے لئے اپیل کریں[2] اور صلح کی فضا کے نتیجہ میں اسلام کا پیغام عرب میں اور عرب کے باہر رنگ لایا۔

---

[1] ابن ہشام جلد ۲ جزو ثالث صفحہ ۲۸۱ ۔ ۲۸۲۔ [2] ابن ہشام جلد ۲ جزو ثالث صفحہ ۲۸۵

بادشاہوں کے نام خطوط

جنگ کے بادل چھٹ گئے اور صلح کے معاہدہ کے نتیجہ میں مسلمانوں کو سکون نصیب ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے چاروں طرف بادشاہوں کو تبلیغی خطوط لکھے۔ خطوط لکھنے سے پہلے لوگوں کے مشورہ پر حضورؐ نے ایک انگوٹھی بنوائی۔ جسے بطور مہر استعمال کیا۔ جو خطوط پر لگائی جاتی تھی اس کے الفاظ تھے۔ "محمد رسول اللہ" نیچے محمد تھا اور پھر رسول۔ اس کے اوپر اللہ [1] یہ انگوٹھی حضورؐ کے وصال کے بعد ابو بکرؓ کے پاس رہی پھر حضرت عمرؓ کے پاس۔ جب عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انہیں منتقل ہوئی۔ افسوس ان سے یہ انگوٹھی ایک کنویں میں گر گئی اور باوجود بسیار کوشش کے وہ نہ ملی۔ یہ خطوط شمال میں روما کی مشہور سلطنت کے فرماں روا قیصر کے نام اور شمال مشرق میں فارس کی مشہور سلطنت کے شہنشاہ کسریٰ کے نام اور شمال مغرب میں مصر کے بادشاہ مقوقس کے نام اور حبشہ کے فرماں روا شاہ نجاشی کے نام اور عرب کی حدود کے ساتھ متصل ریاست عمان کے حاکم کے نام جو قیصر کے ماتحت تھا۔ عرب کے جنوب میں یمن کے رئیس کے نام بھی تبلیغی خط بھجوایا اور بحرین کے والی کی طرف بھی اس طرح عرب کے ارد گرد جتنی حکومتیں تھیں۔ ان سب کے نام تبلیغی خطوط لکھے [2] ان میں سے ایک اہم تبلیغی خط ہرقل، قیصر روم کے نام بھجوایا تھا۔

---

[1] شمائل ترمذی باب فی ذکر خاتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم
[2] ابن ہشام جلد ۲ جزو رابع ص ۱۰۲۵-۱۰۲٦

ہرقلؔ اور ابوسفیانؔ کی گفتگو:

تاریخ میں مذکور ہے کہ ہرقل نے خط کے پہنچنے پر حضورؐ کے متعلق حضورؐ کے قریبی رشتہ دار ابوسفیان سے جو اس وقت تک مسلمان نہ تھا۔ چند سوالات پوچھے۔ ان سوالات سے ہرقل کی حذاقت اور ذہانت کا پتہ چلتا ہے۔ اس نے پوچھا۔ جس شخص نے رسول ہونے کا دعویٰ کیا ہے اس کا حسب ونسب کیا ہے؟ ابوسفیان نے جواب دیا۔ وہ شریف خاندان سے ہے۔ اچھے حسب ونسب کا ہے۔ ہرقل نے پھر پوچھا۔ کیا اس سے پہلے بھی کسی نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا تھا؟ ابوسفیان نے کہا۔ نہیں۔ پھر اس نے پوچھا کیا اس کے دعویٔ نبوت سے پہلے بھی تم نے اس پر جھوٹ کا الزام لگایا تھا؟ ابوسفیان نے کہا۔ نہیں۔ ہرقل نے پوچھا۔ کیا اس کے باپ دادا میں سے کوئی بادشاہ گزرا ہے؟ جواب ملا۔ نہیں۔ اس نے پھر پوچھا۔ اس مدعی رسالت کو بڑے لوگ مان رہے ہیں یا چھوٹے۔ جواب ملا۔ کمزور لوگ، اس نے کہا۔ کیا وہ بڑھ رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں۔ جواب ملا بڑھ رہے ہیں۔ پھر اس نے پوچھا۔ کیا اس کے دین کو ناپسند کر کے لوگ مرتد ہو رہے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا۔ نہیں۔ ہرقل نے دریافت کیا۔ اس نے کبھی عہد شکنی کی ہے؟ ابوسفیان نے کہا۔ نہیں۔ ہاں اب ایک معاہدہ ہوا ہے دیکھیں اس میں وہ کیا کرتے ہیں۔ ابوسفیان کہتے ہیں۔ میں صرف اس موقعہ پر کچھ "پخر" لگا سکتا تھا ورنہ اور کہیں گنجائش نہ ملی۔ ہرقل نے پھر پوچھا۔ کیا اس کے ساتھ تمہاری کبھی جنگ ہوئی ہے؟ اس نے کہا۔ ہاں۔ پوچھا نتیجہ کیا ہے۔ ابوسفیان نے کہا۔ کبھی وہ جیت جاتے ہیں۔ کبھی ہم نقصان

پہنچا دیتے ہیں۔ ہرقل نے پوچھا۔ اس کی تعلیم کیا ہے وہ تمہیں کیا حکم دیتا ہے۔ ابوسفیان نے کہا وہ کہتا ہے خدا کو ایک سمجھو۔ شرک نہ کرو نماز پڑھو۔ صدقہ دو۔ برائیوں سے بچو۔ امانت میں خیانت نہ کرو۔ اپنے عہدوں کو پورا کرو۔ اس کے بعد ہرقل نے ایک ایک سوال کی تشریح کی اور فرمایا۔ انبیاء کا یہی حال ہوتا ہے۔ وہ اپنی قوم کے اشراف میں سے ہوتے ہیں اور جب اس سے پہلے کسی نے ایسا دعویٰ نہیں کیا تو اس کے معنی ہیں اس نے یہ دعویٰ کسی کی نقل میں نہیں کیا اور جب دعویٰ سے پہلے اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا تو آج یکایک وہ جھوٹ کیسے بولنے لگ گیا۔ اور جب اس کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ نہ تھا تو یہ بھی واضح ہوگیا کہ اس بہانے وہ اپنے خاندان کی کھوئی ہوئی بادشاہت کو بھی حاصل نہیں کرنا چاہتا۔ پھر تم نے کہا کمزور لوگ اسے مان رہے ہیں تو شروع میں انبیاء کے ماننے والے کمزور اور غریب لوگ ہی ہوتے ہیں۔ اور تو نے کہا وہ بڑھ رہے ہیں۔ نبیوں کے ماننے والوں کا یہی حال ہوتا ہے وہ بتدریج ترقی کرتے ہیں۔ پھر تو نے جواب میں بتلایا کہ اس کے دین کو مان کر پھر ناپسند کر کے لوگ واپس نہیں ہوتے۔ یہی حالت ایمان کی ہوتی ہے۔ جب وہ دل کی گہرائیوں میں اُتر جاتا ہے تو پھر پیچھے ہٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یعنی دین کو ناپسند کر کے لوگ واپس نہیں لَوٹتے۔ وجوہات ارتداد اور ہوتی ہیں۔ پھر ہرقل نے کہا اور تو نے مجھے بتلایا ہے کہ عہد شکنی نہیں کرتا۔ خدا کے انبیاء کا یہی حال ہوتا ہے۔ وہ عہد شکن نہیں ہوتے اور تو نے بتلایا کہ جنگ میں کبھی ان کا بھی نقصان ہوتا ہے اور خدا کے رسولوں پر بعض سخت ایام اور آزمائشیں بھی آتی

ہیں۔ مگر انجام کار وہ غالب ہو کر رہتے ہیں۔ پھر میں نے پوچھا کہ تعلیم کیا دیتا ہے؟ یہی نبی کا وصف ہوتا ہے کہ اچھی باتوں کی تلقین کرتے ہیں۔ اور بُری باتوں سے بچنے کا حکم دیتے ہیں۔ اس کے بعد اس نے کہا۔ میں جانتا تھا کہ ایک نبی عنقریب مبعوث ہونے والا ہے۔ اے عرب کے بادیہ نشینو! اگر یہ باتیں درست ہیں جو تم نے بتلائی ہیں تو وہ وقت دور نہیں جب وہ اس جگہ یعنی ایلیا (بیت المقدس) پر قابض ہو گا۔ اور اگر مجھے توفیق ملی تو مَیں اس سے ملاقات کروں گا اور اس کے پاؤں دھو کر پیوں گا۔

ابو سفیان دربار سے باہر نکلا تو کہنے لگا۔ محمدؐ کا اتنا اثر بڑھ رہا ہے کہ رومیوں کا بادشاہ بھی اس سے خائف ہے یہ غالب ہو کر رہے گا۔[۱]

ہرقل کے خط کی عبارت:

ہرقل کو جو خط لکھا اس کی عبارت حدیثوں میں محفوظ ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے:۔

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ جو بن مانگے دینے والا اور بار بار دینے والا ہے۔ یہ خط اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمدؐ کی جانب سے ہرقل شاہِ روم کے نام ہے۔ سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ اس کے بعد مَیں خدا کے پیغام کی طرف تمہیں بلاتا ہوں تو مسلمان ہو جا۔ خدا کی پناہ میں آجائے گا۔ اللہ تعالیٰ تجھے اس کا ثواب بھی دوہرا دے گا۔ لیکن اگر تو نے منہ پھیرا تو تمہاری رعایا کا گناہ بھی تمہاری گردن پر ہو گا

---

[۱] بخاری باب کیف کان بدء الوحی

اور اے اہلِ کتاب! اس کی طرف آجاؤ! جو تمہارے اور ہمارے درمیان مشترک ہے اور وہ یہ کہ سوائے خدا کے ہم کسی کی عبادت نہ کریں۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور یہ کہ سوائے خدا کے کسی کو معبود نہ مانیں۔ لیکن اگر تم روگردانی کرو تو گواہ رہو کہ ہم خدا کے فرمانبردار ہو چکے ہیں"۔[1]

والیٔ مصر اور حبشہ کے نام خط:

شاہِ مقوقس والیٔ مصر کو جو حضورؐ نے خط لکھا تھا۔ وہ آج بھی ترکی میں محفوظ ہے اس کا عکس بارہا شائع ہو چکا ہے۔ کسریٰ کو جو خط لکھا تھا وہ اس نے حقارت سے پھاڑ دیا تھا۔ حضورؐ کو جب اس کا علم ہوا تو آپؐ نے فرمایا۔" ایرانی حکومت بھی پاش پاش کر دی جائے گی"۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یہ عظیم سلطنت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام کے سامنے ٹھہر نہ سکی۔ شاہِ حبشہ نجاشی کو جب حضورؐ کا خط پہنچا تو اس نے خط کو آنکھوں سے لگایا اور ادب کے طریق پر تخت سے نیچے اُترا۔ اور کہا۔" میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں"۔ پھر اس نے ہاتھی دانت کی ڈبیہ منگوائی اور خط کو بطور تبرک اس میں محفوظ کیا۔ اور مورخین لکھتے ہیں یہ خط آج تک ان کے خاندان میں محفوظ ہے اس وقت حبشہ کے بادشاہ کا نام اصحمہ تھا۔ بہرحال اس صلح کے زمانہ میں حضورؐ نے اپنے مولیٰ کا پیغام بادشاہوں کے درباروں تک پہنچایا۔ جس

---

[1] بخاری باب کیف کان بدء الوحی

نے اس پیغام کو قبول کیا۔ یا احترام کی نظر سے دیکھا۔ اللہ نے اس سے بہتر سلوک فرمایا۔ جس نے تمرّد کا طریق اختیار کیا خدا کے قہری نشان کا شکار ہوا۔

اب میں یہ موازنہ پیش کرنا چاہتا ہوں کہ اسلام جنگوں کے نتیجہ میں زیادہ پھیلا یا صُلح کے زمانہ میں اس کے معنوی حُسن نے لوگوں کے قلوب کو فتح کیا۔ آپ دیکھئے۔ جنگ بدر میں تین سو تیرہ مسلمان تھے۔ اگلے سال اُحد میں ایک ہزار کے قریب اور صلح حدیبیہ میں چودہ سو اور حضور کا پیغام انیس سال سے ان لوگوں کے سامنے تھا اور پہلے تین چار سال میں بھی تبلیغ ہی ہوتی تھی۔ اگر یہ دعوئے نبوت کے بعد تمام سال شمار کئے جائیں تو انیس سال میں یہ ترقی ہوئی۔ لیکن اس کے بالمقابل حدیبیہ سے لیکر فتح مکہ تک دو سال میں اسلام جس قدر پھیلا اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ فتح مکہؐ کے موقع پر دس ہزار صحابہؓ آپؐ کے ہمرکاب تھے[1] اس سے ان لوگوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں جو کہتے ہیں کہ اسلام کی اصل طاقت تلوار ہے۔ اور تلوار سے ہی دلوں کے زنگ دُھلتے ہیں۔ حالانکہ محبت اور عاجزی کے آنسوؤں سے دلوں کی مَیل دور ہوتی ہے اور خدا پر سچا ایمان پیدا ہوتا ہے۔ خدا کے تازہ نشانات سے ہی دل مائل الی الحق ہوتے ہیں اور صداقت اور محبت کی کشش سے قلوب کھچے چلے آتے ہیں۔

قرآن کی پاکیزہ تعلیم نے بت پرستی، شراب، جوا اور بداخلاقی چھڑوائی۔ خشیت اللہ نے ہر قسم کی بدیوں سے چھڑوایا۔ آخرت کے

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الفتح فی رمضان۔

تصوّر نے اُنہیں بیدار کیا۔ دیکھ لو ان دو سالوں میں انیس سالوں کے بالمقابل زیادہ مسلمان ہوئے۔ پہلے تو جنگوں نے ہی فرصت نہ دی۔ جنگ سے جتھہ بازی کی سپرٹ پرورش پاتی ہے۔ تبلیغ کے لئے تو امن کی فضا چاہیئے۔ وہ جب میسّر ہوئی تو اسلام کی دعوت عرب کے ہر چہار طرف گونجی اور دشمنانِ اسلام بھی سمجھنے لگے کہ ہم اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ محمدؐ غالب آکر رہے گا۔



فتح مکّہ

حدیبیہ کے موقعہ پر جو معاہدہ مسلمانوں اور کفار کے درمیان طے پایا تھا۔ اس میں یہ شرط بھی تھی کہ جو چاہے مسلمانوں کا حلیف بن جائے۔ کوئی فریق اس بارہ میں دوسرے سے تعرض نہ کرے گا۔ چنانچہ کچھ قبائل مسلمانوں کے حلیف بن گئے۔ اور کچھ کفار کے۔ ان میں سے بکر قبیلہ قریش کا حلیف بنا۔ اور خزاعہ مسلمانوں کا۔ بکر قبیلہ کے ایک فرد نے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی۔ اس وجہ سے خزاعہ قبیلہ کے ایک فرد سے اس کی تکرار ہو گئی۔ اس پر بکر قبیلہ نے خزاعہ قبیلہ پر حملہ کر دیا۔ اور اس بارہ میں قریش سے مدد طلب کی۔ قریش نے معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بکر کی مدد کی اور خزاعہ پر اچانک حملہ کر کے ان کے بیس ۲۰ آدمی قتل کر دیئے۔ خزاعہ کے افراد مدینہ منورہ حضورؐ کی خدمت میں پہنچے۔ اور سارا ماجرا عرض کیا۔ اور بتلایا کہ کس طرح قریش نے معاہدہ کی دھجیاں اڑائی ہیں۔ اب آپ معاہدہ کی رُو سے ہماری مدد فرمادیں۔ حضورؐ نے جب سارا ماجرا سُنا تو فرمایا۔

"میں تمہاری اس طرح حفاظت کروں گا جیسے اپنی جان کی۔" [۱]

ادھر قریش کو احساس ہوا۔ کہ ہم نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے سردار ابوسفیان کو مدینہ بھیجا کہ تم معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کر کے

---

[۱] ۔ ابن ہشام جلد ۲ جزو رابع ذکر فتح مکہ۔

آوٗ۔ اور مدّت کو مزید بڑھانے کی درخواست کرو۔ چنانچہ ابو سفیان حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور بتلایا کہ میں اس غرض سے آیا ہوں حضورؐ نے فرمایا۔ کیوں؟ کیا کوئی نیا واقعہ ہُوا ہے۔ ابوسفیان نے جواب دیا۔ نہیں حضورؐ نے فرمایا۔ پھر ہم معاہدہ صلح پر اس مدّت کے لئے قائم ہیں جو طے پائی تھی۔ چنانچہ ابوسفیان ناکام واپس لوٹے۔

اسی موقعہ پر ابوسفیان اپنی بیٹی امّ حبیبہ کے گھر گئے جو حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کی زوجہ محترمہ تھیں۔ وہاں حضورؐ کا بستر بچھا ہُوا تھا۔ وہ اس پر بیٹھ گئے۔ بیٹی نے کہا۔ ابّا! یہ حضورؐ کا بستر ہے۔ آپ اس پر نہ بیٹھیں[1]۔

مکّہ کو روانگی

حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے مسلمانوں کو تیاری کے لئے ارشاد فرمایا۔ اور مدینہ کے اردگرد کے مختلف قبائل اسلم، غفّار۔ مزینہ۔ جہینہ۔ اشجع اور سلیم کو بھی ساتھ چلنے کے لئے پیغام بھجوایا۔ چنانچہ ۸ھ ہجری رمضان کے مہینہ میں دس ہزار صحابہ کے ساتھ حضورؐ نے مکّہ کی طرف کوچ فرمایا۔ وہ مکّہ جہاں سے خدا کا برگزیدہ رسُول آٹھ سال پہلے رات کی تاریکی میں نکلا تھا۔ آج دس ہزار قدوسیوں کے لشکر کے ساتھ اس مکّہ کی طرف روانہ تھے۔

حاطب بن ابی بلتعہ کا مکتوب

حضورؐ کی روانگی کے ارادہ کا جب صحابہؓ کو علم ہُوا تو ایک صحابی حاطب بن

---

[1] ابن ہشام جلد ۲ جزو رابع ص ۸۵۵۔۸۵۶۔

ابی بلتعہ نے مخفی طور پر ایک خط مکّہ کے کفّار کو بھجوایا کہ اس طرح حضور مکہ پر لشکر کشی کرنے والے ہیں. حضورؐ کی خواہش یہ تھی کہ اس مہم کا کسی کو علم نہ ہو۔ تاکہ مکّہ میں خون کا ایک قطرہ بھی نہ بہے اور منشاء خداوندی بھی پورا ہو. حاطب بن ابی بلتعہ نے ایک عورت کے ذریعہ یہ خط بھجوایا تھا. حضورؐ کو اللہ تعالیٰ نے اس بارہ میں بذریعہ وحی بتلا دیا. آپؐ نے حضرت علیؓ کو بلوایا اور فرمایا۔ فلاں باغ میں تمہیں ایک عورت ملے گی۔ اس کے پاس ایک خط ہے وہ لے آؤ. حضرت علیؓ کو عین اسی باغ میں ایک عورت ملی. لیکن جب اس سے خط کا پوچھا تو اس نے کہا میرے پاس کوئی خط نہیں. حضرت علیؓ نے فرمایا۔ مجھے خدا کے رسولؐ نے بتلایا ہے. جو غلط نہیں ہو سکتا۔ تم خط نکال دو ورنہ مَیں تمہاری جامہ تلاشی لوں گا. چنانچہ اس نے اس خوف سے کہ کہیں بے عزت نہ کی جاؤں. اپنے سر کے بالوں میں سے خط نکال کر حضرت علیؓ کو دے دیا. اور وہ اس خط کو لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو گئے. حضورؐ نے حاطب کو بلایا. اس کی وجہ پوچھی. تو اس نے عرض کی یا رسول اللہ! میں منافق نہیں ہوں. نہ مَیں نے ارتداد کیا ہے. مجھے یہ بھی یقین تھا کہ اللہ اپنے رسول کو ضرور کامیاب کرے گا. مَیں نے صرف اس لئے خط لکھا تھا کہ مہاجر صحابہ کی مکّہ میں قرابت داریاں ہیں جس کی وجہ سے اُن کے رشتہ داروں اور جائدادوں کا مکّہ والے خیال رکھتے ہیں. میں ان کا حلیف تو رہا ہوں. لیکن میری ان سے کوئی قرابت داری نہیں. مَیں نے چاہا. مَیں ان پر یہ احسان کر دوں جس کی وجہ سے وہ میرے رشتہ داروں کا خیال کریں اور ان کو تکلیف نہ پہنچائیں. حضورؐ نے فرمایا اس نے دُرست کہا. حضرت عمرؓ جوش میں تھے. انہوں نے حضورؐ سے عرض کی یا رسُول اللہؐ مجھے اجازت دیجئے کہ مَیں اس منافق کا سر تن سے جدا کر دوں. حضورؐ نے فرمایا۔ "عمر! یہ تو بدر

میں شریک ہوا تھا۔[۱]

ابوسفیان کا اسلام لانا

راستہ میں کئی لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ حضورؐ کے چچا عباسؓ مع اہل و عیال حاضر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ حضورؐ کے چچا زاد ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب نے بھی حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ مکّہ کے قریب ایک وادی مرّالظہران میں جب اسلامی لشکر پہنچا تو رات کو ہر خیمہ کے سامنے اسلامی لشکر نے آگ جلائی۔ ادھر سے سردارِ مکّہ ابوسفیان، حکیم بن حزام بدیل بن ورقاء جاسوسی کی غرض سے نکلے۔ انہوں نے جو دُور سے اتنی آگیں دیکھیں تو ابوسفیان نے کہا یہ آگیں کیسی ہیں۔ بدیل بن ورقاء نے جواب دیا۔ شاید قبیلہ بنی عمرو ہے۔ ابوسفیان نے کہا۔ وہ قبیلہ اتنا بڑا نہیں۔ ابھی وہ یہ گفتگو کر رہے تھے کہ مسلمان پہریداروں کی نظر ان پر پڑی۔ وہ انہیں لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت عمرؓ کو پتہ چلا تو تلوار سونت کر پیچھے ہو لئے۔ لیکن کسی نے جلدی سے حضورؐ کے خیمہ میں ابوسفیان کو دھکیل دیا۔[۲] اور کہا حضورؐ کا چچا! اب حضورؐ کے خیمہ میں قتل کرنے کی کسے جرأت تھی۔ وہ شخص جس نے عمر بھر اپنی طاقت اسلام کو مٹانے میں صرف کر دی تھی۔ جو بدر۔ احد اور احزاب میں سارا زور صرف کر چکا تھا۔ جس کی بیوی نے آتشِ غضب سے احد کے میدان

---

[۱]۔ بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الفتح وما بعث حاطب بن ابی بلتعہ۔

[۲]۔ بخاری کتاب المغازی باب این رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرایۃ یوم الفتح و ابن ہشام جلد ۲ جزو رابع صـ ۸۶۲۔

ہیں حمزہؓ کا کلیجہ چبانا چاہا تھا۔ ہاں ہاں! مکّہ کے قریش کا وہی سردار ابوسفیان آج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے خیمہ میں پناہ گزیں ہُوا تھا۔ حضورؐ نے پوچھا! ابوسفیان اب بھی یقین ہُوا یا نہیں۔ کہ اللہ ایک ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ابوسفیان نے کہا ہاں یہ تو یقین ہو گیا ہے۔ فرمایا۔ میرے رسُول ہونے کا بھی یقین ہُوا کہ نہیں۔ کہا۔ اس میں ابھی کچھ شک ہے[۱]۔ بہرحال ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا۔ وہ کہتا ہے۔ اللہ نے اسلام کو میرے اندر داخل کیا اور اس میں کیا شک ہے کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ زبردستی کا انعام عطا کرتا ہے۔ انسان کا ارادہ نہیں ہوتا۔ لیکن تقدیر اسے گھیر کر اس طرف لے آتی ہے۔

لشکرِ اسلام کا منظر

صبح مکّہ کی طرف اسلامی لشکر روانہ ہُوا۔ تو حضورؐ نے حضرت عباس سے کہا کہ سردار مکّہ ابوسفیان کو اس درّہ پر لے کر کھڑے ہو جائیں۔ تا یہ اسلامی لشکر کی روانگی کا نظارہ اپنی آنکھوں سے کر سکے۔ اب ایک ایک قبیلہ کا دستہ ابوسفیان کے سامنے سے گذر رہا تھا۔ آج اسلام اور مسلمانوں کی شوکت کا نظارہ ابوسفیان اپنی آنکھوں سے کر رہا تھا۔ یہ تو خدا ہی جانتا ہے۔ اس کے تصوّرات اس وقت کیا تھے۔ وہ کیا سوچتا ہوگا بہرحال اس کی آنکھوں کے سامنے دس ہزار قدسیوں کا لشکر گزرا۔ ایک چاق و چوبند دستہ گزرا۔ ابوسفیان نے پوچھا عباس یہ کونسا قبیلہ ہے؟ عباس نے بتایا یہ غفار قبیلہ کا دستہ ہے۔ ایک اور دستہ گزرا تو پوچھا یہ کونسا قبیلہ ہے۔ بتلایا گیا یہ جہینہ قبیلہ ہے پھر سلیم قبیلہ گزرا اس

---

[۱]۔ واللہ فانّ فی النفس منها حتّی الان شیئاً۔ (ابن ہشام جلد ۲ جزو رابع ص ۸۶۲)

کے بعد ایک دستہ آیا۔ جو اپنی سج دھج میں سب سے فائق تھا۔ ابوسفیان نے پوچھا یہ کون ؟ حضرت عباسؓ نے بتلایا یہ انصار ہیں۔ اپنے سردار سعد بن عبادہ کے ساتھ جھنڈا اٹھائے جا رہے ہیں۔ سعد بن عبادہ نے ابوسفیان کو دیکھا تو اُسے مخاطب ہو کر کہا ابوسفیان! آج معرکہ کا دن ہے۔ آج کعبہ کی حرمت ہمیں لڑائی سے روک نہیں سکے گی۔ ابوسفیان نے سعد بن عبادہ کو کیا جواب دینا تھا۔ حضرت عباسؓ کو مخاطب ہو کر کہا۔ عباس یہ اچھا انتقام کا دن ہے۔ اس کے بعد ایک چھوٹا سا دستہ آیا جو لوہے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس میں سالار کارواں محمّد صلی اللہ علیہ وسلّم تھے۔ ابوسفیان نے دیکھا تو کہا انکا مقابلہ کرنے کی آج کسی میں سکت نہیں۔ حضرت زبیرؓ نے علمِ نبویؐ اٹھایا ہوا تھا۔ حضرت ابوسفیان کے پاس سے گزرے تو ابوسفیان نے حضورؐ سے شکوہ کیا۔ کہ حضورؐ سعد بن عبادہ نے ایسا کہا ہے۔ حضورؐ نے سُنا تو فرمایا۔ سعد نے غلط کہا۔ آج کعبہ کی تعظیم ہوگی۔ آج کعبہ کو پوشاک پہنائی جائے گی۔[1] اور سعد سے جھنڈا لے کر حضورؐ نے اُن کے بیٹے کو دے دیا۔ اور ایک اور روایت میں ہے حضرت علیؓ کو دے دیا۔[2]

اسلامی لشکر کا مکّہ میں داخلہ

اَب لشکرِ اسلام مکّہ میں داخل ہونے کے لئے روانہ ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے خالد بن ولید کو فرمایا۔ تم اپنے آدمیوں کے ساتھ کداء کی طرف سے مکّہ میں داخل ہونا۔ اور جب تک تم پر حملہ نہ ہو۔ تم تلوار بے نیام نہ کرنا۔ لیکن مکّہ کے کچھ لوگ فساد

۱؎۔ بخاری کتاب المغازی باب این رکز النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلّم الرایۃ یوم الفتح۔ ۲؎۔ ابن ہشام جلد ۲ جز رابعہ صہ ۸۶۵۔

پر تلے ہوئے تھے۔ وہ خالد اور اس کے ساتھیوں پر حملہ آور ہوئے۔ تو اُن کے دو آدمی حبیش بن اشعر اور کرز بن جابر فہری مارے گئے۔ حضورؐ نے خالد کو مکہ کی اونچی جانب سے داخل ہونے کیلئے ارشاد فرمایا تھا۔ خود مکہ کے نشیبی جانب سے مکہ میں داخل ہوئے۔ مکہ میں اعلان کر دیا گیا کہ جو آدمی اپنے گھر کا دروازہ بند کرکے بیٹھ جائے گا۔ اسے بھی امان دی جائے گی۔ جو خانہ کعبہ میں امان لے گا۔ اسے بھی امان ملے گی۔ اور جو بلالؓ کے جھنڈے کے نیچے آجائے گا۔ اسے بھی امان دی جائے گی۔ حضورؐ جب مکہ میں داخل ہوئے۔ تو سورۃ فتح کی تلاوت فرما رہے تھے۔ اور سر آپؐ کا جھک کر اونٹ کے کجاوہ سے لگا ہوا تھا۔[1]

خانہ کعبہ میں حضورؐ کا ورود

حضورؐ خانہ کعبہ میں تشریف لائے۔ وہ گھر جو خدا کی توحید کے لئے بنایا تھا۔ آج اس کے اردگرد تین سو ساٹھ بت تھے۔ حضورؐ کے ہاتھ میں چھڑی تھی۔ ایک ایک بت کو حضورؐ نیچے گراتے۔ اور فرماتے۔ حق و صداقت آگئی۔ باطل یعنی جھوٹ اور بت پرستی مٹ گئی۔ اب یہ واپس پلٹ کر نہیں آئے گی۔ نہ نئے سرے سے یہاں بُت پرستی ہوگی۔[2] اس طرح خانہ کعبہ کی بتوں سے تطہیر ہوگئی۔ حضورؐ نے خانہ کعبہ میں داخل ہوکر نوافل ادا کئے۔ خدا کے نام کی بڑائی بیان کی۔ پھر آپؐ صحن حرم میں

---

[1] - وان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیضع راسہ تواضعًا للہ حین رأی ما اکرمہ اللہ بہ من الفتح حتی ان عثونہ لیکاد یمس واسطۃ الرحل۔ ابن ہشام جلد ۲ جزو رابعہ ص ۸۶۴

[2] - بنجای باب ابن رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرایۃ یوم الفتح۔ ابن ہشام جلد ۲ جزو رابعہ ص ۸۷۴۔

تشریف فرما ہوے۔ کفّار قریش جنہوں نے آپؐ کو اور آپؐ کے صحابہؓ کو مقدور بھر اذیتیں دی تھیں۔ منتظر تھے کہ حضورؐ ہمارے بارے میں کیا فیصلہ فرماتے ہیں۔ یقیناً انہیں وہ سارے مظالم یاد تھے۔ بلالؓ کو گرم ریت پر لٹا کر کوڑوں سے مارنا۔ عمّار اور ان کے کنبہ پر مظالم۔ خبّاب بن ارت کو دہکتے ہوئے کوئلوں پر لٹانا۔ حضورؐ کے سر پر خاک ڈالنا۔ اور گلا گھونٹنا۔ یہ سب مظالم وہ بھولے تو نہیں تھے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے انہیں مخاطب ہو کر فرمایا۔ اے گروہِ قریش! مجھ سے کس سلوک کی امید رکھتے ہو؟ ظلم توڑنے والوں نے کہا۔ بہتر سلوک کے امیدوار ہیں۔ تُو ہمارا سخی اور شریف بھائی ہے اور شرفاء کے خاندان میں سے ہے۔ رحمتِ مجسّم نے فرمایا۔ اِذْهَبُوْا لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ۔[1] جاؤ تم سے کوئی باز پرس نہیں۔ آج تم آزاد ہو۔ وہ دشمن جنہوں نے نہ صرف یہ کہ مکّہ میں تیرہ برس تک حضورؐ پر ظلم روا رکھا تھا۔ بلکہ انہوں نے مدینہ پر بھی متعدد بار یلغار کی تھی۔ اور کئی بار حضورؐ کی جان لینے کی کوشش کی تھی۔ ان میں سے ایک سردار جب حضورؐ کے سامنے آیا۔ تو وہ مارے ڈر کے کانپ رہا تھا۔ حضورؐ نے دیکھا تو فرمایا۔ مت گھبراؤ۔ میں قریش کی اس عورت کا بیٹا ہوں۔ جو سوکھا گوشت کھاتی تھی۔[2] اس سے عاجزی اور انکسار کا اظہار مقصود تھا۔

آج وہ حضورؐ کے رحم و کرم پر تھے۔ دس ہزار کا لشکر مکّہ میں داخل ہو چکا تھا۔ وہ ان کے تمام کس بل نکال سکتے تھے۔ لیکن جسے خدا نے رحمۃٌ للعالمینؐ کا خطاب دیا تھا۔ اس کی رحمت کی آغوش آج دشمنوں کے لئے بھی وا تھی۔ قدرت رکھنے

---

[1] ابن ہشام جلد ۲ جزو رابع صفحہ ۸۷

[2] لباب الخیار مصطفیٰ العلا یسینی صفحہ ۹۵ مطبوعہ بیروت۔

کے باوجود ظالموں کو معاف کرنے کی جو مثال حضورؐ نے قائم فرمائی۔ ضرورت ہے کہ اقوامِ عالم اس کی پیروی کریں۔

حضورؐ کے اس سلوک نے دشمنوں کے دل جیت لئے۔ لوگ جوق در جوق حضرت اقدس میں حاضر ہو کر اسلام لانے لگے۔ جب عورتوں نے بیعت کرنا شروع کی تو عورتوں میں چھپ کر ہندہ ابوسفیان کی بیوی بھی آگئی۔ حضورؐ نے فرمایا۔ کہو! ہم اللہ کو ایک یقین کریں گی۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی۔ ہندہ بول اٹھی۔ یارسول اللہؐ! کیا اب بھی شرک کریں گی۔ اگر آپؐ کے خدا کے علاوہ کوئی اور بھی خدا ہوتا۔ تو ہمارے کسی کام آتا۔ اور ہمارا یہ حشر نہ ہوتا۔ حضورؐ نے سُنا تو فرمایا۔ کون؟ ہندہ! عرض کیا۔ لیکن اب ہندہ مسلمان ہو چکی ہے اور حضورؐ کے عفو و رحمت سے حمزہ کا کلیجہ چبانے والی ہندہ نے بھی حصّہ پایا۔ اس کے بعد حضورؐ تقریر کے لئے کھڑے ہوئے۔ خدا تعالےٰ کی حمد و ثناء اور تمجید کے بعد فرمایا۔

"اے لوگو! اللہ تعالےٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق کے وقت ہی مکّہ کو محترم بنایا۔ پس یہ خدا تعالےٰ کی حرمت کی وجہ سے محترم ہے۔ جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ اس کے لئے یہاں خونریزی جائز نہیں۔ حتّٰی کہ حرم کے اندر کوئی درخت بھی نہ کاٹے۔ اور اگر کوئی آج کے واقعہ سے استدلال کر کے اجازت چاہے۔ تو اسے کہدو کہ اللہ نے اپنے رسول کو اجازت دی ہے۔ تمہیں اجازت نہیں۔ اور مجھے بھی صرف اس وقت کے لئے اجازت تھی۔ اور اب پھر اس کی حُرمت اُسی طرح عود کر آئی ہے جیسے کل تھی۔ جو موجود ہیں۔ میرا یہ پیغام ان تک پہنچا دیں جو موجود نہیں۔"[۱]

۱۔ بخاری باب مقام النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ زمن الفتح۔ ابن ہشام جلد ۲ جزو رابع ص ۸۷۳

معاویہ کی بیعت

حضرت ابوبکرؓ کے بوڑھے والد اور ابوسفیان کے بیٹے معاویہ نے بھی اس موقعہ پر بیعت کی۔ عکرمہ مکہ کو چھوڑ کر جانا چاہتے تھے کہ اسلام کی آغوش میں آگئے۔ کئی قریش کے سردار حضورؐ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اسلام میں داخل ہو گئے۔ کعب بن زہیر مسلمان ہوئے۔ اور اپنا مشہور قصیدہ بردہ حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ جس میں حضورؐ کی تعریف کی تھی۔ حضورؐ نے اپنے دوش مبارک سے چادر اتار کر ان کو دے دی۔ اس وجہ سے ان کے قصیدہ کا نام قصیدہ بردہ یعنی چادر والا قصیدہ پڑ گیا[1]۔ عورتوں سے اس موقعہ پر حضورؐ نے جو بیعت لی اس کے الفاظ یہ تھے۔

"خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی۔ چوری نہیں کریں گی۔ زنا کا ارتکاب نہ کریں گی۔ اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی۔ کسی پر بہتان نہ باندھیں گی۔ اور رسول خدا کی نیک کاموں میں نافرمانی نہیں کریں گی۔

کعبہ کی چھت پر اذان بلالی

اس کے بعد بلال کو حکم دیا۔ ہاں اس بلال کو جس کو ان کا آقا اُمیہ کوڑے برساتے ہوئے کہتا تھا۔ خدا کی وحدانیت کا انکار کر۔ اور بلال ہر کوڑے کی آواز کے ساتھ احدٌ۔ احدٌ۔ خدا ایک ہے۔ خدا ایک ہے کا نعرہ بلند کرتے۔ اسی بلال

---

[1] ۔ لباب الخیار صـ ۹۹-۱۰۰ یہ قصیدہ ابن ہشام جلد ۲ جزو رابع صـ ۹۳۹ پر درج ہے۔

کو حکم ہوا کہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دو[1]۔ چنانچہ بلالؓ نے کعبہ کی چھت پر کھڑے ہوکر اذان دی۔ مکہ کی وادی بلالؓ کے اللہ اکبر۔ اللہ اکبر سے گونج اٹھی۔ اور یہ اعلان کس قدر درست اور کتنا تاریخی تھا۔ آج جھوٹے خدا سرنگوں ہوگئے تھے۔ آج ان کی جھوٹی خدائی ختم ہوگئی تھی اور ثابت ہوگیا تھا کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا خدا ہی عظمتوں اور کبریائی کا حقدار ہے۔ پھر جب بلالؓ نے بلند آواز سے یہ کہا "اَشْہَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کہ خدا ایک ہے۔ تو کتنی عظیم الشان حقیقت کا اظہار تھا۔ جسے آج مکہ کا ہر دل تسلیم کرتا تھا۔ حتیٰ کہ ہندہ جیسی دشمن اسلام بھی پکار اٹھی کہ واقعی سوائے خدائے برحق کے اور کوئی خدا نہیں[2]۔ اور جب بلالؓ نے "اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہ" کہا تھا تو مکہ کے وہ لوگ جو حدیبیہ میں محمدؐ کے ساتھ رسول اللہ لکھنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ آج خانہ کعبہ کی چھت سے محمدؐ کی رسالت کی منادی سُن رہے تھے۔ کیا عجیب انقلاب تھا یہ۔ اور کتنی مقدس تبدیلی تھی جو قریش کے رؤسا اور صحابہؓ کی زندگی میں ہی وقوع پذیر ہوئی۔ آج خدا کی بات پوری ہوئی۔ حق اپنی برکتوں سے آیا۔ اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ رخصت ہوگیا۔

آج تاریخ کا ایک باب مکمل ہوا۔ کفر کا زور ٹوٹ گیا۔ مکہ بھی اب مسلمانوں کے لئے دارالامن ہوگیا۔ خدا کا مشن مکمل ہوا۔ حضورؐ نے اب نواح مکہ میں مختلف وفود بھیجے۔ تا مختلف قبیلوں میں شرک پرستی کا خاتمہ کیا جائے۔ چنانچہ سب بُت ملیامیٹ کر دیئے گئے۔ اور ہر طرف خدا کی وحدانیت کے ترانے

---

[1]۔ ابن ہشام جلد ۲ جزو رابع ص۸۱ لباب الخیار ص۹۸۔

[2]۔ طبقات کبیر جزو ۸ ص۱۷۱۔

گائے جانے لگے۔ شرک کی تاریکیاں غائب ہو گئیں۔ اور اسلام کا سورج ہر گھر میں چمکنے لگا۔

قدرت کا انتقام

مکہ میں اپنے قیام کے دوران حضورؐ خیف بنی کنانہ میں ٹھہرے۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں مکہ کے لوگوں نے حضورؐ کے بائیکاٹ کا عہد کیا تھا[۱]۔ اور حضورؐ اور آپؐ کے ساتھی اڑھائی سال شعب ابی طالب میں محصور رہے تھے۔ آج اسی جگہ خدا کے رسول کا قیام تھا۔ یہ بھی کیسا عجیب تاریخی واقعہ تھا۔ اور آج یہ ظلم کا کیسا حسین انتقام تھا۔ اور آج پیر کا ہی دن تھا۔ جس دن حضورؐ مکہ سے نکالے گئے تھے۔

عکرمہ مسلمان ہو گئے

میں یہ ذکر کر آیا ہوں کہ ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے بھی اس موقعہ پر اسلام قبول کیا تھا۔ ان کے اسلام کا واقعہ بھی عجیب ہے۔ عکرمہ نے اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی تمام طاقتیں اسلام کو مٹانے کے لئے صرف کیں۔ وہ بدر۔ احد۔ احزاب سبھی معرکوں میں کفر کی طرف سے شریک تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر بھی مقابلہ کی اس نے ٹھانی تھی۔ لیکن جب مکہ ان کے ہاتھ

۱۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منزلنا ان شاء اللہ اذا فتح اللہ الخیف حیث تقاسموا علی الکفر۔
(بخاری باب غزوۃ الفتح فی رمضان۔)

سے نکل گیا۔ تو اُس نے یمن کی طرف جانے کا ارادہ کر لیا۔ اس کی بیوی اُمِ حکیم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور عرض کی حضور عکرمہ کو آپؐ معاف فرما دیں۔ رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کو معاف کر دیا[1]۔ چنانچہ یہ عورت بھاگی بھاگی ساحل سمندر پر پہنچی۔ عکرمہ رخصت ہونے کے لئے کشتی میں بیٹھ چکا تھا۔ اس نے کہا میں نے تمہارے لئے محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے امان لے لی ہے۔ تم واپس آجاؤ۔ عکرمہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور پوچھا حضورؐ کیا آپؐ نے مجھے معاف کر دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ ہاں۔ عکرمہ نے کہا۔ پھر جو شخص میرے جیسے دشمنوں کو معاف کر سکتا ہے۔ وہ جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے۔ اور محمدؐ اس کے رسول ہیں۔ اور پھر سر نیچا کر لیا۔ حضورؐ نے عکرمہ کی ندامت کو محسوس فرما لیا۔ اور یوں گویا ہوئے۔ عکرمہ ہم نے تمہیں معاف ہی نہیں کیا۔ بلکہ جو تم مانگو بشرطیکہ میں دے سکتا ہوں تمہیں دُوں گا۔ عکرمہؓ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! آپؐ خدا تعالےٰ سے دُعا کریں۔ میں اسلام کی جو مخالفت کرتا آیا ہوں وہ مجھے میرا خدا معاف کر دے۔ حضورؐ نے خدا سے التجا کی۔ اے بارگاہِ الٰہ۔ عکرمہؓ نے جو مخالفت اسلام کی کی ہے۔ اسے معاف فرما دے۔ اور تمام گالیاں جو اس کے منہ سے نکلی ہیں۔ اسے بخش دے۔ پھر خدا کا برگزیدہ رسول اُٹھا اور اپنی چادر اتار کر اسے اوڑھا دی۔ اور فرمایا۔ جو اللہ پر ایمان لاتا ہوا ہمارے پاس آتا ہے۔ ہمارا گھر اس کا گھر ہے۔ اور ہماری جگہ اس کی جگہ ہے۔

اس کے بعد عکرمہ کی کوشش یہ تھی کہ اسلام کی مخالفت میں اس نے جو

---

[1] - ابن ہشام جلد ۲ جزو رابع ص ۸۶۸ -

تگ و دو کی اس کی تلافی اَب اسلامی خدمات سے کرے۔ وہ ہر معرکہ میں شریک ہوتا۔ اور سر ہتھیلی پر رکھ کر لڑتا۔ ایک موقعہ پر کسی نے کہا عکرمہ ذرا بچ کر لڑا کرو۔ عکرمہؓ نے جواب دیا۔ بتوں کی خاطر لڑتے وقت تو جان کی پرواہ نہ کی۔ آج تم مجھے خدا کی خاطر لڑتے وقت نصیحت کرتے ہو کہ بچ کر لڑوں[1]۔

انصار کا جذبہ

مدینہ روانہ ہونے سے قبل حضورؐ صفا پہاڑی پر دُعا فرما رہے تھے کہ انصار کو نہ جانے کیا خیال آیا کہ انہوں نے آپس میں اس رنگ میں گفتگو شروع کر دی کہ شاید فتح ہونے کے بعد خدا کے رسولؐ کو ہم جدا کر رہے ہیں۔ غالباً ان کا ظن عقبہ ثانیہ کی رات کی طرف لوٹ گیا۔ جب انہوں نے کہا تھا یا رسول اللہ! ہم آپؐ کے ساتھ ہوئے۔ ہم نے ہر طرف سے ناطہ توڑ لیا۔ اور جب خدا نے آپؐ کو غالب کر دیا۔ تو کیا پھر آپ اپنی قوم کی طرف تو نہ چلے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو ان کے تفکرات کی خبر دے دی۔ حضورؐ نے فرمایا۔ مَیں خدا کا رسول ہوں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مَیں ان لوگوں کو جنہوں نے اسلام کی کمزوری کے وقت اپنی جانیں نچھاور کی تھیں۔ چھوڑ دوں۔ فرمایا۔ اے انصار! ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ میری زندگی تمہاری زندگی سے وابستہ اور میری موت تمہاری موت سے وابستہ ہے۔ یعنی ہمارا جینا اور مرنا اکٹھا ہوگا[2]۔ مکہ بیس رمضان ۸ ہجری کو فتح ہوا تھا۔ انیس دن تک حضورؐ مکہ میں رہے[3]۔ اس کے بعد

---

[1]۔ اسد الغابہ حالات حضرت عکرمہؓ۔

[2]۔ والمحیا محیاکم والممات مماتکم۔ مسلم کتاب الجہاد والسیر باب فتح مکہ۔

[3]۔ بخاری باب مقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ زمن الفتح۔

حنین اور طائف فتح ہوئے۔ اور حضورؐ دو ماہ سولہ دن باہر رہنے کے بعد واپس مدینہ تشریف لائے۔

حنین اور طائف کے معرکے

فتح مکہ کے معاً بعد دس ہزار کا وہی لشکر اور دو ہزار وہ مسلمان جنہوں نے فتح مکہ کے موقعہ پر اسلام قبول کیا تھا[1] ثقیف اور ہوازن قبیلہ کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے۔ یہ قبائل مکہ سے تین میل کے فاصلے پر حنین وادی میں آباد تھے۔ راستہ میں کسی نے کہا آج ہم قلت میں نہیں لہذا شکست کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ گویا انہیں کثرت پر گھمنڈ ہوا۔ حضورؐ نے یہ کلمہ سنا تو آپؐ کو سخت تکلیف ہوئی۔ مسلمانوں کی فتح کا سبب صرف اور صرف خدا کی تقدیر اور اس کی تائید تھی۔ وہ باوجود تعداد میں تھوڑے اور قلیل سامان کے کامیاب ہوتے تھے۔ آج انہیں اپنی کثرت پر ناز ہوا تو خدا نے ایسا سبق دیا کہ بارہ ہزار کا لشکر ہوازن کی تیراندازی کے مقابل تتر بتر ہو گیا۔ ہوا یوں کہ ہوازن قبیلہ نے درہ میں چھپ کر ایسی تیراندازی کی کہ مسلمانوں کی سواریاں بدک گئیں۔ اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ حضورؐ میدان میں اپنے چند جاں نثاروں کے ساتھ اکیلے رہ گئے[2]۔ حضرت عباسؓ آپؐ کے خچر کی باگ تھامے ہوئے تھے۔ حضورؐ خچر کو ایڑ لگاتے اور فرماتے تھے۔ میں خدا کا نبی ہوں۔ جھوٹا نہیں ہوں۔ پھر

---

[1] ابن ہشام جلد ۲ جزو رابع صـ ۸۹۱، ۸۹۲۔

[2] بخاری کتاب المغازی باب قول اللہ تعالیٰ ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم۔ ابن ہشام جلد ۲ جزو رابع صـ ۸۹۳۔

حضورؐ کے فرمانے پر حضرت عباسؓ نے انصار کو آواز دی کہ اے درخت والو!
اس سے بیعت رضوان کی طرف اشارہ تھا۔ جسے صحابہ بیعت علی الموت کہتے تھے۔
خدا کا رسول تمہیں بلاتا ہے۔ جب صحابہؓ نے یہ آواز سُنی تو سواریوں سے اُتر کر
پا پیادہ حضورؐ کی آواز پر دیوانہ وار بڑھتے ہوئے آگئے۔ اور حضورؐ کے ارد گرد
اکٹھے ہو گئے[1]۔ آخر مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ کفّار کے ستّر آدمی قتل ہوئے۔ اور
بہت سے قید۔ اسی جنگ کا ذکر اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں فرمایا[2]۔ اس
معرکہ میں مسلمانوں کے لئے کئی سبق تھے۔ ایک یہ کہ فتح و نصرت کا مدار کثرت پر
نہیں دوسرے یہ کہ مومن کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔ اس کے
علاوہ کسی پر بھی تکیہ شرک ہے۔ اور تیسرے یہ کہ ایمان کے نتیجہ میں مصائب
جھیلنے اور استقامت کی عادت پیدا ہوتی ہے۔ تربیت کے بغیر مقابلہ میں
کامیاب ہونا ناممکن ہے۔ اس جنگ میں شکست کا ایک سبب مکّہ کے وہ نو مسلم
تھے۔ جن کی تربیت ابھی نہ ہو سکی تھی۔ اس کے بعد حضورؐ نے طائف کا محاصرہ
کیا۔ قریباً بیس دن یہ محاصرہ جاری رہا[3]۔ لیکن محاصرہ اٹھانا پڑا اور حضورؐ
عمرہ کرنے کے بعد مدینہ لوٹ گئے۔

۱۔ ابن ہشام جلد ۲ جزو رابع ص ۸۹۵۔

۲۔ لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ و یوم حنین اذ اعجبتکم
کثرتکم فلم تغن عنکم شیئًا و ضاقت علیکم الارض
بما رحبت ثم ولیتم مدبرین۔
(توبہ آیت ۲۵)

۳۔ ابن ہشام جلد ۲ جزو رابع ص ۹۲۰۔

جنگ تبوک

۹ سنہ ہجری میں حضورؐ کو اطلاع ملی کہ شام کی جانب قیصر کی حکومت نے ایک لشکر جرّار تیار کیا ہے۔ اور مدینہ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ ہے۔ یہ موسم سخت گرمی کا تھا۔ پچھلے موسم میں غلّہ اور پھل کم پیدا ہوئے تھے۔ گویا مالی تنگی کا بھی زمانہ تھا۔ اس لئے اس جنگ کا نام غزوۃ العسرۃ۔ تنگی والی[1] جنگ بھی رکھا گیا۔ حضورؐ نے لشکر کی تیاری کے لئے مسلمانوں میں تحریک فرمائی۔ حضرت عثمانؓ نے ایک ہزار سونے کے دینار دیئے۔ جس پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے اللہ میں عثمان سے راضی ہوں۔ تو بھی اس سے راضی ہو۔[2] تین سو اونٹ اور پچاس گھوڑے بھی پیش کئے۔ زرقانی نے ایک ہزار اونٹ پیش کرنے کا لکھا ہے۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ۔ عباسؓ اور طلحہؓ نے بھی بڑی بڑی رقمیں پیش کیں۔ مسلمان عورتوں نے اپنے زیور پیش کئے۔ حضرت عمرؓ بن خطاب جو دوسرے خلیفہ اسلام منتخب ہوئے کہتے ہیں۔ میں نے ارادہ کیا کہ اس دفعہ میں چندہ میں حضرت ابوبکرؓ سے بڑھوں گا۔ وہ گھر گئے اور اپنا نصف مال لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا۔ عمر کچھ گھر میں بھی چھوڑا؟ عرض کی حضورؐ نصف مال گھر میں چھوڑ آیا ہوں اور نصف لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہوں۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ بھی مال لے کر حاضر ہو گئے۔ حضورؐ نے ان سے پوچھا۔ ابوبکرؓ گھر میں کیا چھوڑا ہے؟ عرض کی سب مال لے کر

۱۔ بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ تبوک وھی غزوۃ العسرۃ۔

۲۔ ابن ہشام جلد ۲ جزو رابع صفحہ ۹۴۵۔

آگیا ہوں۔ اَبْقَیْتُ لَھُمُ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ گھر میں اللہ اور اس کے رسولؐ کا نام چھوڑ آیا ہوں[1]۔ کیا عجیب فقرہ کہا ہمارے آقا ابوبکرؓ نے۔ اگر گھر میں خدا اور اس کا رسول ہوں تو سبھی کچھ مل گیا۔ شاید ایسے ہی موقعہ کے لئے کسی نے کہا ہے۔ ؎

سب کچھ خدا سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر

اُٹھتے نہیں ہیں ہاتھ میرے اس دُعا کے بعد

بہر حال یہ غزوہ مسلمانوں کا ایک زبردست امتحان تھا۔ سخت گرمی اور تنگی کے ایام۔ دُور دراز کا سفر۔ مسلمان شام کی طرف روانہ ہوئے۔ تبوک جو مدینہ اور شام کے درمیان واقع ہے۔ وہاں پہنچ کر خیمہ زن ہوئے۔ دشمن کو مقابلہ پر آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اور حضور بیس یوم تک وہاں قیام کرنے کے بعد واپس مدینہ تشریف لائے۔ اسلامی لشکر کی تعداد تیس ہزار تھی۔ کچھ مسلمان اپنی غفلت اور تساہل سے اس جنگ میں شمولیت سے رہ گئے۔ جن میں سے ایک کعب بن مالکؓ تھے۔ وہ کہتے ہیں بخدا مجھے کوئی مجبوری نہ تھی۔ بس یہی کہتا رہا چلو! کل تیاری کر لیں گے۔ کل آتا تو اِدھر اُدھر بیٹھ کر گزر جاتا۔ اور کہتا کل تیاری کر لیں گے۔ حتیٰ کہ میں اس غزوہ میں شامل ہونے سے محروم ہو گیا۔ لیکن یہ جرأت انہوں نے ضرور دکھائی کہ حضورؐ کی تشریف آوری پر جب بہت سے منافقین نے غلط بیانی کر کے چھٹکارا حاصل کر لیا۔ انہوں نے سچ بولا۔ چنانچہ حضورؐ نے ان کو مقاطعہ کی سزا دی۔ یہ مقاطعہ پچاس دن تک جاری رہا۔ لیکن اس کے یہ معنے نہ تھے کہ ان کو مسجد میں نماز پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔ یا کھانا اور پانی بند کیا گیا تھا۔ صرف مسلمانوں کو ان سے بولنے کی اجازت

---

[1] - اسد الغابہ جلد ۳ صـ ۲۰۸ و ترمذی ابواب المناقب۔ مناقب ابی بکر۔

نہ تھی۔ جب یہ اس امتحان سے گذر رہے تھے تو غسان کے بادشاہ نے اپنا قاصد ان کی طرف خط دے کر بھیجا۔ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تم پر بہت سختی کی ہے۔ حضرت کعبؓ نے کہا یہ میرے امتحان کی گھڑی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس قاصد کو ساتھ لیا اور خط پھاڑ کر ایک بھڑکتے تنور میں پھینک دیا اور فرمایا۔ یہ تمہارے خط کا جواب ہے[1]۔ حدیث رسول ہے کہ کامل ایمان یہ ہے کہ ایمان سے کفر میں جانے کو ایسا ناپسند کرے۔ جسطرح وہ آگ میں جانے کو ناپسند کرتا ہے۔ اس واقعہ سے ایک یہ سبق بھی ملتا ہے۔ کہ آدمی کو سست نہیں مستعد ہونا چاہیئے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دعا اُمت کو سکھائی ہے۔ جس میں سستی سے خدا کی پناہ مانگی ہے۔ پھر اس واقعہ سے ایک سبق یہ ملتا ہے کہ آج کا کام کل پر نہیں چھوڑنا چاہیئے۔

اونٹنی گم ہوگئی

اس سفر میں حضورؐ کی اونٹنی گم ہوگئی۔ ایک منافق نے کہا۔ یہ نبی ہیں آسمان کی خبریں دیتے ہیں۔ لیکن اپنی اونٹنی گم ہوگئی ہے۔ اس کا پتہ نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سُنا تو فرمایا۔ خدا کی قسم! مجھے صرف اس بات کا علم ہوتا ہے جو خدا مجھے بتاتا ہے۔ اور اس نے اب مجھے بتایا ہے کہ وہ فلاں جگہ پر ہے۔[2]

ابو خیثمہؓ انصاری

اخلاص اور فدائیت کا ایک اور واقعہ اس سفر سے تعلق رکھتا ہے۔ ابو خیثمہ

---

[1] ۔ بخاری کتاب المغازی باب حدیث کعب بن مالک وقول اللہ عزوجل وعلی الثلاثۃ الذین خُلِفُوا۔ [2] ابن ہشام جلد ۲ جزو رابع ص ۹۵۰۔

انصاری کسی سفر پر مدینہ سے باہر گئے ہوئے تھے۔ واپس آئے تو بیویوں نے مکان صاف کر کے چھڑکاؤ کیا۔ ٹھنڈے پانی کا انتظام کیا۔ ابو خیثمہؓ انصاری کو گھر میں داخل ہونے سے قبل اطلاع ہو گئی تھی کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اس طرح سفر پر روانہ ہو گئے ہیں۔ ابو خیثمہؓ نے گھر پہنچنے پر یہ اہتمام دیکھا تو فرمایا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الضِحِّ والرِّیحِ والحرّ وابُو خَیْثَمۃ فی ظلٍّ باردٍ وطعام مھیّا وامرأۃ حسناء فی مالہ مقیم ما ھذا بالنصف"۔ خدا کا رسول باہر لُو اور گرمی میں اور ابو خیثمہ گھر میں ٹھنڈی چھاؤں میں۔ خدا کی قسم یہ نہیں ہو سکتا۔ میں گھر میں داخل نہیں ہوں گا۔ مجھے کھانا وغیرہ دے دو۔ میں اپنے آقا کے پیچھے جاتا ہوں۔ چنانچہ مناسب راشن ساتھ لیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر حضورؐ کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ حضورؐ نے دور سے جب غبار اٹھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا۔ خدا کرے ابو خیثمہؓ ہی ہو۔ قریب آکے غبار کے بادل سے ابو خیثمہؓ ہی نمودار ہوئے۔[1]

حجۃ الوداع اور حقوق انسانی کا منشور

سنہ ۹ ہجری میں حضورؐ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کو حُجّاج کا امیر بنا کر بھیجا۔ اور فرمایا۔ وہاں اعلان کر دیا جائے کہ آج کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کر سکے گا۔ اور نہ عرب اس کے بعد ننگے ہو کر طواف کریں گے۔ جاہلیت میں بعض لوگ ایسا کرتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کی روانگی کے بعد سورۃ توبہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ تو آپؐ نے حضرت علیؓ کو بھیجا کہ وہاں جا کر ان کا

---

۱ - ابن ہشام جلد ۲ جزو رابع ص ۹۴۷، ص ۹۴۸

اعلان میری طرف سے کر دیا جائے[1]۔ دسویں سال حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے خود حج پر جانے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ یہی وہ حج ہے جو تاریخ میں حجۃ الوداع کہلاتا ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری حج۔ جسے حجۃ الاسلام اور حجۃ البلاغ بھی کہتے ہیں[2]۔

اللہ کے بندے نہ دُنیا میں بے موسم آتے ہیں۔ اور نہ بے موسم جاتے ہیں۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو خدا کی طرف سے آپؐ کے وصال کی خبر مل چکی تھی۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک دن حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا کہ چاہو تو اس دُنیا میں رہو۔ چاہو میرے پاس آجاؤ۔ اور بندے نے اپنے مولا کے پاس جانا ہی پسند کیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے یہ سُنا تو رونے لگ گئے[3]۔ کیونکہ ابو بکرؓ جان گئے تھے کہ یہ بندہ کون ہے؟ جس نے مالک حقیقی کی محبت کو ترجیح دی۔ اور فتح مکّہ بھی اس اَمر کا اشارہ ہے کہ اَب لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوں گے۔ اور ہمارے رسول اب اپنے مولا کے پاس جانے والے ہیں[4]۔ اکابر صحابہؓ اس سورۃ سے حضورؐ کی وفات پر ہی استدلال کرتے تھے۔ بہر حال حضورؐ ہفتہ کے روز ۲۶ ذی القعدہ ۱۰ھ ہجری کو مدینہ سے مکّہ حج کے لئے روانہ ہوئے۔ اس موقعہ پر عرب کے مختلف علاقوں سے وفود آئے۔ اور انہوں نے اسلام قبول کیا۔ نو ۹ ذی الحجّہ کو جب حضورؐ وقوف کی غرض سے عرفہ میں تھے تو یہ آیت اُتری۔

۱۔ ابن ہشام جلد ۲ جزو رابع صفحہ ۱۰۲۵

۲۔ ابن ہشام جلد ۲ جزو رابع صفحہ ۹۷۲۔

۳۔ مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

۴۔ بخاری کتاب تفسیر القرآن باب ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجاً۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ۔

کہ آج ہم نے تمہارے فائدہ کے لئے تمہارا دین مکمّل کردیا۔ اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی۔ اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کیا۔ بخاری میں روایت ہے کہ ایک یہودی نے حضرت عمرؓ سے کہا اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید مناتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ مجھے وہ دن اور مقام اچھی طرح یاد ہیں۔ جہاں یہ آیت اُتری تھی۔ یہ ہماری عید کے ہی دن ہیں[1]۔ بہر حال یہ آیت بھی ظاہر کرتی تھی کہ اللہ کی نعمت کی تکمیل ہوگئی۔ اور اَب خدا کے بندے محمّد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کا مشن مکمل ہوگیا۔

نو ۹ ذی الحجہ کو میدان عرفات کے مقام نمرہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہو کر تشریف لائے۔ آج ہر طرف مسلمان ہی مسلمان نظر آتے تھے۔ مؤرخین نے اُن کی تعداد تقریباً ایک لاکھ بیان کی ہے۔ انسانوں کا ایک سمندر ہر طرف موجزن تھا۔ اسلام کے جاہ و جلال کا مظاہرہ چشم فلک دیکھ رہی تھی۔ حضورؐ نے اونٹنی پر سوار ہو کر تاریخی خطبہ دیا جو انسانی منشور کا شاہکار ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ میری بات کو غور سے سنو!

میں نہیں جانتا کہ اس سال کے بعد پھر کبھی تم لوگوں کے درمیان اس میدان میں کھڑے ہو کر کوئی تقریر کرسکوں۔ سُن لو آج جاہلیّت کے تمام دستور میں اپنے پاؤں تلے روندتا ہوں اے لوگو! تمہارا ربّ ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک تھا۔ سنو! کسی عربی کو غیر عربی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ غیر عربی کو عربی پر

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب حجۃ الوداع۔

کسی قسم کی کوئی فوقیت ہے۔ نہ سُرخ کو سیاہ پر کوئی فضیلت ہے نہ سیاہ کو سُرخ پر۔ سوائے تقویٰ کے یعنی جو متقی ہے وہی افضل ہے۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ تمہارے غلام! تمہارے بھائی ہیں! جو خود کھاؤ وہ ان کو کھلاؤ۔ اور سب سے پہلا انتقام جس کے خاتمے کا میں اعلان کرتا ہوں اپنے خاندان کے ربیعہ بن حارث کے خون کا انتقام ہے۔ اور جاہلیت کے سب سود بھی آج سے ختم اور سب سے پہلا سود جس کے خاتمے کا آج میں اعلان کرتا ہوں وہ میرے چچا عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے۔[1]

پھر فرمایا۔ آج کونسا دن ہے۔ کونسا مہینہ ہے؟ یہ شہر کونسا ہے؟ فرمایا جسطرح اس ماہ میں یہ شہر حرام ہے اس طرح تا قیامت تمہارے مال تمہاری جان اور عزتیں ایک دوسرے پر حرام ہیں۔ میں نے تم میں ایک چیز چھوڑی ہے۔ اگر اس کو تھامے رکھو گے تو گمراہ نہیں ہوگے اور وہ خدا کی کتاب ہے۔ خدا نے ہر حقدار کو از روئے وراثت اس کا حق دے دیا ہے۔ اب کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وارث کے حق میں مزید وصیت کر جائے، جو لڑکا اپنے باپ کے علاوہ کسی اور نسب سے ہونے کا دعویٰ کرے اس پر خدا کی لعنت ہو۔ سنو! کسی عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ خاوند کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر کسی کو کچھ دے۔ قرض ادا کیا جائے۔ عاریتاً لی ہوئی چیز واپس کی جائے اور ضامن تاوان کا ذمہ دار ہوگا۔[2]

پھر آپ نے مجمع کو مخاطب کر کے پوچھا قیامت کے دن خدا تم سے پوچھے

---

[1] ابن ہشام جلد ۲ جزو رابع ص ۱۰۲۲ و ص ۱۰۲۳۔

[2] ابن ہشام جلد ۲ ص ۱۰۲۴۔

گا۔ کیا میں نے خدا کا پیغام تم تک پہنچا دیا۔ سب نے بیک آواز کہا ہاں اے رسول خدا! آپؐ نے پہنچا دیا۔ تب آپؐ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین بار دہرایا اے خدا گواہ رہنا۔ میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا۔[1]

یہ انسانی حقوق کا اسلامی منشور ہے۔ جس کا اعلان محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال قبل عرفہ کے میدان میں کیا۔ اگر دنیا اس پر عمل کرے تو ہر انسان کو معاشرہ میں مساوی حقوق حاصل ہوں گے۔ پھر انسان کسی انسان کو رنگ و نسل کی بناء پر حقیر نہ سمجھے گا۔ اور معاشرہ کی ناہمواریاں ختم ہو سکیں گی۔

بیماری اور وفات

یہ ۱۱ھ ہجری کا آغاز تھا۔ آپؐ کے مشن کی تکمیل ہو چکی تھی۔ اللہ تعالےٰ کی طرف سے آپؐ کو بلاوے کے اشارے مل چکے تھے آپؐ غزوہ اُحد کے آٹھ سال بعد شہدائے اُحد کی قبروں پر تشریف لے گئے۔ ان کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ اور اس رقت انگیز طریقہ سے ان کو وداع کیا۔ جیسے ایک مرنے والا اپنے زندہ اعزاء کو الوداع کرتا ہے۔ اس کے بعد ایک تقریر فرمائی جس میں فرمایا۔

"میں تم سے پہلے حوض کوثر پر جا رہا ہوں۔ مجھے خوف نہیں کہ میرے بعد تم شرک کرو گے۔ لیکن اس سے ڈرتا ہوں کہ دنیا میں مبتلا ہو جاؤ۔ اور آپس میں لڑنے لگو۔ پھر تم اس طرح ہلاک ہو جاؤ جس طرح تم سے پہلے قومیں ہلاک ہوئیں۔"[2]

---

[1] - مسلم کتاب الحج باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم باب خطبہ ایام منیٰ۔

[2] - بخاری کتاب المغازی باب غزوہ احد۔

نو ہجری کے آغاز میں موتہ (شام) کی طرف اپنے منہ بولے بیٹے زید بن حارثہ کی سرکردگی میں تین ہزار کا لشکر بھجوایا۔ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ اگر زیدؓ شہید ہو جائے تو جعفرؓ امیر لشکر ہوں گے۔ اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہؓ۔ تقدیر خداوندی سے تینوں شہید ہو گئے[1]۔ کفار کی تعداد ڈیڑھ لاکھ کے قریب تھی۔ ان تینوں کی شہادت کے بعد حضرت خالدؓ نے کمان سنبھالی۔ اور دشمن سے لڑتے ہوئے اپنی فوج کو دشمن کے نرغے سے نکال لائے۔ اَب حضورؐ نے زیدؓ کے نوجوان بیٹے اسامہؓ کو امیرِ لشکر بنا کر جن کی عمر اس وقت صرف سترہ سال تھی۔ اپنے باپ زیدؓ کا انتقام لینے کے لئے بھیجا۔ ان کے جھنڈے کو اپنے ہاتھ سے باندھا لیکن حضورؐ کی بیماری خطرناک صورت اختیار کر گئی اور یہ لشکر پھر حضورؐ کے وصال کے بعد روانہ ہو سکا۔ اس لشکر میں اسامہؓ کی قیادت میں حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکرؓ جیسے کبار صحابہؓ بھی تھے۔ آپؐ کی بیماری کی تفصیل یہ ہے کہ اٹھارہ یا انیس صفر ۱۱ھ بمطابق مئی ۶۳۲ء آپ مسلمانوں کے قبرستان جنت البقیع میں تشریف لے گئے۔ واپسی پر طبیعت ناساز ہو گئی۔ سر میں درد پھر شدید تپ نازک صورت اختیار کر گیا۔ ساتویں دن کچھ افاقہ ہوا۔ سر پر پٹی باندھ کر مغرب کی نماز کے لئے تشریف لائے۔ عشاء کی نماز کے وقت پھر غنودگی طاری ہو گئی۔ بدن پر سات مشکیزے پانی کے باری باری ڈلوائے۔ اُٹھنا چاہا تو جسم میں سکت نہ تھی۔ فرمایا۔ ابو بکرؓ کو کہو نماز پڑھا دیں چنانچہ اس کے بعد تین روز تک ابو بکرؓ ہی نماز پڑھاتے رہے۔ چوتھے روز ظہر کی نماز کے وقت طبیعت میں کچھ سکون تھا۔ پانی کے سات مشکیزے تپ کو ٹھنڈا کرتے

---

[1] ۔ بخاری کتاب المغازی باب غزوہ موتہ من ارض الشام۔

کے لئے جسم پر ڈلوائے۔ پھر حضرت علیؓ اور عباسؓ کا سہارا لے کر مسجد میں تشریف لائے۔ حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے۔ آہٹ پا کر انہوں نے پیچھے ہٹنا چاہا۔ لیکن آپؐ نے اشارے سے وہیں رہنے کا ارشاد فرمایا اور خود ان کے پہلو میں بیٹھ کر نماز ادا کی[1]۔ اس کے بعد ایک مختصر سی تقریر فرمائی۔

آخری خطبہ

خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔

"مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تم اپنے نبی کی موت سے ڈرتے ہو۔ کیا مجھ سے پہلے کوئی نبی زندہ رہا کہ میں رہوں۔ سنو میں اپنے خدا کے پاس جانے والا ہوں۔ اور پھر تم بھی مجھے ملو گے۔ میں تمہیں مہاجرین سے حسن سلوک کی تاکید کرتا ہوں۔ اور مہاجرین کو بھی کہتا ہوں کہ باہم محبت سے رہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ میں زمانہ کو بطور شہادت کے پیش کرتا ہوں کہ انسان گھاٹے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائیں اور اعمال صالحہ بجا لائیں۔ اور صداقت اور صبر کی ایک دوسرے کو تاکید کریں۔ اور سنو تمام کام خدا کے حکم کے تحت ہی ہوتے ہیں۔ اگر کسی معاملہ میں دیری ہو تو اسے جلدی نہ چاہو کہ خدا کسی کی جلدی کی وجہ سے جلدی نہیں کرتا۔ اور جو خدا پر غالب آنا چاہے گا۔ اس پر خدا غالب ہو گا۔ اور جو خدا کو دھوکا دینا چاہے گا۔ خدا اسے دھوکے کی سزا دے گا۔ دیکھو زمین میں فساد

---

[1] ۔ ابن ہشام جلد ۲ جزو رابع زیر عنوان تمریض رسول اللہؐ فی بیت عائشۃ۔

نہ کرنا۔ اور رشتہ داروں سے قطع تعلق نہ کرنا۔ اور میں تمہیں انصار کے متعلق حسن سلوک کرنے کی تاکید کرتا ہوں۔ کہ اللہ نے ان کے ایمان کی قرآن میں تعریف کی ہے۔ انہوں نے اپنی آمدنیوں میں تمہیں شریک کیا۔ اپنے گھروں کو تمہارے لئے فراخ کیا۔ اور اپنے نفسوں پر تم کو باوجود اپنی ضروریات کے ترجیح دی۔ ان کے احسانات کا خیال رکھنا اور ان کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا اور ان پر کسی کو ترجیح نہ دینا۔ اب میں حوض کوثر پر تمہارا استقبال کروں گا۔ جو چاہتا ہے کہ مجھے وہاں ملے وہ اپنی زبان اور ہاتھ کو روک کر رکھے[1]۔"

آپؐ کا وصال

اتوار کے روز آپؐ کی تکلیف بڑھ گئی۔ اور جب بارہ ربیع الاوّل سوموار کا دن آیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی گھبراہٹ شدّت اختیار کر گئی۔ حضرت عائشہ کی گود میں آپؐ کا سر تھا۔ حضرت عائشہؓ کے بھائی آئے۔ وہ مسواک کر رہے تھے۔ حضورؐ نے ان کی طرف دیکھا۔ حضرت عائشہؓ سمجھ گئیں۔ مسواک لے کر اسے نرم کر کے حضورؐ کو دی[2]۔ آپؐ نے دانت اور مُنہ صاف کیا۔ حضرت اسامہؓ پاس تھے۔ اُن کو بلایا۔ ان کے سر پر ہاتھ رکھا اور پھر آسمان کی طرف ہاتھ بلند کرتے تھے۔ گویا اس یتیم کو آسمانی آقا کے سپرد فرما رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا۔ مسلمانو! "نماز کا خیال رکھنا۔ اور غلاموں سے حُسنِ سلوک کرنا۔" زبان پر لا الٰہ الا اللہ کا ورد تھا اور آسمان

---

[1] لباب الخیار صـ۱۲۱ و صـ۱۲۲۔

[2] بخاری باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم و وفاتہٗ۔

کی طرف ہاتھ بلند کر کے فرماتے رہے "اے اللہ۔ اے بلند و برتر ساتھی۔" یہ کہتے کہتے ہاتھ ڈھلک گیا۔ اور صادق و امین کی رُوح امانت کا حق ادا کر کے قفسِ عنصری سے سدرۃ المنتہٰی کی طرف پرواز کر گئی۔ اور اپنے مولا حقیقی کے حضور حاضر ہو گئی۔ خدا کی ان گنت رحمتیں ہوں آپؐ کی رُوح پر۔

آج مسلمانوں کی آنکھوں میں دُنیا اندھیر تھی۔ ان کا محبوب، ماں باپ اور اولاد سے زیادہ محبوب، خاموش تھا۔ حسّان مدینہ کی گلیوں میں رو رو کر شعر پڑھ رہا تھا۔ اور کون تھا جو اشکبار نہ تھا۔ عمرؓ مارے غم کے تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے۔ کہ جو کہے گا حضورؐ فوت ہو گئے ہیں۔ اس کی گردن اڑا دوں گا۔ آہ! محبت کے بھی عجیب انداز ہیں۔ رفیق غار ابوبکرؓ آئے چہرہ مبارک سے کپڑا اٹھایا۔ پیشانی کو بوسہ دیا۔ اور پھر آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ پھر باہر تشریف لائے اور کہا۔

"جو محمدؐ کی عبادت کرتا تھا۔ وہ سُن لے۔ محمدؐ فوت ہو گئے۔ لیکن جو خدا کی عبادت کرتا تھا وہ یاد رکھے کہ خدا زندہ ہے اور کبھی نہیں مرے گا۔ پھر یہ آیت پڑھی کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ آپؐ سے پہلے تمام انبیاء فوت ہو چکے ہیں۔ اگر وہ فوت ہو جائیں یا قتل ہو جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے۔ اور جو اپنی ایڑیوں پر پھر جائے گا۔ وہ خدا کو ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ اور اللہ شکر کرنے والوں کو عنقریب جزا دے گا۔" [1]

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ آیتیں سنیں تو مجھے یوں محسوس

---

[1]۔ بخاری کتاب المناقب۔ مناقب ابی بکر۔

ہُوا۔ جیسے آج ہی اُتری ہیں۔ اور میری ٹانگیں لڑکھڑا گئیں۔ اور مَیں زمین پر گر گیا۔[1]

تدفین

بارہ ربیع الاوّل کو آپؐ کا وصال ہُوا تھا[2]۔ حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں ہی لوگ آ کر جنازہ پڑھتے رہے۔ چودہؔ کو خلیفہ کے انتخاب کے بعد رات کے وقت آپؐ کی تدفین ہوئی۔ حضرت علیؓ اور عباسؓ نے لحد میں جسد مبارک رکھا۔ زمین سے ایک بالشت اُبھری ہوئی آپؐ کی قبر بنائی گئی۔ قبر تیار ہونے پر بلالؓ نے اس پر پانی چھڑکا۔ آپؐ نے فرمایا تھا۔ لا تتخذوا قبری وثنًا تعبد من بعدی۔ میرے بعد میری قبر کو بُت نہ بنا لینا۔ کہ اس کی عبادت کرنے لگ جاؤ۔ حضورؐ کی قبر آج تک کچی ہے۔ اور اسی حجرہ عائشہؓ میں اپنے دونوں دوستوں ابوبکرؓ اور عمرؓ کے درمیان یہ محبوبِ خدا ابدی نیند سو رہے ہیں۔

حضورؐ نے تریسٹھ سال قمری کی عمر پائی۔ چالیس سال کی عمر تھی۔ کہ آپؐ نے نبوت کا دعویٰ فرمایا۔ تیرہ سال دعویٰ نبوّت کے بعد مکّہ میں قیام پذیر رہے۔ ترپن برس کی عمر میں مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ دس سال تک مدینہ میں رہے۔

حُلیہ اور عادات

حضورؐ خلق اور خُلق میں بے مثال تھے۔ آپ کا قد میانہ تھا۔ رنگ سفید سُرخی مائل۔ پیشانی کشادہ۔ ابرو ملے ہوئے تھے۔ چہرہ ہلکا تھا۔ گوشت سے

---

[1] بخاری باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم و وفاتہ۔

[2] بمطابق ۸ جون ۶۳۲ء

بہت بھرا نہ تھا۔ منہ کشادہ تھا۔ دندان مبارک بہت ملے ہوئے نہ تھے۔ گردن اونچی تھی۔ سر بڑا اور سینہ کشادہ تھا۔ بال نہ بہت گھنگھریالے تھے۔ نہ بالکل سیدھے ریش مبارک گھنی تھی۔ آنکھیں سیاہ تھیں۔ پلکیں بڑی بڑی تھیں۔ شانے پر گوشت تھا۔ کندھوں کی ہڈیاں بڑی تھیں۔ سینہ مبارک میں ناف تک بالوں کی ہلکی لکیر تھی۔ شانوں اور کلائیوں پر بال تھے۔ ہتھیلیاں گوشت سے پُر تھیں۔ کلائیاں لمبی تھیں۔ پاؤں کی ایڑیاں نازک اور ہلکی تھیں۔ پاؤں کے تلوے بیچ سے خالی تھے [1]۔ اللہ نے آپ کو ظاہری حسن بھی عطا فرمایا تھا اور باطنی حُسن سے بھی نوازا تھا۔

جابر بن سمرہؓ صحابی کہتے ہیں۔ ایک چاندنی رات میں آسمان پر چاند چمک رہا تھا۔ میں کبھی آپؐ کو دیکھتا اور کبھی چاند کو۔ بخدا مجھے آپؐ چاند سے زیادہ حسین معلوم ہوتے تھے [2]۔ چونکہ آپؐ کثرت سے خوشبو استعمال کرتے اور صفائی کا خیال رکھتے۔ اس لئے آپؐ کے پسینہ سے خوشبو آتی تھی۔ جسم مضبوط، لیکن نہایت نرم تھا۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں۔ ریشم کی طرح آپؐ کے ہاتھ نرم تھے۔ سر کے بال اکثر کانوں کی لَو سے نیچے ہوتے۔ اور آپ سیدھی مانگ نکالتے تھے۔ بالوں میں تیل لگاتے۔ وفات کے وقت ریش مبارک میں چند گنتی کے بال سفید تھے۔ چلتے تو بہت تیز۔ ایسے جیسے کوئی اونچی زمین سے نشیب کی طرف اُتر رہا ہو۔ بات کرتے تو آہستہ اور اسے دُہراتے تاکہ مخاطب مفہوم سمجھ لے۔ بات کرتے وقت کبھی ہاتھ بھی پلٹتے۔ حیاء کی وجہ سے آنکھیں نیچی رکھتے۔ قہقہہ مار

---

[1]۔ شمائل ترمذی ص ۲۔ [2] شمائل ترمذی ص ۲۔

کر ہنسنے کی عادت نہ تھی۔ ہنسی آتی تو مسکرا دیتے۔ لباس۔ بستر۔ رہائش بہت سادہ۔ پگڑی باندھتے جس کے نیچے ٹوپی ہوتی۔ اکثر چادر اور کرتا استعمال کرتے۔ کبھی عباء بھی استعمال فرمائی۔ ورنہ چادر اُوپر رکھتے۔ موزے بھی استعمال فرمائے۔ نعل مبارک اسی طرز کی تھی۔ جیسے آج کل چپل یعنی صرف ایک تلا ہوتا۔ جس میں اوپر تسمے ہوتے۔ کھانا بھی سادہ ہوتا۔ باریک پُھلکے کبھی آپؐ کو میسر نہ ہوئے۔ شہد، زیتون کا تیل، سرکہ، کدّو گوشت آپؐ کو مرغوب تھا۔ بعض اوقات اگر کچھ نہ ملا تو سرکہ میں بھگو کر خشک ٹکڑے ہی چبا لئے۔ اگر قیمتی کپڑے میّسر آئے تو وہ بھی پہنے۔ گوشت بُھنا ہُوا دستیاب ہُوا تو وہ بھی کھایا۔ خُدا کی کسی نعمت کو حقیر نہیں جانا۔ لیکن کسی چیز کی عادت بھی نہیں ڈالی۔ اس دُنیا میں رہ کر دنیا سے کو نہیں لگائی۔ آپؐ فرماتے ہیں۔ مجھے خوشبو اور بیویاں پیاری ہیں۔ لیکن میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز یعنی ذکر الٰہی میں ہے۔ بدبو سے سخت نفرت تھی۔ فرماتے۔ جس شخص نے کچا لہسن یا پیاز کھایا ہو۔ وہ ہماری مسجد میں نہ آئے۔

ترکہ

وفات کے وقت ترکہ میں کوئی نقدی آپؐ نے نہیں چھوڑی۔ نہ کوئی غلام۔ نہ لونڈی۔ نہ بھیڑ نہ بکری سوائے اپنی سفید خچّر دلدل نامی اور چند ہتھیاروں کے۔ مالِ غنیمت میں جو زمینیں آئیں۔ اسی وقت مستحقین میں تقسیم فرما دیں۔ خیبر اور فدک میں جو غیر منقولہ جائیداد تھی۔ وہ ایک ٹرسٹ کی صورت میں تھی۔ جس کی آمدنی سے ازواج مطہرات کو گذارہ دیتے۔ باقی

قومی مصارف میں خرچ فرماتے[1]۔ تاہم ہدایات اور انوار کا ایک لازوال ذخیرہ آپؐ نے چھوڑا۔ جو رہتی دنیا تک کائنات کو منور کرتا رہے گا۔ اور عرش پر دعاؤں اور رحمتوں اور فضل الٰہی کا ایک نہ ختم ہونے والا خزانہ آپؐ نے چھوڑا جس کی برکات سے اُمت قیامت تک مستفید ہوتی رہے گی۔

اے اللہ! ہمیں توفیق عطا فرما۔ کہ ہم اس سے فیض حاصل کر سکیں۔ اور آپؐ کی سیرت مطہرہ سے مستنیر ہونے کی توفیق پائیں کہ آپؐ مجسم نور تھے اور اخلاق میں اسوۂ کامل۔ ایک عاشقِ رسولؐ نے کیا ہی خوب کہا۔ ؎

محمدؐ ہی نام اور محمدؐ ہی کام
علیک الصلوٰۃ علیک السلام



---

[1] ۔ ما ترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عند موتہ درھماً ولا دیناراً ولا عبداً ولا امۃ ولا شیئاً الا بغلتہ البیضاء وسلاحہ وارضاً جعلھا صدقۃً (بخاری کتاب الوصایا)

اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم

سیرت

سیرت نگاروں نے حضور کی زندگی کے ہر پہلو پر قلم اٹھایا۔ سیرت کے ہر رُخ کو اُجاگر کیا تاہم کتاب کا اختصار مجھے اس وسعت کی اجازت نہیں دیتا۔ صرف چند پہلو ہی عرض کرسکوں گا اور اگر ایک فقرہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو سمونا مقصود ہو تو سیّدہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا وہ فقرہ کافی ہے جس میں آپ نے فرمایا تھا۔

"حضور کی سیرت قرآن ہے[۱]"

وہ مجسم قرآن تھے کیونکہ قرآن خدا کا کلام ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال اُس کلام کی تفسیر۔ اللہ تعالٰے نے قرآن میں فرمایا۔ محمد رسول اللہ تمہارے لئے کامل نمونہ ہیں۔ حضرت عائشہؓ حضور کی سیرت بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں۔

"کسی کو بُرا بھلا کہنا آپؐ کی عادت نہ تھی۔ برائی کے بدلہ میں کسی سے برائی نہ کرتے اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی کسی سے انتقام نہ لیا۔ تاہم اگر کوئی احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی کرتا تو سخت ناراضگی کا اظہار

---

[۱] ابو داؤد باب الصلوٰۃ فی اللیل۔

فرماتے۔ بعض اوقات حدّ جاری فرماتے۔ درگذر اور معاف بھی فرما دیتے۔ آپ نے کبھی کسی مسلمان پر لعنت نہیں کی۔ آپ نے کبھی کسی غلام یا لونڈی یا کسی عورت حتیٰ کہ جانور پر بھی ہاتھ نہ اٹھایا۔ کبھی کسی کی درخواست رَدّ نہیں کی، گھر میں تشریف لاتے تو خنداں اور متبسّم چہرہ سے۔"[1]

آپ کی رفیقہ حیات حضرت خدیجہؓ نے آپ کی سیرت کو اس طرح بیان فرمایا تھا۔

"آپؐ صلہ رحمی فرماتے ہیں مقروضوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں غریبوں کی مدد فرماتے ہیں مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں۔ حق و صداقت کی حمایت کرتے ہیں مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔"[2]

آپؐ کے چچازاد اور داماد حضرت علیؓ حضورؐ کی سیرت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"حضورؐ خندہ جبین نرم خُو، اور مہربان طبع تھے۔ تُرش مزاج اور سنگدل نہ تھے کوئی بُرا کلمہ زبان پر نہ لاتے تھے۔ عیب جُو نہ تھے اگر کوئی ناپسندیدہ بات دیکھتے تو اغماض فرماتے۔ اگر کوئی اُمید رکھ کر آپؐ کے پاس آتا تو اس کو مایوس نہ لوٹاتے۔ اپنے نفس سے تین چیزیں آپؐ نے دُور کر دی تھیں۔ جھگڑا، ضرورت سے زیادہ بات کرنا اور جو بات مطلب کی نہ ہو اُس میں نہ پڑنا۔ دوسروں کے متعلق بھی تین باتوں سے پرہیز کرتے تھے۔ کسی کو بُرا نہ کہتے عیب جوئی

۱۔ شمائل ترمذی باب ما جا، فی خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲۔ بخاری باب کیف کان بدء الوحی۔

نہ کرتے، اُس کے اندرونی معاملات میں تجسّس نہ کرتے، وہی بات کرتے جس سے کوئی مفید نتیجہ نکل سکتا۔ اگر کوئی بے باکی سے گفتگو کرتا تو آپؐ تحمل سے کام لیتے، خوشامد پسند نہ کرتے تھے اگر کوئی بات کرتا تو غور سے سُنتے اور اُس کی بات نہ کاٹتے۔ نہایت فیّاض، راست گو، نرم طبع اور خوش صحبت تھے جو آپؐ کی صحبت میں رہتا آپؐ سے محبّت کرنے لگتا۔"[1]

عشّاق نے آپؐ کے متعلق بہت کچھ کہا لیکن مَیں نے گھر کے تین افراد کی جامع و مانع رائے نقل کر دی ہے۔ اگرچہ آپؐ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ، آپؐ کی ہر حرکت و سکون آپؐ کا ہر لفظ صحابہ نے محفوظ کیا ہے لیکن میرا فریضہ اختصار آپ کی سیرتِ مطہرہ کی صرف چند جھلکیاں پیش کرنے کا متقاضی ہے۔ اور ایسا کرنے پر مَیں مجبور ہوں۔

---

[1] ۔ شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی خُلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

تعبّد و زہد

کسی بھی مذہبی شخصیت کے لئے عبادت اور زہد ایک اہم معیار ہے۔ عبادت یہ ظاہر کرتی ہے کہ اس کا خدا سے کیا تعلق تھا۔ اسے خدا سے کتنا اور کیسا پیار تھا۔ خدا کی یاد اس کے دِل میں کیسی تھی اس کے شب و روز اور اس کی حرکت و سکون میں کتنی للہیت تھی۔ اگر ایک شخص مذہبی رہنمائی کا مدّعی ہے لیکن خدا کا ذکر کبھی اس کے لب پر نہیں آیا۔ اس کا سارا پیار دُنیا سے ہے اور ساری قوّت اور صلاحیت اس کی دُنیا کے لئے ہی صرف ہوتی ہے تو وہ شخص مذہبی رہنمائی تو رہی ایک طرف "خدا والا" بھی نہیں کہلا سکتا۔ عبادت کا جو طریق، تصور اور ضابطہ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا وہ سب سے نرالا ہے۔ اور جس طریق پر آپؐ نے خدا کی عبادت کی وہ یہ واضح کرتا ہے کہ آپؐ کی ساری زندگی خدا کے لئے تھی اور آپ کی زندگی میں خدا ہی خدا تھا۔

عبادت کا اسلامی تصوّر

عبادت کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہ تصور دیا کہ ہر کام جو خدا کے لئے کیا جائے۔ خدا کے حکم اور اس کی محبّت کی وجہ سے کیا جائے وہ عبادت ہے مثلاً اگر آپ بیوی بچّوں کو کھلاتے ہیں اور صرف اس لئے کھلاتے ہیں کہ میرے خدا کا حکم ہے اور اگر میں اس میں کوتاہی کرتا ہوں تو خدا کے سامنے

جواب دہ ہوں گا۔ تو یہ عین عبادت ہے[1]۔

اگر آپ نے موٹر خرید کی ہے کہ سیر کو جایا کریں گے یا دفتر جایا کریں گے تو یہ عبادت نہیں۔ لیکن اگر آپ نے اس لئے خرید کی کہ خدا کی طرف سے جو فرائض مقرر ہوئے ہیں ان کی ادائیگی میں اُس سے مدد لوں گا مسجد میں دُور سے نماز باجماعت میں شامل ہوسکوں گا یا تبلیغ کے لئے جایا کریں گے تو یہ عبادت ہے۔ یہ اسلامی تصورِ عبادت ہے کہ ہمارا ہر کام خدا کے لئے ہو جائے۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ ایک صحابی کے گھر تشریف لے گئے آپؐ نے گھر میں کھڑکی دیکھ کر تربیت کی غرض سے اُسے پوچھا یہ کھڑکی کس لئے رکھی ہے؟ اس صحابی نے جواب دیا تا ہوا آیا کرے۔ فرمایا اگر تم اس نیت سے رکھتے کہ اذان کی آواز سنا کروں گا۔ تو یہ سارا ثواب ہوتا۔ ہوا تو آہی جاتی تھی۔ غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادتِ اسلامی کا جو تصور دیا وہ سب سے نرالا اور سب سے اعلیٰ اور آسان ہے صرف نیت کی تبدیلی کی ضرورت ہے اور وہ یہ کہ ہر کام میں ہماری نیت خدا تعالیٰ کی خوشنودی ہو۔

عبادت کی اقسام

اسلام میں عبادت کی مختلف صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ مقررہ اوقات میں اور مخصوص طریق پر عبادت بجا لائی جائے جیسے نماز ہے جس کے اوقات مقرر ہیں طریق مقرر ہے شرائط ہیں کہ وضو کر کے مخصوص ہیئت میں ہم مخصوص الفاظ یا مناجات کو دہرائیں اور یہ بعض اوقات میں منع

---

[1] - ادب المفرد لامام البخاری باب نفقۃ الرجل علی اَھلِہٖ۔ د باب یوجر الرجل فی کلّ شیئٍ

بھی ہے مثلاً سورج طلوع ہونے کے وقت اور عصر کی نماز کے بعد غروب شمس تک[1] لیکن ذکر الہٰی یعنی خدا کو یاد کرنا اس کی تسبیح و تقدیس کرنا، استغفار اور اس کی صفات کا وِرد یہ ہر وقت ہو سکتا ہے۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم دعویٰ نبوت سے بھی قبل کئی کئی دِن گھر سے باہر غارِ حرا میں جا کر اللہ تعالےٰ کی ذات و صفات پر غور فرماتے اس کے نام کا وِرد کرتے خدا کی تقدیر بھی کہ اس عبادت کے نتیجہ میں آپؐ کا مزکیٰ دِل انوارِ خداوندی کا مہبط بن گیا۔ آپ کی سیرت و سوانح نگاروں نے آپؐ کی ہر دُعا کو محفوظ کیا آپ کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہؓ جو بڑا علمی ذوق رکھتی تھیں اور نہایت ذہین اور نکتہ رس تھیں فرماتی ہیں :۔

" آپؐ ہر وقت خدا کا ذکر کرتے تھے آپؐ کی زبان ہر وقت ذکرِ الہٰی سے تر رہتی[2] آپؐ سوتے وقت، پہلو بدلتے وقت، بیدار ہوتے وقت، وضو یا غسل کرتے وقت، لباس بدلتے وقت، گھر سے باہر جاتے وقت، گھر میں آتے وقت، مسجد میں داخل ہوتے وقت، مسجد سے نکلتے وقت، سواری پر چڑھتے وقت، بلندی پر چڑھتے وقت، نئے چاند کو دیکھتے وقت، ہَوا کی تیزی کے وقت، بارش کے نزول کے وقت، نیا پھل ملنے پر، بیت الخلاء کو جاتے وقت،

---

[1] بخاری کتاب مواقیت الصّلوٰۃ باب الصّلوٰۃ بعد الفجر حتّٰی ترتفع الشمس۔ نہی عن الصلوٰۃ بعد الفجر حتّٰی ترتفع الشمس و بعد العصر حتّٰی تغرب الشمس۔

[2] "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم یذکر اللہ علیٰ کلّ احیانہ"۔ ترمذی ابواب الدعوات باب ماجاء انّ دعوۃ المسلم مستجابۃ۔

بیت الخلاء سے نکلتے وقت، دُودھ پیتے وقت، کسی بستی میں داخل ہوتے وقت بعض مخصوص دُعائیں پڑھتے جو سب کی سب احادیث میں منضبط ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ خدا کا یہ پیغمبرؐ ہر آن خدا کی یاد میں محو رہتا تھا۔ اسے ہر انقلاب میں، رات دن کی تبدیلی میں، سُورج اور چاند کے گرہن میں، بہار و خزاں کی آمد پر، غرض ہر تبدیلی میں خدا کی تقدیر ہی نظر آتی۔ کیا کسی نبی نے ان مخصوص مواقع کے لئے مخصوص دُعائیں بتلائیں یا کیں۔ اسی لئے آپؐ کے شدید دشمن بھی کہا کرتے تھے کہ عَشِقَ مُحَمَّدٌ رَبَّہٗ محمدؐ تو اپنے رب کا عاشق ہے۔

کیفیتِ عبادت

انسان دن بھر کام کاج کے بعد رات کو تھک کر چُور ہو کر بستر پر چلا جاتا ہے اور پھر اعصاب کی تسکین کی خاطر طاقت کی بحالی کے لئے وہ گہری نیند سوتا ہے۔ لیکن حضورؐ اپنی نیند کے بارہ میں فرمایا کرتے

میری آنکھیں تو بے شک سوتی ہیں لیکن دل بیدار رہتا ہے[1]۔

اور آپؐ کی کیفیت یہ تھی کہ ہر پہلو بدلنے پر آپ کی زبان پر خدا اور اُس کی مناجات ہوتیں وہ راتوں کی تنہائیوں میں خدا کے حضور کھڑے ہو جاتے جب دنیا والے آرام کر رہے ہوتے خدا کا رسولؐ اپنے محبوب کو پکارتا اُس سے التجائیں کرتا آپؐ کی محبوب بیوی عائشہؓ فرماتی ہیں۔ ایک رات میرے یہاں حضورؐ کی باری تھی۔ دیا بُجھ چکا تھا میری جو آنکھ کھلی میں نے بستر ٹٹولا تو آپؐ بستر پر نہ تھے میں گھبرائی باہر صحن میں نکلی تو حضور سجدہ میں پڑے یہ کہہ رہے تھے۔ اے میرے پروردگار

---

[1] "عینی تنامان ولاینام قلبی"۔ بخاری باب قیام النبی صلی اللہ بالیل فی رمضان وغیرہ۔

سَجَدَ لَكَ رُوحِي وَجَنَانِي میری رُوح اور میرا دِل تیرے حضور سجدہ ریز ہیں[1]۔
رات کی تنہائیوں میں جب ہر طرف ہُو کا عالم ہوتا مُردوں کی آرام گاہ یعنی قبرستان میں چلے جاتے[2] اور دُعائیں کرتے۔ حدیث میں آیا ہے ایک صحابی کہتے ہیں ایک رات مجھے آپؐ کے ساتھ تہجد پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی تو میں نے دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت میں ساڑھے پانچ سپارے کے قریب پڑھے۔ وہ کہتے ہیں میں جوان تھا لیکن میری ٹانگیں لڑکھڑانے لگیں۔ ایک بار آپؐ ساری رات قرآن مجید کی ایک آیت کو نماز میں دوہراتے رہے۔ وہ آیت یہ تھی:

إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ
فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ[3]

"اے اللہ اگر تو ان کو عذاب دے گا تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر بخش دے تو تُو غالب اور حکمتوں والا ہے۔"

یہ آیت جو حضرت مسیح کی دُعا ہے قرآن میں منقول ہے۔ آپؐ رات بھر اسے پڑھتے رہے اور اُمت کے لئے خدا سے دُعا کرتے رہے۔ میرے پروردگار! اُمت کے اس محسن باپ پر جس نے ہمارے لئے اپنا آرام قربان کر دیا جس نے ہماری خاطر آنسو بہائے، جو راتوں کو ہمارے لئے جاگا۔ ذوالعرش! اس کی رُوح پر جب تک یہ دُنیا قائم ہے اور اُس کے بعد بھی تا ابد رحمتیں نازل فرما۔
نماز میں جب آپؐ قرآن پڑھتے رحمت کی آیات آتیں تو ٹھہر جاتے اور خدا سے رحمت طلب فرماتے۔ عذاب کی آیات آتیں تو خشیت سے لبریز دل پھر

---

[1] نسائی باب الغیرۃ۔
[2] شمائل ترمذی ص۲۰

توقف کرتا اور خدا کے عذاب سے پناہ مانگتا۔ ایک بار حضورؐ نماز ادا فرما رہے تھے نماز پڑھتے پڑھتے آپؐ آگے بڑھے اور نماز میں ہی پیچھے ہٹے۔ دیکھنے والے نے وجہ دریافت کی تو فرمایا۔

"نماز میں میرے سامنے جنّت پیش کی گئی میں نے اُس کے مہکتے رس بھرے خوشے دیکھے انہیں لینے کے لئے آگے بڑھا اور نماز میں میرے سامنے جہنّم پیش کی گئی اس کے بھڑکتے ہوئے شعلے دیکھے تو میں پیچھے ہٹا۔"[۱]

آپ فرماتے ہیں۔

"دین کی خوبی یہ ہے کہ تُو خدا کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے۔ اگر یہ کیفیّت تجھے نصیب نہیں تو کم از کم یہ احساس ہو کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔"[۲]

ایک بار کسی نے حضرت عائشہؓ سے حضورؐ کی نماز کی کیفیّت دریافت فرمائی۔ انہوں نے جواب دیا۔
"نہ پُوچھ آپؐ کی نماز کے حُسن اور طُول کے متعلق"[۳]

یہ فقرہ اس وقت کہا جاتا ہے جب اس کی کیفیّت بیان کرنے سے زبان عاجز ہو۔ رمضان کے مہینہ کی آمد ہوتی تو آپ عبادت کے لئے کمر کس لیتے۔ کبھی آپؐ نے یہ بھی کیا کہ سحری نہ کھائی اور مسلسل روزہ رکھا۔ صحابہ نے آپ کی اقتدا میں ایسا کرنا شروع کیا تو آپؐ نے ازراہِ شفقت فرمایا ایسا نہ کرو۔ میرے خدا کا معاملہ مجھ سے الگ ہے وُہ مجھے کھِلاتا اور پلاتا ہے[۴]۔ سب کے ساتھ خدا کا یہ معاملہ

۱۔ بخاری باب العقد والمداومة علی العمل۔
۲۔ بخاری باب سوال جبرائیل النبیّ صلی اللہ علیہ وسلّم۔
۳۔ بخاری باب ماکان النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم تنام عینہ ولا ینام قلبہ۔
۴۔ بخاری کتاب الصّوم باب برکة السحور من غیر ایجاب

نہیں ہوتا۔ رمضان کے آخری دس دن آپؐ بیوی بچّوں سے الگ ہو کر مسجد میں چادریں تان کر بیٹھ جاتے اور یہ دِن ذکرِ الٰہی، دُعاؤں اور تلاوت قرآن میں گزارتے۔ وفات سے پہلے رمضان کے دس نہیں بلکہ بیس دِن آپؐ مسجد میں اعتکاف بیٹھے اور ذکرِ الٰہی میں مصروف رہے۔ رمضان کے روزے تو فرض یعنی ہر مسلمان کے لئے ضروری ہیں۔ آپؐ اس کے علاوہ ہر ماہ میں تین نفلی روزے رکھتے کہ اللہ کے ہاں ہر نیکی کا اَجر دس گنا ہے اور تین روزوں کا مطلب ہُوا کہ مہینہ بھر روزے ہو گئے۔ اس کے علاوہ شوال جو رمضان کے بعد کا مہینہ ہے اس کے آغاز میں چھ روزے رکھتے۔ اس کے علاوہ محرّم کے دس دن روزے رکھنے کا بھی حدیث میں ذکر آتا ہے۔

روزہ کی غرض خدا کی خاطر بھوکا اور پیاسا رہ کر خدا کی یاد سے دِل کو آباد کرنا اور قلب کی تطہیر ہے۔ آپ فرماتے تھے روزہ گناہ سے بچنے کے لئے بطور ڈھال کے ہے اور روزہ کے بدلہ میں انسان کو خدا ملتا ہے۔ عبادت اور ذکرِ الٰہی کا اندازہ اس سے بھی بخوبی ہو سکتا ہے کہ مَرضِ الموت میں ایک دن باری باری سات مشکیزے اپنے اُوپر پانی کے ڈلوائے اور نماز کے لئے تشریف لے گئے۔ کیفیت یہ تھی کہ دو صحابہ کے کندھوں پر آپؐ کے ہاتھ تھے اور پاؤں زمین پر گھسٹتے جاتے تھے[1]۔ اللہ اللہ! یہ نمونہ کیا کہیں نظر آتا ہے! اور آخری الفاظ جو آپ کی زبان پر تھے وہ یہ تھے۔

اے اللہ بلند و برتر ساتھی! اے اللہ بلند و برتر ساتھی!

اور ہاتھ آسمان کی طرف تھا۔ یہ کہتے کہتے ہاتھ ڈھلک گیا اور خدا کا پیارا

---

[1] بخاری باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم و وفاتہ۔ [2] ابن ہشام جلد ۲ جزء رابع صفحہ ۱۰۶۳ تمریض رسول اللہ فی بیت عائشۃ۔

بندہ اُسے پکارتا اس کے حضور پہنچ گیا۔[1]

اپنے پروردگار کی یاد آپ کی رُوح کی غذا تھی۔ لوگ اولاد کو آنکھ کی ٹھنڈک کہتے ہیں لیکن آپ فرمایا کرتے میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے اُسے رات کو بیوی کے گرم بستر پر نہیں زمین پر سجدہ ریز ہونے میں سکون ملتا ہے۔[2] اور جب وہ خدا کا عابد جبینِ نیاز خاک پر رکھ کر اپنے محبوب کو یاد کرتا تو صرف پیشانی ہی خاک آلود نہیں ہوتی تھی اس کی رُوح بھی گداز ہو کر آستانۂ الوہیّت پر بہہ پڑتی تھی اور وہ یہ کہتے سُنائی دیتے۔

"سجدلکَ روحی وجنانی۔ سجدلک روحی وجنانی"[3]

میری رُوح اور میرا دل تیرے حضور جُھک گئے۔ پروردگار نے اپنے در پر انتہائی جھکنے والے کو انتہائی عظمتوں سے ہمکنار کر دیا۔ وہ حقیقی عبد بنے۔ انہوں نے خدا کے نقوش کو قبول کیا تبھی آپ کے وجود کے ذریعہ خدا ظاہر ہُوا۔ کیا آپ نہیں دیکھتے؟ کہ جب لوہا انتہائی سوزش میں پڑتا ہے تو خود انگارا بن جاتا ہے۔ پیغمبرِ خدا نے خدا میں فنا ہو کر اس کے ہر نقش کو قبول کیا تبھی خدا کی قدرتیں اس کے ذریعہ ظاہر ہوئیں، اس کی دُعا سے بادل برسے، آندھیاں چلیں، قحط سالی دُور ہوئی۔ اس کی دُعا کی برکت سے عمروں میں غیر معمولی برکت ہوئی۔ اس کی بد دُعا سے دشمنوں نے موت کا پیالہ پیا اور اپنوں نے ابدی زندگی پائی۔ آپؐ کی دُعا کے نتیجہ میں بڑی بڑی حکومتیں پاش پاش ہوئیں اور مسلمانوں کو قیصر و کسریٰ کے محلات کی چابیاں تفویض کی گئیں۔

۱۔ بخاری باب مرض النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم ووفاتہٗ۔

۲۔ نسائی باب الغیرۃ۔ ۳۔ نسائی باب الغیرۃ۔

زُہد کا اسلامی تصوّر

زُہد کے معنے چھوڑنا۔ دُنیا سے بے رغبتی اور عبادت کیلئے علیحدگی حاصل کرنا ہیں۔

حدیث میں زُہد کا مفہوم خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے آپؐ فرماتے ہیں۔ زہد یہ نہیں ہے کہ حلال چیز کو حرام قرار دے یا اپنا مال ضائع کر دے[۱]۔ مثلاً گھر بار کو آگ لگا دے اور لنگوٹی باندھ کر جنگل میں چلا جائے۔ دُنیا کی ذمہ داریوں سے الگ ہونا "فرار" ہے۔ دُنیا کے اندر رہ کر دُنیا سے دل نہ لگائے یہ زہد ہے۔ دُنیا دین کے راہ میں حائل نہ ہو۔ دین کی طرف جائے تو دُنیا اس کے پاؤں نہ تھامے۔ یہ زُہد ہے۔ ان تمام رکاوٹوں بندھنوں اور علائق کو چھوڑ کر خدا کے لئے کھڑا ہو جائے یہ زہد ہے۔ خدا کے حکم کے مطابق سب رشتہ داروں کے حقوق ادا کرے۔ دولت کو خدا کے لئے اس کے بندوں کی بھلائی کے لئے پانی کی طرح بہائے یہ زُہد ہے۔

اسلام میں رہبانیت کا تصوّر نہیں ہے۔ سادھو اور فقیر خاک مل کر اور رنگ دار کپڑے پہن کر نہیں بنتا بلکہ دل کو پاک وصاف کرنے سے بنتا ہے۔ دِل کو خدا کی محبت میں رنگنے سے، خدا کا رنگ اختیار کرنے سے خدا حاصل ہوتا ہے۔

حضورؐ کا زُہد

اور دیکھئے حضورؐ کا اس بارہ میں نمونہ یا سیرت کیا تھی؟ اللہ تعالےٰ نے

۱۔ ترمذی ابواب الزھد۔ باب ماجاء فی الزھادۃ فی الدنیا۔

آپؐ کو فتوحات سے نوازا آپؐ کے سامنے سونے چاندی کے انبار لگ گئے لیکن خدا کے برگزیدہ رسول کا کاشانہ کیا دُنیاوی اموال سے پُر ہُوا؟ یا وہی خدا کا ہی نام تھا۔ مدنی زندگی جو فتوحات کی زندگی تھی اس میں ایک بار حضرت عمرؓ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضور ننگی چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ جسم پر نشان پڑ گئے تھے۔ کمرہ میں چند مٹھی جو اور ایک آدھ کھال تھی۔ حضرت عمرؓ نے یہ کیفیت دیکھی تو رو پڑے حضور نے وجہ پوچھی تو عرض کیا یا رسول اللہ قیصر و کسریٰ اس کرّوفر سے رہیں اور خدا کے رسول کی یہ معیشت۔ فرمایا عمر! دُنیا میں اس طرح رہو جیسے ایک مسافر یا اجنبیؐ۔ سامان کی فراوانی مُسافر کے لئے بوجھ اور مسئلہ بن جاتی ہے۔ کشائش اور مال و دولت اللہ تعالےٰ کی طرف سے امتحان ہوتا ہے۔ یہ مال و دولت نعمت ہے لیکن اس وقت جب کہ اسے مخلوق خدا کی خدمت کے لئے، نصرت دین کے لئے صرف کیا جائے ورنہ یہ بیڑیاں اور ہتھکڑیاں ہیں۔ ان کو توڑ کر، چھوڑ کر، ان علائق کو ترک کر کے ہی خدا کی طرف بندہ آسکتا ہے۔ اگر انسان دُنیا میں پھنس کر دُنیا کا ہو گیا، تو امتحان میں فیل ہو گیا اور عبادت و زہد کے دعوے ہوا ہوئے۔

جب فتوحات ہوئیں، سونا چاندی آیا تو بعض ازواج مطہرات نے زیورات کا مطالبہ کیا۔ قرآن کریم میں آیات نازل ہوئیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا! ان کو کہہ دے۔ اے نبی کی بیویو! اگر دُنیا اور اُس کا سامان لینا چاہتی ہو تو آؤ میں دے دُوں لیکن پھر میرا اور تمہارا سفر الگ الگ ہو جائے گا۔ ؎۲

؎۱ مسلم کتاب الطلاق باب بیان ان تخییرہ امرأتہ لایکون طلاقاً اِلّا بالنیّۃ۔

؎۲ ان کنتنّ تردن الحیٰوۃ الدُّنیا و زینتھا فتعالین امتعکنّ و اسرحکنّ سراحاً جمیلاً احزاب آیت ۲۹

تارک دُنیا محمدؐ، اور پیغمبرؐ تمہارے ساتھ نہیں رہ سکے گا۔ ایک بار آپؐ نماز پڑھ رہے تھے۔ چادر کے نقش و نگار پر نظر پڑ گئی۔ نماز میں خلل محسوس ہوا تو ارشاد ہوا۔ چادر بدل دو میری توجہ میں خلل پیدا ہوا ہے[۱]۔ یہ زُہد ہے کہ دنیاوی آسائش اور زینت ہماری توجہ خدا سے نہ ہٹا سکیں۔ جنگ بدر میں قیدی آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مستحق اصحاب میں تقسیم فرما دیئے حضرت علیؓ نے حضورؐ کی نورِ نظر اور پیاری بیٹی حضرت فاطمہؓ کو بھجوایا۔ فاطمہ جاؤ تم بھی گھر کے کام کاج کے لئے کوئی غلام لے آؤ۔ حضرت فاطمہ ابا کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ عرض کیا

ابا! چکی پیس پیس کر ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے ہیں مشکیزہ اُٹھا اُٹھا کر کمر پر نشان پڑ گئے ہیں۔ جھاڑو دے دے کر کپڑے میلے ہو جاتے ہیں مجھے بھی کوئی قیدی عطا ہو۔ فرمایا جانِ پدر! وہ تم سے پہلے مستحق لوگ لے گئے۔ میں تمہیں اس سے ایک اچھی بات بتلاتا ہوں۔ سوتے وقت گیارہ دفعہ اللہ اکبر۔ گیارہ دفعہ الحمد للہ۔ گیارہ دفعہ سبحان اللہ پڑھ لیا کرو[۲]۔

یہ تھا میرا آقا زاہد محمدؐ۔ دُنیا جس کے دامن کو آلودہ نہ کر سکی۔ دُنیا جس کے دامن کو تھام کر اپنی طرف نہ کھینچ سکی۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو دُنیا کو تین طلاقیں دے چکے ہوتے ہیں۔ ایک حدیث میں حضورؐ نے فرمایا۔

" مجھے کیا دُنیا سے۔ میری مثال تو ایک سوار کی ہے جسے دوپہر

۱۔ مسلم کتاب الصلوٰۃ باب کراھۃ الصلوٰۃ فی ثوب لہ اعلام۔

۲۔ ترمذی ابواب الدعوات باب ماجاء فی التسبیح والتکبیر عند المنام۔

آئی تو درخت کے سایہ میں لیٹ گیا[1]۔ دوپہر ختم ہوئی تو اُٹھ کر منزل کو روانہ ہوگیا۔ یہ مثال ہے منزلِ آخرت کے راہی کی۔

صدقہ اپنے لئے اور اپنے خاندان کے لئے جائز نہ رکھا

سردارِ انبیاءؐ ایک دن گھر میں تشریف فرما تھے۔ حضرت حسنؓ آپؐ کے نواسہ نے چارپائی پر پڑی کھجور اُٹھا کر مُنہ میں ڈال لی حضور نے دیکھا تو فرمایا آخ تھو! نکال پھینکو۔ یہ صدقہ کی کھجور ہے۔ جو میری اولاد کے لئے جائز نہیں ہے۔ اور نواسے سے کھجور اُگلوا دی[2]۔

بے شک زہد یعنی دولت کمانا لیکن عیش و عشرت سے دُور رہنا بڑا مشکل امر ہے لیکن جن کی محبّت خدا سے لگی ہو جن کا مطمحِ نظر وہ خُدا ہو جس پر اُن کی نظر ٹِک گئی ہو وہ دُنیا کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ دُنیا کی رعنائیاں اور اُس کا جمال ان کی نظر اور توجہ کو اپنی طرف مبذول نہیں کر سکتے خوب فرمایا اس منزل کے ایک راہی نے ؎

درجہاں و باز بیرون از جہاں
بس ہمیں آمد نشانِ کاملاں

آپؐ تو دُعا فرمایا کرتے تھے اے اللہ! مجھے مسکینی یعنی عجز و انکسار کی زندگی عطا کر۔ میری موت بھی مسکینی کی حالت میں آئے اور قیامت کے

---

[1]۔ ما انا فی الدنیا الا کراکب استظلّ تحت شجرۃ ثمّ ترکھا۔
ترمذی ابواب الزھد باب ماجاء فی اخذ المال۔

[2]۔ بخاری ابواب الزکوٰۃ باب مایذکر فی الصدقۃ للنبیّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

دن مسکینوں کے ساتھ میرا حشر ہو۔[1]

حضرت سلمانؓ کے اسلام کے واقعہ میں مؤرخ ابن ہشام نے ایک عجیب حکایت لکھی ہے جس سے حضورؐ کے زہد پر روشنی پڑتی ہے۔ اسلام سے قبل حضرت سلمانؓ آتش پرست تھے۔ ان کے ابا ان سے بے حد محبت کرتے تھے۔ انہیں گھر سے بھی نہ نکلنے دیتے۔ ایک دن انہوں نے سلمان کو اپنی جائداد اور زمین کے کام کے سلسلہ میں باہر بھیجا اور تاکید کی کہ جلد چلے آنا۔ زیادہ دیر باہر نہ ٹھہرنا۔ سلمان ایک گرجا کے پاس سے جو گزرے تو وہاں عبادت ہو رہی تھی۔ پادری عبادت کروا رہا تھا اُن کے کانوں کو یہ آواز اچھی معلوم ہوئی۔ گرجے میں چلے گئے اور بیٹھے سُنتے رہے گھر پہنچے ابا نے دیر کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے تمام ماجرا کہہ ڈالا اور عرض کی ہمارے مذہب سے یہ مذہب اچھا ہے۔ ابا نے لاکھ سمجھایا لیکن سلمانؓ آتش پرستی اور عیسائیت کا موازنہ کر کے عیسائیت کو ترجیح دے چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے عیسائیت کو قبول کر لیا۔ اور گرجا میں اس پادری کے ساتھ رہنے لگے۔ انہوں نے دیکھا کہ پادری لوگوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دیتا اور لوگوں سے جو وصول ہوتا اُسے اپنے پاس جمع کرتا جاتا۔ حتیٰ کہ اس نے سونے چاندی کے سات گھڑے بھر لئے۔ حضرت سلمانؓ کہتے ہیں۔ مجھے اس پادری سے سخت نفرت ہو گئی جب وہ مرا اور عیسائی اس کی تکفین و تدفین کے لئے جمع ہوئے تو سلمانؓ نے کہا یہ بہت بُرا شخص تھا۔ تمہیں صدقہ کی تلقین کرتا تھا۔ لیکن

---

[1] ترمذی ابواب الزھد باب ماجاء ان الفقراء والمهاجرین یدخلون الجنة قبل اغنیائھم۔

غریبوں، مسکینوں پر خرچ کرنے کی بجائے خود اپنے لئے جمع کرتا اور مسکینوں کو تو ایک پیسہ نہ دیتا تھا۔ سلمانؓ نے اُن کی تسلّی کے لئے اُن کو وہ سات گھڑے دِکھا دیئے چنانچہ لوگوں نے اس پادری کو مذہبی رسُوم کے ساتھ دفن کرنے کی بجائے اس کی لاش کو صلیب پر لٹکایا اور اُسے کوڑے ملے۔ پھر اُس کی جگہ کسی اور آدمی کو جو اچھا تھا گرجا میں مقرر کیا جب وہ مرنے لگا تو سلمان نے کہا کہ مجھے بتا دیجئے میں آپ کے بعد کہاں جاؤں؟ اُس نے کہا بیٹا! لوگ بہت بدل گئے ہیں۔ موصل میں ایک شخص اس نام کا ہے وہ نیک آدمی ہے میرے بعد تم وہاں چلے جانا۔ چنانچہ سلمانؓ نے اس کی نصیحت پر عمل کیا۔ جب اس کی وفات کا وقت قریب آیا تو سلمانؓ نے اُس سے بھی اُسی طرح پوچھا تو اس اُسقف نے کہا بیٹا! میرے بعد تو "نصیبین" میں فلاں پادری کے پاس چلے جانا۔ چنانچہ سلمانؓ نے اس کی نصیحت پر عمل کیا اور نصیبین میں اُس شخص کے پاس چلا گیا جب اُس کا آخری وقت آیا تو سلمانؓ نے اُس سے بھی اُسی طرح پوچھا اُس نے سلمانؓ کو کہا تم میرے بعد عموریہ (روم) چلے جانا۔ وہاں میری طرح کا پادری ملے گا۔ چنانچہ سلمانؓ نے ایسا ہی کیا اور وہاں کچھ کام بھی کرنا شروع کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں سلمانؓ کے پاس کچھ گائیں اور بکریاں ہوگئیں اَب جب اُس پادری کا آخری وقت آیا تو سلمانؓ نے اُس سے پوچھا میں کہاں جاؤں؟ اُس نے جواب دیا بیٹا! آج ہم میں مذہب پر صحیح عامل تو کوئی رہا نہیں لیکن پیغمبر آخر زمان کا وقت آگیا ہے جو ابراہیمؑ کے دین پر آئے گا اور عربوں میں سے ہوگا۔ اس کی علامت یہ ہوگی کہ وہ ہدیہ کھائے گا صدقہ نہیں کھائے گا۔ اور اس کے دونوں کندھوں کے درمیان نبوّت کی مُہر ہوگی۔ کھجوروں والی زمین میں

مبعوث ہوگا۔

سلمانؓ کہتے ہیں اُس کی وفات کے بعد میں عموریہ میں رہا یہاں تک
کہ کلبؔ قبیلہ کے تجّار کا ایک گروہ وہاں آنکلا میں نے اُن سے کہا مجھے
عرب کی سرزمین میں لے چلو اُس کے عوض میں تمہیں یہ گائیں اور بکریاں
دُوں گا چنانچہ یہ سودا ہوگیا لیکن جب وہ وادی القُریٰ میں پہنچے تو انہوں
نے وعدہ خلافی کرتے ہوتے مجھے ایک یہودی کے پاس بیچ دیا۔ میں بادلِ ناخواستہ
اُس یہودی کے پاس رہنے لگا۔ ایک دن اُس یہودی کا چچازاد مدینہ سے آیا
اور اُس نے مجھے اُس سے خرید لیا اور مجھے مدینہ لے آیا۔ چنانچہ مجھے یہ زمین
وہی معلوم ہوئی جو مجھے مرنے والے نے بتائی تھی۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم
ہجرت کر کے مدینہ تشریف لانے والے تھے۔ اس یہودی کا ایک رشتہ دار
اُس کے پاس آیا اور اُس نے بتایا۔ لوگ آج قبا میں اس آدمی کے لئے اکٹھے
ہو رہے ہیں جس نے نبوّت کا دعویٰ کیا ہے۔ سلمانؓ کہتے ہیں جب میں نے یہ
سُنا تو مجھ پر کپکپی طاری ہوگئی میں کھجور پر چڑھا ہوا تھا۔ جلدی جلدی نیچے
اُتر آیا اور اپنے مالک یہودی سے پوچھا یہ آپ کا رشتہ دار کیا کہتا تھا؟ میرا مالک
بڑا ناراض ہوا اس نے مجھے ایک تھپّڑ رسید کیا اور کہا چل تو اپنا کام کر لیکن میں
نے شام کو جو کچھ میرے پاس تھا لیا اور قبا حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔
میں نے سُنا ہے آپ بزرگ آدمی ہیں۔ اور آپ کے ساتھی کچھ غریب
حاجتمند ہیں میری طرف سے یہ صدقہ لے لیجئے میری رائے میں آپؐ سے زیادہ
اس کا حقدار اور کوئی نہیں۔ اور میں نے وہ چیزیں حضور کی خدمت میں پیش
کر دیں۔ حضور نے اپنے ساتھیوں کو فرمایا۔ تم کھاؤ۔ لیکن آپؐ نے ہاتھ نہ
بڑھایا۔ میں نے اپنے دل میں کہا یہ علامت بھی پوری ہوئی پھر میں چلا گیا اور

کچھ اور جمع کرتا رہا۔ اس عرصہ میں حضور بھی مدینہ میں تشریف لے آئے تھے۔ اَب مَیں نے پھر حاضر ہو کر وہ چیزیں پیش کیں اور عرض کی یہ ہدیہ ہے۔ جو آپؐ کی خدمت میں پیش ہے چنانچہ اس بار حضور نے اس میں سے کچھ تناول فرمایا اور اپنے اصحاب کو بھی کھانے کے لئے دیا۔ اب مَیں نے کہا یہ علامت بھی پوری ہوگئی۔ اس کے بعد مَیں نے حضور کو دیکھا آپ ایک جنازہ میں شمولیت کی غرض سے تشریف لے گئے تھے میرے دل میں یہ تھا کہ مَیں کسی طرح نبوّت کی وہ مُہر دیکھوں۔ حضور کا چہرہِ مبارک میری طرف تھا۔ تقدیر خداوندی تھی حضور نے اپنی کمر میری طرف کی اور اُوپر جو چادر تھی وہ سرک گئی اور مَیں نے وہ مُہر کا نشان دیکھ لیا۔ مَیں آگے بڑھا اس مُہر کو بوسہ دیا اور مَیں زار زار رونے لگ گیا۔ حضورؐ نے مجھے اپنے سامنے بٹھالیا۔ مَیں نے سارا واقعہ حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا۔ لیکن مَیں ابھی غلام تھا کچھ عرصہ غلام رہا۔ پھر حضورؐ نے فرمایا تم اپنے مالک سے مکاتبت کرلو۔ اصُول یہ تھا کہ غلام آقا سے اپنی قیمت ڈالوا لیتا تھا اور پھر کما کر وہ قیمت ادا کر دیتا تھا اور اس طرح وہ آزاد ہو جاتا تھا اسے مکاتبت کہتے تھے چنانچہ سلمانؓ کہتے ہیں۔ مَیں نے اپنے آقا سے مکاتبت کرلی تو حضورؐ نے صحابہ میں تحریک کر کے میری قیمت مالک کو ادا کردی۔ اور مَیں آزاد ہوگیا۔[1]

حدیث کی کتُب میں آیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے بتایا اللہ تعالےٰ نے مجھے فرمایا کہ اگر تُو چاہے تو مکّہ کی بطحا وادی تیرے لئے سونے کی بنادُوں۔ مَیں نے عرض کی۔ اَے پروردگار! مَیں تو چاہتا ہوں ایک

---

[1] ابن ہشام جلد اوّل زیرِ عنوان حدیث اسلام سلمان رضی اللہ عنہ۔

دن بھوکا رہوں اور ایک دن سیر ہو کر کھانا ملے۔[1]

جس شخص کی دُنیوی زندگی کے لئے یہ تمنّا ہو۔ اُس سے بڑھ کر کون زاہد ہو سکتا ہے۔ مال ملے، کمائے لیکن اپنی ذات پر بقدر کفاف خرچ کرے۔ یہی حقیقی زہد ہے۔



---

[1] ترمذی ابواب الزھد۔ باب ماجاء فی الکفاف والصبر علیہ۔

اللہ تعالیٰ سے عشق

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبت خدا سے تھی۔ اس بات کی شہادت تو آپؐ کے اشد مخالفین نے بھی دی۔ انہوں نے کہا

عَشِقَ محمّدٌ ربّہٗ ۔ کہ محمدؐ اپنے رب کا عاشق ہے۔

اس ذات احدیت کے لئے آپ نے کیا کیا مصائب نہیں جھیلے۔ مختلف انبیاء نے اپنے محبوب حقیقی یعنی خدا کے عشق و محبت میں بہت راگ الاپے۔ لیکن نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی عشق و محبت میں ڈوبی ہوئی مناجات کی کوئی مثال نہیں۔ آپؐ سوتے اور جاگتے، سفر اور حضر، خلوت اور جلوت، آسائش اور تنگی میں خدا ہی کو پکارتے۔

آپؐ کی مناجات

آپؐ اپنی دعاؤں میں خدا کی محبت طلب کرتے۔ آپؐ کی ایک دعا یہ تھی

"اے اللہ ہمیں اپنی محبت عطا کیجیو ۔ اور اس کی بھی محبت جس سے آپ محبت کرتے ہیں۔ اور اس چیز کی محبت جو مجھے آپ کے قریب کر دے اور آپ کی محبت مجھے میری جان، میرے اہل اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب ہو۔" [۱]

---

[۱] ترمذی ابواب الدعوات جزء ثانی ص ۱۸۷ ۔

اِس دُعا سے بھی ظاہر ہے کہ اللہ کی ہر محبوب شئے سے بھی آپؐ محبت کرتے تھے۔ کہ محبوب کی ہر چیز محبوب ہوتی ہے۔ آپ کی ایک مناجات یہ ہے۔

"تمام بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے شر تیری طرف سے نہیں۔ میں تیری پناہ چاہتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوں۔ تو پاک اور بلند ہے مَیں تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں اور تیری طرف لوٹتا ہوں۔ اے اللہ! مَیں تیرے حضور جھکا۔ تجھ پر ایمان لایا۔ تیرے سپرد اپنے آپ کو کیا میری شنوائی اور میری بینائی اور میری ہڈیاں اور میرے اعصاب تیرے لئے جھک گئے۔" [1]

خُدا سے مخاطب ہو کر دُعا کرتے ہیں۔

"میرے مولا! مَیں حاضر اور میری خوش قسمتی کہ مجھے تیرے حضور حاضر ہونے کا موقع ملا۔ مَیں تیری پناہ میں آیا۔" [2]

آپؐ اپنے ساتھیوں کو بھی یہی وصیت فرماتے کہ خدائے ذوالجلال والاکرام کی پناہ طلب کیا کرو۔ [3]

عشق باری تعالےٰ کے مختلف پہلو

خدا سے عشق کا اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس محبوب کی طرف سے جو کچھ آیا اُس کی قدر کی اگر کشائش آئی تو شکر کیا اور تنگی دیکھی تو اُس کے حضور

---

[1] ترمذی الواب الدعوات باب ماجاء فی الدُعاء عند افتتاح الصّلوٰۃ صـ۱۷۹

[2] ترمذی ابواب الدعوات باب ماجاء فی الدُعاء عند افتتاح الصّلوٰۃ صـ۱۷۹

[3] ترمذی ابواب الدعوات جلد ثانی صـ۱۹۱۔

جھکے اور صبر کیا۔ شکوہ نہیں کیا۔ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں آپؐ نے کبھی کسی کھانے میں نقص نہیں نکالا[1]۔ ایک واقعہ سنیئے

ایک بار اُفق پر غبار چھایا آپؐ مضطرب ہو کر ٹہلنے لگے میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ بادل آئے ہیں گھبرانے کی کونسی بات ہے؟ فرمایا ثمود کی قوم پر اسی طرح ہوا چلی تھی جس نے سب کچھ تباہ کر کے رکھ دیا تھا۔ اس کے بعد اندھیری دُور ہوئی اور بارش برسنے لگی۔ باہر تشریف لائے۔ زبان پر بارش کا قطرہ لیا اور فرمایا! میرے رب کی تازہ نعمت[2]۔

اس محبوب کی طرف سے جو آیا اُسے محبوب جانا۔ کوئی آزمائش آپ کو خدا سے دُور نہ کر سکی۔ کوئی لالچ اُس کے دَر سے نہ ہٹا سکا۔ مکّہ میں ایک بار کفّار قریش اکٹھے ہو کر ابو طالب کے پاس آئے اور کہا اپنے بھتیجے کو آپ منع کریں۔ وہ ہمارے بتوں کو بُرا بھلا کہتا ہے۔ ہم اَب یہ برداشت نہیں کر سکتے یا آپ ایک طرف ہو جائیں ہم اس سے خود ہی نمٹ لیں گے۔ چنانچہ حضرت ابو طالب نے آپؐ کو بُلایا اور کہا میرے بھتیجے! آج تیری قوم آئی تھی اور اس نے یہ کہا تھا۔ میرے بھتیجے اَب مجھ میں اُن کے مقابلہ کی طاقت نہیں اور اُنہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر اُسے کسی عورت کی خواہش ہے تو ہم عرب کی حسین ترین عورت اُس کے عقد میں دینے کے لئے تیار ہیں۔ اگر وہ عرب کی ریاست چاہتا ہے تو ہم اس کے سر پہ عرب کا تاج رکھنے کے لئے تیار ہیں۔ وہ ہمارے بُتوں کو بُرا بھلا کہنے سے باز آجائے۔ حضور نے سب کچھ سُنا۔ سر کو کچھ دیر کے لئے جھکایا پھر فرمایا۔

۱۔ ترمذی ابواب الاطعمۃ۔ ۲۔ بحوالہ سیرت النبیؐ۔ شبلی جلد دوم ص ۲۶۶۔

چچا! اگر وہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی رکھدیں اور پھر کہیں کہ خدا کی توحید کے اعلان سے باز آجاؤں تو یہ نہیں ہوسکتا۔[۱]

بادشاہت کو اُس ذات احدیت کی خاطر ٹھکرا دیا، حسن وجمال کو خاطر میں نہ لائے دھمکیاں آپؐ کو اُس ذات سے الگ نہ کرسکیں۔

اُحد میں خدا کی عظمت کا نعرہ

دوسرا واقعہ جنگِ اُحد کا ہے۔ حضور زخمی ہو چکے تھے۔ دشمن نے یہ سمجھ لیا کہ آپؐ شہید ہو چکے ہیں۔ ابوبکرؓ بھی شہید ہو چکے ہیں، عمرؓ بھی اس دُنیا میں نہیں رہے اَب وہ اونچی ٹیکری پر کھڑے ہو کر یہ کہہ رہے تھے کیا تم میں محمدؐ ہیں؟ ابوبکرؓ ہیں؟۔ عمرؓ ہیں؟۔ حضور نے فرمایا چپ رہو جواب نہ دو۔ اس پر وہ یہ سمجھا کہ ہمارے جھوٹے خدا غالب آگئے اور مسلمانوں کا خدا شکست کھا گیا۔ اور انہوں نے نعرہ لگایا۔ اُعْلُ هُبُل۔ ہبل بت کی جے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا جواب کیوں نہیں دیتے۔ صحابہ نے عرض کی حضورؐ! کیا جواب دیں فرمایا کہو۔

اللّٰہُ اعلیٰ و اجلّ۔ اللہ غالب اور بلند ہے۔

خدا کو آپؐ کے سامنے کوئی یہ کہہ دے کہ وہ مغلوب ہو گیا۔ خطرہ کی انتہائی حالت میں بھی یہ برداشت نہیں۔ اس کے بعد انہوں نے کہا" لنا العُزّیٰ ولا عُزّیٰ لکم" ہمارا عزّیٰ بُت ہے اور تمہارے پاس کوئی عزّیٰ نہیں۔ آپؐ نے فرمایا جواب دو اور کہو "اللّٰہُ مولٰنا ولا مولیٰ لکم" ہمارا کارساز

۱؎ ابن ہشام جلد ا جزء اوّل ص ۱۷۲، ص ۱۷۳۔

خدا ہے اور تمہارا کارساز کوئی نہیں[1]۔

اس واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ اپنے نفس سے بڑھ کر آپؐ کو خدا کے لئے غیرت تھی اُس سے عشق تھا۔ اس کو بُرا کوئی آپؐ کے سامنے کہے یہ برداشت نہ تھا۔ ہر حالت میں اُس کے نام کی عظمت کا اظہار آپؐ کی زندگی کا مقصود تھا۔ خانہ کعبہ میں آپؐ کی مناجات اور طویل سجدے بھی اس پر گواہ ہیں۔ ایک دن آپؐ سجدہ میں پڑے تھے کہ دشمنوں نے اونٹنی کی بھاری بچہ دانی آپؐ پر لاکر رکھ دی۔ حضورؐ دیر تک سجدہ میں پڑے رہے اور اپنے رب سے محوِ راز و نیاز رہے[2]۔ آپؐ کی زندگی کا مطالعہ کرکے ہی دشمن نے یہ خراج تحسین ادا کیا تھا کہ محمدؐ اپنے رب پر عاشق ہے اور اپنوں کی شہادت سے اعترافِ عدو زیادہ وزن رکھتا ہے۔ کہ دشمن نے ہر جھوٹ آپؐ کو ناکام کرنے کے لئے بولا تھا۔ اُنہوں نے ہر صداقت چھپائی تھی۔ سوائے اس کے جسے وہ چھپا نہ سکے اور اِس راز کو وہ بھی نہ چھپا سکتے تھے۔ نہ جھٹلا سکتے تھے۔



---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوہ اُحد۔

[2] بخاری باب مالقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ من المشرکین بمکۃ۔

جذبۂ تبلیغ

نبی اور رسول خدا کے پیغام بَر ہوتے ہیں وہ خدا کا پیغام بندوں تک پہنچاتے ہیں اور یہ اُن کا فریضہ ہوتا ہے۔ جس کے لئے وہ کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے کسی مصلحت کا خیال کئے بغیر وہ اللہ کا پیغام سُناتے ہیں اور اس راہ میں ہر صعوبت کو اُٹھاتے ہیں ہر مصیبت جھیلتے ہیں۔ کوئی لالچ انہیں اس فرض کی ادائیگی سے ہٹا نہیں سکتا۔ انہیں اس راہ میں پیدا ہونے والی مشکلات کے دُور ہونے سے خدا تعالیٰ کی طرف سے یقین ہوتا ہے اور اپنے مشن کی کامیابی پر پورا بھروسہ ہوتا ہے۔

قرآن کا حکم اور صحابہؓ کی شہادت

قرآن مجید کی آیت میں محمّد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کو حُکم تھا کہ میرا پیغام دُنیا تک پہنچائیں اور اگر آپؐ ایسا نہیں کرتے تو آپؐ نے رسول ہونے کا حق ادا نہیں کیا۔ یہ بھی حکم تھا کہ آپؐ اپنے قریبی رشتہ داروں کو بھی خدا کے پیغام سے آگاہ کریں[1]۔ اور یہ بھی فرمایا تھا کہ مکّہ کو مرکز بنا کر تمام ماحول میں خدا کا پیغام پہنچائیں[2]۔ اور اس طور پر بار بار پیغام پہنچائیں کہ ان پر

---

[1] وانذر عشیرتک الاقربین سورۃ الشعراء آیت ۲۱۵۔

[2] لتنذر امّ القریٰ ومن حولھا۔ الانعام آیت ۹۳

تمام معاملہ واضح ہو جائے[1]۔ آپؐ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ شاہد ہے کہ آپؐ نے خدا کے اس حکم پر عمل کرنے اور اس کا پیغام پہنچانے کا حق ادا کیا۔ آپؐ کی زندگی کے آخری سال میں قریباً ایک لاکھ اشخاص نے آپؐ کے پوچھنے پر کہ کیا میں نے خدا کا پیغام پہنچا دیا؟ یہی جواب دیا کہ ہاں آپؐ نے پہنچا دیا[2]۔ آپؐ نے کونسی تکلیف اور مصیبت اس راہ میں برداشت نہیں کی۔ آپؐ کے سر میں کوڑا کرکٹ ڈالا گیا۔ گلے میں پٹکا ڈال کر بھینچا۔ اڑھائی سال تک بائیکاٹ کیا۔ جس سے فاقہ کشی تک نوبت پہنچی۔ آپؐ کے صحابہ کو طرح طرح کی اذیتیں آپؐ کے سامنے دی گئیں لیکن کوئی چیز آپؐ کو خدا کے احکام کی تبلیغ سے روک نہ سکی، مکّہ میں ارقم کے گھر کو تبلیغی مرکز بنا کر آپؐ نے فریضۂ تبلیغ کو جاری رکھا۔ مکّہ میں عکاظ کی وادی میں زمانۂ جاہلیت کی منڈی لگتی تھی جس میں عرب اپنے ادب کا شعروں اور تقریروں کے ذریعہ سے اظہار کرتے، تجارت کرتے، خرید و فروخت کرتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے جاتے مختلف قبائل کے خیموں میں جا کر خدا کا پیغام پہنچاتے، کوئی سنتا، کوئی تمسخر اڑاتا۔ لیکن آپؐ خدا کا پیغام پہنچاتے رہے۔ مکّہ میں حج کے ایّام میں بھی آپؐ لوگوں کو پیغامِ حق پہنچاتے[3]۔ تبلیغ احکامِ الٰہی میں مخالفت بھی ممّد ہوئی۔ کفارِ قریش مکّہ کے راستوں پر جا کر ڈیرے ڈال دیتے اور مکّہ میں آنے والوں کو کہتے دیکھنا ہمارے ایک آدمی نے اس قسم کا دعویٰ کیا ہے۔ اس کی باتیں دل کو لبھانے والی ہیں۔ دیکھنا اس کی بات نہ سننا۔ اور بعض تو کانوں میں

---

[1] فاصدع بما تومر۔ حجر آیت ۹۵۔ [2] بخاری کتاب المنازل باب حجۃ الوداع۔
[3]۔ ابن ہشام جلد اول جز اول ص ۱۶۹ ص ۱۸۷۔

رُوئی ٹھونس کر مکّہ میں داخل ہوتے لیکن اگر خوش قسمتی سے کسی نے یہ پیغام سُن لیا تو دِل میں اُتر گیا اور بعض دفعہ لوگ چھپ چھپا کر آتے پیغام الٰہی سُنتے اور اُسے قبول کر کے واپس اپنے مسکن کو لوٹ جاتے. شروع میں بعض قبول اسلام کو مخفی رکھتے، بعض علی الاعلان اُس کی تبلیغ کرتے. اس ذریعہ سے بھی مختلف قبیلوں میں اسلام پھیلا - کفّار قریش لوگوں کو کہتے محمدؐ جادوگر ہے، کاہن ہے مجنونؐ ہے - چنانچہ قبیلہ شنوءۃ کا رئیس ضماد بن ثعلبہ اسی طرح مسلمان ہوُا. وہ یہ سُن کر آیا کہ محمدؐ کو جنون ہو گیا ہے - مَیں اس کا جھاڑ پھونک کے ذریعے علاج کروں گا - لیکن جب آپ کی وعظ سُنی تو اُس نے کہا یہ نہ کاہن کی باتیں ہیں، نہ جادوگر کا کلام اور نہ شاعر کا قصیدہ - یہ تو دریا کی تہ تک میں اثر کرنے والا کلام ہے اور بیعت کر لی۔[۲]

حضرت ابوذر غفاریؓ آپؐ کی نبوّت کا چرچا سُن کر آئے اور چھپتے چھپاتے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضور کی تبلیغ سُنی تو مسلمان ہو گئے - جا کر قبیلہ کو پیغام سُنایا تو آدھا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔[۳]

صحابہ مبلّغ تھے

پھر حضور کا ایک یہ بھی طریق تھا کہ حضورؐ نے مختلف صحابہ کو تبلیغ کیلئے تیار کیا اور انہیں مختلف اطراف میں روانہ کیا - مصعبؓ بن عمیر کو مدینہ میں تبلیغ کے لئے بھیجا - کہ تبلیغ کا کام جب وسعت اختیار کرتا ہے تو پیغامبر کے

---

[۱] ابن ہشام جلد اوّل جز اوّل ص۱۷۴ و ص۱۸۱ - [۲] اکمال فی اسماء حالات ضماد بن ثعلبہ۔

[۳] مسلم جلد ثانی کتاب الفضائل باب فی فضائل ابی ذرؓ۔

دست و بازو بھی مبلّغ بنتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مصعبؓ کی تبلیغ سے مدینہ میں اسلام پھیلا۔ اور حدیث سے ثابت ہے کہ لوگوں کی درخواست پر حضورؐ نے بعض دفعہ بعض وفود بھی تبلیغ کے لئے بھیجے۔ ان میں سے بعض کو مخالفین نے دھوکہ سے شہید بھی کر دیا۔ ان میں سے ایک مبلّغ حضرت انس کے ماموں حرامؓ بن ملحان تھے اُن کا واقعہ ہے کہ وہ کھڑے ہو کر اسلام کا پیغام پہنچا رہے تھے کہ کسی نے پیچھے سے آکر اُن کی کمر میں نیزہ مارا جو پیٹ کے پار ہو گیا۔ اور ساتھ ہی خون کا فوارہ پھوٹ پڑا۔ حرامؓ نے اپنا اوک خون سے بھرا منہ پر چھڑک لیا اور کہا فُزْتُ وربِّ الکعبۃ کعبہ کے خدا کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔ میں نے مقصود زندگی پا لیا۔[۱]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عزیز صحابی اور اپنے داماد حضرت علیؓ کو فرمایا

"لَاِنْ یھدی اللہ بک رجلا خیرٌ لک من ان تکون لک حُمر النعم۔"

"علی اگر تیرے ذریعہ ایک شخص ہدایت پا جائے تو یہ چیز تیرے لئے سُرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے۔"[۲]

اُونٹ عربوں کے لئے بوجہ اپنے افادہ کے بہت مفید اور اہم مال تھا اس لئے حضورؐ نے یہ لفظ استعمال فرمایا۔ حضورؐ نے حضرت علیؓ کو یمن تبلیغ کے لئے بھیجا۔ آپ کی تبلیغ سے یمن کے مُلک میں سب اطراف سے

۱؎ بخاری کتاب الجھاد والسیر باب من ینکب اویطعن فی سبیل اللہ۔

۲؎ بخاری کتاب الجھاد والسیر باب فضل مَنْ اسلم علی یدیہ رجل۔

لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ مغیرہ بن شعبہ کو حضورؐ نے نجران تبلیغ کے لئے بھیجا۔

تجّار کے ذریعہ تبلیغ

مکّہ اور مدینہ عربوں کی تجارتی شاہراہ پر واقع تھے شمال وجنوب کے وفود جب یہاں سے گزرتے تو حضور ان کو بھی جاکر تبلیغ کرتے چنانچہ بحرین کے قبیلہ عبد القیس کے تاجر منقذ بن حبان تجارت کے سلسلہ میں مدینہ سے گزرے۔ حضور کی تبلیغ سنی اور مسلمان ہوگئے۔ حضور مبلغین کو جب باہر بھجواتے تو فرماتے تبلیغ میں بشارت کا پہلو نمایاں ہو۔ لوگوں کا بدکانا اچھا نہیں۔ ان کے سامنے مشکلات اور تنگیاں بیان نہیں کرنا بلکہ خدا کی رحمت اور نعمت کے پہلو کو ان کے سامنے رکھنا فرمایا یسّرا ولا تعسّرا بشّرا ولا تنفّرا[۱] پھر ان مبلغین کی مساعی کے نتیجہ میں ان ملکوں اور علاقوں سے وفود حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے اپنی عقیدت کا اظہار کرتے اور اسلام سے وابستگی کا اعلان کرتے۔ بعض تحقیق حق کے لئے آتے اور تحقیق کے بعد قبیلہ کی طرف سے اسلام کا اظہار کرتے۔ بعض اوقات تحقیق کے بعد معاملہ قبیلہ کے سامنے جاکر رکھتے جس کے نتیجہ میں قبیلہ کے سارے لوگ اسلام قبول کر لیتے۔

ہدایت کے لئے دُعا

پھر حضورؐ نے کئی لوگوں کی ہدایت کے لئے دُعا فرمائی۔ حضرت عمرؓ آپؐ

۱؎ بخاری کتاب الاحکام باب امر الوالی اذا وجّہ امیرین الی موضع أن یتطاوعا ولا یتعاصیا۔

کی دُعا کے نتیجہ میں مسلمان ہوئے۔ تاریخ نے آپؐ کی اس دُعا کو ان الفاظ میں محفوظ کیا ہے۔

"اَللّٰھُمَّ اعزّ الاسلام بابی جھل بن ھشام او بعمر بن الخطاب[1]۔

اور ابن ہشام نے یہ الفاظ تاریخ میں درج کئے ہیں۔

اللّٰھم ایّدِ الاسلام بابی الحکم بن ھشام او بعمر بن الخطاب[2]۔

اے اللہ عمر بن یعنی عمر بن الخطابؓ اور عمر بن ہشام میں سے ایک کو اسلام کا فدائی بنا دے تا اسلام کو تقویت نصیب ہو۔

ایک دن حضرت عمرؓ گھر سے تلوار سونت کر نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے نکلے اور کسی کے یہ بتلانے پر کہ پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو تمہارے بہنوئی سعیدؓ مسلمان ہو چکے ہیں۔ وہ سیدھے بہن کے گھر پہنچے بہنوئی کو مارا بہن بیچ میں آگئی تو وہ بھی پٹ گئی لیکن جب اسی گھر میں بہن کے کہنے پر منہ ہاتھ دھو کر قرآن سُنا تو عمرؓ کا پتھر دل پگھل گیا۔ سیدھے مسلمانوں کے تبلیغی مرکز دار ارقم میں پہنچے۔ دروازہ پر دستک دی۔ اس موقعہ پر ایک صحابی نے ان کے دامن کو پکڑ کر بڑے جذبے سے کہا عمر کیوں اسلام نہیں لاتے میں نے کل ہی نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو تمہاری ہدایت کے لئے دُعا کرتے سُنا ہے[3]۔ بہرحال عمر آئے اور ہمیشہ کیلئے اسلام کے تابع فرمان بن گئے

---

[1] ترمذی ابواب المناقب باب مناقب عمر۔ [2]۔ ابن ہشام جلد اول صفحہ ۲۳۱۔

[3]۔ ابن ہشام جلد اول صفحہ ۲۳۱۔

اسی طرح حضرت ابوہریرہ دوسی یمنی کی والدہ بہت سخت تھی۔ ابوہریرہ تبلیغ کرتے تو وہ حضورؐ کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیتی۔ ایک دن اُس نے شاید کچھ زیادہ ہی ابوہریرہ کا دِل دُکھایا۔ ابوہریرہؓ روتے روتے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا کہ میری ماں حضور کو بُرا بھلا کہتی ہے۔ اس کی ہدایت کے لئے بھی دُعا فرماویں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا۔

"اے پروردگار عالم! ابوہریرہ کی والدہ کو ہدایت نصیب فرما"۔

ابوہریرہ گھر پلٹے دروازہ پر دستک دی۔ تو اندر سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی۔ ماں نے کہا ٹھہرو۔ والدہ غسل کر رہی تھیں۔ غسل کے بعد دروازہ کھولا۔ تو یہ کہہ رہی تھیں۔ "مَیں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ ایک ہے اور محمدؐ اس کے رسول ہیں"۔[1]

اس دُعا کی تاثیر

مَیں نے وہ تدابیر بھی اوپر بیان کی ہیں۔ جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کے لئے اختیار فرمائیں۔ لیکن سچ یہ ہے کہ اسلام کی اشاعت اور تاثیر خدا کی تقدیر تھی۔ اور نتیجہ تھا میرے آقا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی اندھیری رات کی دُعاؤں کا۔ اس فانی فی اللہ کی دُعائیں تقدیر الٰہی سے ہم آہنگ ہوئیں اور آسمان پر ایک شور برپا ہوگیا۔ فرشتوں کی فوجیں زمین پر اُتریں اور دلوں کو ہاتھ میں لے کر انہوں نے نرم کیا۔ شدید دشمن، خون کے پیاسے، بغض وحسد کی آگ میں جلنے والے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے شیدائی بن گئے۔

---

[1] اصابہ فی معرفۃ الصحابہ حالات ابوھریرۃ۔

مسیح پاک کیا خوب فرماتے ہیں۔

"وہ جو عرب کے بیابان ملک میں ایک عجیب ماجرا گذرا کہ لاکھوں مُردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے اور پشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے اور آنکھوں کے اندھے بینا ہو گئے اور گونگوں کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہوئے اور دُنیا میں ایک دفعہ ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سُنا۔ کچھ جانتے ہو وہ کیا تھا۔ وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دُعائیں ہی تھیں جنہوں نے دُنیا میں شور مچادیا اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اس اُمّی بیکس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ بِعَدَدِ ھَمِّہٖ وَغَمِّہٖ وَحُزْنِہٖ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ وَاَنْزِلْ عَلَیْہِ اَنْوَارَ رَحْمَتِكَ اِلَی الْاَبَدِ"۔[1]

ثمامہؓ بن واثل صحابی کہتے ہیں۔ جب تک میں نے آپؐ کو مانا نہ تھا آپؐ میرے نزدیک تمام مخلوق خدا سے زیادہ مبغوض تھے اور جب میں نے آپؐ کو مان لیا تو آپؐ خدا کی مخلوق میں مجھے سب سے زیادہ محبوب تھے۔[2] بغض محبت میں بدلتا ہے تو سیرت کے نتیجہ میں۔ اور خدا کا یہ پیغمبر سیرت اور کردار ہر لحاظ سے کامل تھا۔ آپؐ کی دُعاؤں نے دلوں کی بنجر زمینوں سے محبت کے نخل اُگائے۔ ابوجہل کا بیٹا عکرمہؓ خادمِ اسلام بن گیا۔ حمزہ کا کلیجہ چبانے

---

[1] برکات الدعا صفحہ ۱۱ روحانی خزائن۔

[2] مسلم جلد ثانی کتاب الجہاد والسیر باب ربط الاسیر وحبس وجواز المن علیہ۔

والی ہندہ نے اسلام کی اطاعت کا جُوا پہن لیا، اُحد کے میدان میں درہ کی جانب سے حملہ آور ہونے والا ولید کا بیٹا خالدؓ خدا کی تلوار بن گیا۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کے نتیجہ میں دلوں کے زنگ چھٹ گئے۔ بیگانے اپنے بن گئے۔ حضور کی تبلیغ اور نیک نمونہ سے بُغض کرنے والے عاشق صادق اور فدائی بن گئے۔

طائف والوں کو تبلیغ

خدا کے پیغام کو پہنچانے کا ایک واقعہ اخیر میں بیان کر کے اس باب کو بند کرتا ہوں۔ مدینہ کی طرف ہجرت سے تھوڑا پہلے جب حضور نے محسوس کیا کہ مکّہ والے کما حقہٗ میرے پیغام پر توجہ نہیں دیتے تو آپؐ مکّہ سے جانب جنوب مشرق چالیس میل کے فاصلہ پر طائف میں تشریف لے گئے۔ یہ علاقہ بہت سرسبز اور زرخیز تھا۔ یہاں خوشحال لوگ آباد تھے۔ حضورؐ نے دس دن یہاں ٹھہر کر گھر گھر خدا کا پیغام پہنچایا۔ آخر میں آپؐ نے یہاں کے رئیس عبدیالیل کو اسلام کی دعوت دی لیکن اُس بدبخت نے استہزار کا رویہ اختیار کیا اور کہا آپؐ یہاں سے چلے جائیں۔ اُس نے اسی پر بس نہیں کی بلکہ شہر کے آوارہ اوباش نوجوانوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا۔ انہوں نے جھولیوں میں پتھر بھر لئے اور حضورؐ پر آوازے کسنے اور پتھر برسانے شروع کئے۔ اس سنگ باری سے حضور کا جسم لہولہان ہو گیا۔ تین میل تک یہ نادان حضور کا تعاقب کرتے رہے۔ طائف سے تین میل کے فاصلہ پر مکّہ کے ایک رئیس عتبہ کا باغ تھا اس میں حضورؐ نے پناہ لی۔ ظالم طائف کو واپس ہو گئے۔ حضور نے درخت کے سائے میں کھڑے ہو کر اپنے پروردگار سے عرض کیا۔

"اے اللہ میں اپنی کمزوری اور قلتِ تدبیر اور لوگوں کے بالمقابل اپنی بے بسی کی تیرے حضور شکایت کرتا ہوں۔ اے میرے اللہ! اے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے! کمزوروں کا تُو ہی مولا ہے۔ میرا تو ہی کارساز ہے تو مجھے کس کے سپرد فرمائے گا۔ پروردگار! کیا تو نے دشمن کے سپرد میرا معاملہ کر دیا ہے۔ اگر تو مجھ پر ناراض نہیں تو مجھے ان تکالیف کی پرواہ نہیں کہ تیرا دامن عافیت میرے لئے وسیع ہے۔ مجھے قسم ہے تیرے روشن چہرہ کی جس سے ظلمات دُور ہوئیں اور دین و دُنیا درست ہو گئی۔ تو مجھ سے ناراض نہ ہو مجھے تیری رضا درکار ہے اور تیرے علاوہ کسی کو کوئی قوّت اور طاقت نہیں"[1]

عتبہ اور شیبہ نے دیکھا تو قبیلہ داری اور قومیّت کا احساس ہُوا۔ انہوں نے اپنے غلام عِداس کے ہاتھ کشتی میں لگا کر کچھ انگور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کئے[2] یہاں حضور نے خون دھویا۔ کچھ دیر آرام فرمایا۔ پہاڑوں کا فرشتہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور عرض کی۔

"اگر حکم دیں تو پہاڑوں کو باہم ٹکرا دُوں اور ان کے درمیان آباد اس بستی کو پیس کر رکھ دُوں"

لیکن رحمۃ للعالمینؐ نے فرمایا "نہیں" اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے۔ یہ جانتے نہیں[3]۔ اور فرمایا "ایک دِن آئے گا۔ یہ لوگ مجھے قبول کریں گے"۔

---

[1]، [2]۔ ابن ہشام جلد اوّل جز ثانی ص۲۸۶۔

[3]۔ بخاری کتاب بدء الخلق جز ثانی مصری ص۱۴۰۔

الغرض خدا کا برگزیدہ رسول ہر دور میں خدا کا پیغام پہنچاتا رہا۔ افراد نے آپ کی تبلیغ سے اسلام قبول کیا۔ پھر قبائل میں اسلام پھیلنے لگا۔ وفود حضورؐ کی خدمت میں آنے لگے۔ تبلیغی وفود باہر جانے شروع ہوئے۔ دیار و امصار میں اسلام کا سورج چمکنے لگا۔ بادشاہوں کو تبلیغی خطوط لکھے خدا کے برگزیدہ نبیؐ نے تئیس سال تک خدا کا پیغام پہنچایا۔ ہر حالت میں تبلیغ کی۔ ہر طبقہ میں تبلیغ کی، ہر زمانہ میں کی۔ اور لاکھوں کے مجمع نے بآوازِ بلند کہا: "آپؐ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔"

آپؐ نے خدا کے پیغام کو مِنْ وعَنْ پہنچایا۔ نرمی سے پہنچایا۔ محبت سے پہنچایا۔ کسی کو اچھا لگے یا بُرا۔ تبلیغ بند نہ کی۔ تبلیغ میں کوئی سودا بازی نہ کی۔ ایک بار مخالفین نے کہا اس وحی میں سے کچھ حصہ بُرا لگتا ہے بدل دیں۔ تو خدا کی طرف سے آپ کو یہی جواب آیا کہ "اے رسول انہیں کہدے یہ میرا اختیار نہیں۔ یہ میری مرضی نہیں۔ یہ خدا کی وحی ہے جس کا پہنچانا میرا فرض ہے۔ اور میری ساری زندگی اس کی دلیل ہے کہ میں نے اس بارہ میں کبھی سودا بازی نہیں کی۔"[1]



---

[1] - قال الذین لا یرجون لقاء نا ائت بقران غیر ھذا او بدّلہ قل ما یکون لی ان ابدلہ من تلقاء نفسی ان اتبع الا ما یوحی الیّ - (یونس آیت ۱۶)

صحابہؓ سے شفقت و محبّت

لوگ کہتے ہیں فلاں ایک مقناطیسی شخصیت ہے۔ لوگ ہیں کہ اس کی طرف کھچے چلے آتے ہیں اور یہ مقناطیس محبت اور حُسنِ سلوک ہے۔ بے شک ایک ظاہری حُسن و جمال ہوتا ہے لیکن جو تاثیر محبت میں ہے وہ کسی دوسری چیز میں نہیں۔ محبّت کا تیر دل کے پار ہو کر رہتا ہے۔ محبت بیگانوں کو اپنا بنا لیتی ہے، محبت دشمن کو دوست بنا دیتی ہے خدا کے رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تو رحمتِ مجسم تھے۔ خود خدا تعالےٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے آپؐ نرم دل اور نرم خُو ہوئے۔ اور اس کی وجہ سے لوگ آپؐ کے گرد پروانوں کی طرح اکٹھے ہو گئے[1]۔ آپؐ کی رحمتوں کو محسوس کرنے والی ایک ہستی نے کہا! کہ مخلوق نے جو شفقت اور رحمت آپؐ کی دیکھی وہ کسی نے ماں سے بھی نہیں پائی۔ ماں کی مامتا مشہور ہے۔ ماں بچّے کی تکلیف برداشت نہیں کرتی وہ بچّے سے بے اختیار اور دیوانہ وار پیار کرتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق آپؐ کے صحابہؓ سے یہی تھا۔ آپؐ صحابہ کے لئے شفیق ماں کی طرح تھے۔ اس شفقت کو محسوس کرنے والے ایک عاشق

---

[1] فبما رحمة من الله لِنتَ لهم ولو كنتم فظًّا غليظ القلب لانفضوا مِن حولك۔ (آل عمران آیت ۱۶۰)

صادق نے آپؐ کے اس وصف کو یوں بیان کیا ہے۔ ؎

آں ترحم ہا کہ خلق از وے بدید

کس ندیدہ در جہاں از مادرے

ایک بار آپؐ کے ایک ساتھی سعدؓ بن عبادہ بیمار پڑ گئے۔ حضورؐ اُن کے گھر عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ اس کی تکلیف دیکھ کر آپؐ آبدیدہ ہو گئے آپؐ کو روتے دیکھا تو صحابہؓ کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ پڑے[1]

زاہرؓ سے محبت کا انداز

ایک بار آپؐ بازار تشریف لے گئے۔ وہاں آپؐ کا ایک غریب ساتھی زاہرؓ مزدوری کر رہا تھا۔ پسینہ سے شرابور۔ حضورؐ نے دبے پاؤں جاکر پیچھے سے اُس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس غریب بے کس نے سوچا "مجھ سے کون پیار کر سکتا ہے"؟ پھر خیال آیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہیں۔ اَب جب اُس نے یہ دیکھا کہ آقا ایک خادم سے پیار کر رہا ہے تو لگے یہ بھی اپنا جسم حضور سے ملنے۔ کہ تھپائے تو مارا کرد گستاخ۔ والا معاملہ ہوُا کہ مہربان کی مہربانیاں شوخی کا باعث بنیں، اب جب راز و نیاز ہونے لگے تو حضورؐ نے فرمایا۔ بھئی! میرا ایک غلام ہے۔ بیچنا چاہتا ہوں۔ کوئی خریدار ہے۔ زاہرؓ کو اب اپنی حیثیت کا احساس ہوُا۔ کہنے لگا یا رسول اللہ! میرا خریدار کون ہو سکتا ہے۔ اسے اپنی بے بضاعتی کا خیال آیا۔ تو میرے آقا نے فرمایا۔ زاہر یہ تو

---

[1] بخاری کتاب الجنائز باب البکاء عند المریض۔

نے کیا کہا تمہارا خریدار خود عرش کا خدا ہے[1]۔ بتاؤ جو پیار کی کیفیت اس واقعہ میں نظر آتی ہے۔ وہ وہی ہے کہ نہیں جو ماں اپنے بچے سے کرتی ہے؟۔

---

[1] شمائل الترمذی باب ضحک النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومزاحہ۔

انسان دوست

حضورؐ کی شفقت ہر طبقہ سے تھی۔ حضورؐ حقیقی معنوں میں انسان دوست تھے۔ آپؐ انسانیت کا احترام قائم کرنے والے تھے۔ اور انسان بچہ بھی ہے، غلام بھی ہے۔ دشمن بھی ہے۔ مظلوم ومقہور بھی تو انسان ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں عرب اپنی بچیوں کو عار اور جھوٹی عزت کے احساس سے زندہ درگور کر دیتے تھے۔ ایک بار ایک عرب کہیں باہر گیا ہوا تھا۔ اس کی غیر حاضری میں اس کے گھر بچی پیدا ہوئی۔ ماں نے اس کی پرورش کی۔ اور جب خاوند کے آنے کا وقت ہوا تو اسے ظاہر نہ کیا۔ چھپا کر اس کی پرورش کرتی رہی۔ جب بچی بڑی ہوگئی تو اسے اس خیال سے کہ اب تو اسے دیکھ کر اس کا دل پسیجے گا۔ باپ کے سامنے لائی کہ یہ آپ کی بچی ہے۔ باپ نے اپنی بچی کو دیکھا۔ دل میں ارادہ باندھا۔ جنگل میں باہر جا کر ایک جگہ گہرا گڑھا کھود آیا۔ کسی بہانے ایک دن بچی کو باہر لے گیا گڑھے کے کنارے کھڑا کر کے کہا بیٹی دیکھ یہ کیا ہے؟ پھر اُسے گڑھے میں دھکا دے دیا اور اُوپر مٹی ڈالنے لگا بچی چلاتی رہی ابّا! ہائے ابّا۔ یہ کیا کر رہے ہو اور ظالم باپ نے مٹی ڈال کر اس معصوم آواز کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا۔ یہ شخص مسلمان ہُوا تو اُس نے یہ واقعہ حضورؐ سے عرض کیا۔ حضورؐ نے واقعہ سُنا تو آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ اور آپؐ اتنے روئے کہ دامن تر ہوگیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ ظالم تو نے کس طرح یہ فعل

کیا۔ جبکہ وہ تجھے پکارتی رہی۔ ہائے ابّا کیا کر رہے ہو۔ اب دیکھئے باپ کا سخت دِل نہیں پسیجتا۔ حضورؐ مدت کے بعد واقعہ سنتے ہیں اور ایک رحمدل ماں کی طرح آبدیدہ ہو جاتے ہیں۔ اس بچّی کے زندہ درگور ہونے پر وہ روتی ہوگی جس نے بچّی کو جنم دیا تھا یا میرا رحیم و کریم آقا۔

درویشان مسجدِ نبوی سے محبّت

مکّہ میں کچھ ایسے بھی مسلمان تھے جنکی کسی سے قرابت داری نہ تھی غریب اور بے کس لوگ مسجد نبوی میں ہی رہتے لوگ کھجوروں کے خوشے لا کر لٹکا دیتے کھجوریں پک کر گرتیں۔ یہ کھا لیتے۔ یہ لوگ اصحاب صُفہ کہلاتے تھے۔ درویش قسم کے لوگ تھے ایک دن حضور کے ایک مشہور صحابی ابو ہریرہؓ کو جو بھوک نے تنگ کیا تو مسجد کی راہ میں کھڑے ہو گئے۔ ابو بکرؓ کا اُدھر سے گذر ہوا۔ تو اس آیت کے معنے پوچھے جس میں غریبوں مسکینوں کو کھانا کھلانے کی تاکید تھی۔ حضرت ابو بکرؓ نے معنے بتائے اور چل دیئے۔ لیکن ابو ہریرہؓ کا مسئلہ حل نہ ہوا۔ کہ وہ تو اس آیت کی عملی تفسیر چاہتے تھے، پھر عمرؓ گزرے ان سے ابو ہریرہؓ نے معنے پوچھے وہ بھی ابو ہریرہؓ کا منشاء نہ سمجھے معنے بتلائے اور چل دیئے۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ کے آقا اس کے محبوب، اس کے دوست کا گذر ہوا (ابو ہریرہؓ حضور کے متعلق میرا دوست کے لفظ بھی استعمال کرتے تھے) صاحب بصیرت آقا نے دیکھتے ہی کہا "ابو ہریرہؓ بھوک نے ستایا ہے بعرض کی ہاں یارسول اللہ۔ فرمایا آؤ میرے ساتھ اور ابو ہریرہؓ

۱۵؎ دارمی ص۱۔

کو ساتھ لے کر گھر کی جانب چل دیئے۔ راستہ میں کسی نے دودھ کا پیالہ پیش کیا۔ فرمایا۔ ابوہریرہؓ جاؤ اصحاب صُفّہ کو بلا لاؤ۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں مجھے خیال آیا۔ میں تو رہا بھوکے کا بھوکا۔ وہ آگئے تو پیالے میں سے مجھے کیا ملے گا۔ لیکن حضورؐ کا حکم تھا "مرتا کیا نہ کرتا" ان کو بُلا لایا۔ اب مجھے خیال آیا حضورؐ پہلے مجھے پینے کا ارشاد فرمائیں گے اور میں پیٹ بھر لوں گا۔ لیکن آپؐ نے فرمایا ابوہریرہ ان کو پیالہ دو یہ پئیں۔ حضورؐ ایک کے بعد دوسرے کو پیالہ دینے کے لئے ارشاد فرماتے اور میں دل ہی دل میں کُڑھتا کہ مجھے کیا ملے گا۔ جب سب پی چکے تو حضورؐ نے پیالہ اپنے ہاتھ پر رکھا اور شفیق آقا نے فرمایا ابوہریرہ لو تم پیؤ۔ میں نے سیر ہو کر دودھ پیا۔ اور پیالہ منہ سے ہٹا لیا۔ آپؐ نے فرمایا ابوہریرہ اور پیؤ۔ میں نے تعمیل ارشاد میں پھر پیا۔ پھر ارشاد ہوا اور پیؤ۔ میں نے اور دودھ پیا اور خوب سیر ہو گیا۔ فرمایا ابوہریرہؓ اور پیؤ۔ میں نے عرض کی حضورؐ اب تو دودھ میرے ناخنوں سے بہنے والا ہے اس کے بعد حضورؐ نے اس پیالہ سے خود دودھ نوش فرمایا[۱]۔ اس واقعہ میں پیار کا جو انداز ہے وہ وہی ہے کہ نہیں جو ماں بیٹے سے اختیار کرتی ہے۔

کہاں یمن کے دوس قبیلہ کا ابوہریرۃ اور مسجد میں فروکش درویش جس کا مدینہ میں کوئی بھی رشتہ دار نہیں لیکن محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوک اور شفقت اس سے وہی تھا جو ماں باپ اپنی اولاد سے رکھتے ہیں۔

اُمّت سے محبت

ایک بار حضورؐ نے عید کے موقع پر جانور کی قربانی دی پھر ایک جانور کی

---

[۱] ترمذی ابواب صفۃ القیامۃ جلد دوم ص۷۱۔

گردن پر چھری رکھی اور فرمایا خدایا یہ میری امت کے اُن لوگوں کی طرف سے جو قربانی کی طاقت نہیں رکھتے۔[1] یقیناً آج ہر باپ بھی یہ جذبہ اولاد کے لئے نہیں رکھتا۔

اُسامہؓ سے محبت

حضورؐ کا مُنہ بولا بیٹا زیدؓ تھا جس کا ذکر قرآن میں بھی آیا ہے۔ یہ ایک غلام تھا اور عربوں میں غلام کی کوئی حیثیت نہ تھی یہ طبقہ بہت ہی مظلوم و مقہور تھا۔ مالک جو چاہتا اُس سے سلوک کرتا۔ حالت مویشیوں سے بھی بدتر تھی۔ لیکن چونکہ زید کو حضورؐ نے اپنا مُنہ بولا بیٹا کہا تھا اور اُسامہؓ زید کے بیٹے تھے۔ حضورؐ اپنے نواسے حسین کو ایک زانو پر بٹھا لیتے اور اُسامہ کو دوسرے پر اور دونوں کو سینہ سے لگا کر بھینچتے اور فرماتے اللہ میں ان سے پیار کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت کیجیو۔[2] حضرت اُسامہ کا ناک خود صاف فرماتے۔[3] اپنوں سے محبت تو لوگ کرتے ہیں لیکن غیروں سے اور وہ بھی غلام کی اولاد سے اپنوں کی طرح محبت میرے آقا نے ہی کی۔ اللہ اس شفیق آقا پر اَن گنت رحمتیں نازل فرمائیے۔ یہ واقعات پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ میرا مدنی آقا خود مجھ غریب و بیکس سے پیار اور شفقت کر رہا ہے۔

بے کس عورت سے شفقت

مسجد نبوی میں ایک حبشی عورت جھاڑو دیا کرتی تھی۔ وہ فوت ہوگئی صحابہؓ نے

ص ۲۰۲، ۲۰۳

۱۔ ترمذی ابواب الاضاحی باب ماجاء ان الشاة الواحدة تجزی من اهل البیت

۲۔ بخاری مناقب الحسن والحسین۔ ۳۔ ترمذی ابواب المناقب باب مناقب اسامہؓ

جنازہ پڑھ کر اسے دفن کر دیا۔ صُبح حضوؐر کو علم ہُوا تو افسوس کا اظہار فرمایا اور فرمایا مجھے کیوں اطلاع نہ دی پھر صحابہ کے ساتھ اس غریب عورت کی قبر پر تشریف لے گئے اور نماز جنازہ ادا فرمائی[۱]

بچّوں سے محبّت

حضوؐر میں کتنی شفقت تھی اس کا اندازہ اس سے کیجئے۔ حضوؐر فرماتے ہیں مَیں نماز پڑھا رہا ہوتا ہوں نماز میں بچے کے رونے کی آواز سُنتا ہوں تو نماز مختصر کر دیتا ہوں کہ ماں کو تکلیف ہو گی[۲]۔ اللہ اللہ کتنی رحمت اور کتنی شفقت تھی میرے آقا کے شفیق دل میں۔

حضوؐر باہر سے تشریف لاتے بچّے آپؐ کو دیکھ کر آگے بڑھتے آپؐ ان کو سواری پر آگے پیچھے بٹھا لیتے ایک بار ایک بدو یعنی دیہات کا رہنے والا صحابی آیا۔ اس نے دیکھا آپؐ بچّوں کا پیار لے رہے ہیں۔ اس نے عرض کی حضوؐر میرے تو اتنے بچّے ہیں۔ مَیں نے کبھی کسی سے پیار نہیں کیا۔ آپؐ نے فرمایا اگر خدا نے تمہارے دل سے شفقت لے لی ہو تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ پھر فرمایا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔ خدا بھی اس پر رحم نہیں کرتا[۳]۔

سزا یافتہ پر شفقت

جنگِ تبوک میں کچھ صحابہ اپنے تساہل کی وجہ سے جنگ سے پیچھے رہ گئے۔

۱۔ بخاری ابواب الجنائز باب الصلوٰۃ علی القبر۔

۲۔ مسلم ابواب الصلوٰۃ باب امر الائمۃ بتخفیف الصلوٰۃ۔

۳۔ ادب المفرد۔ باب قُبلۃ الصبیان۔

ان میں سے ایک کعبؓ بن مالک بھی تھے۔حضورؐ نے اُن کو مقاطعہ کی سزا دی۔ وہ کہتے ہیں مَیں مسجد میں جاتا۔ حضورؐ مسجد میں تشریف فرما ہوتے میں سلام عرض کرتا اور جاکر نفل شروع کر دیتا اور مَیں دیکھتا کہ حضورؐ نظرِ شفقت سے مجھے دیکھ رہے ہیں۔ جب میں آپؐ کی طرف دیکھتا تو میرے چہرے سے نظر ہٹا لیتے۔[1] اللہ اللہ۔ اس سے بھی شفقت عیاں ہے باپ نے بیٹے کی حرکت کی وجہ سے تادیبی کاروائی کی۔ لیکن شفقت بیٹے سے قائم ہے۔ انتظام کے ذمّہ دار کو بعض اوقات انتظامی امور میں کسی کو ڈانٹنا ڈپٹنا بھی پڑتا ہے۔ کسی سے متعلق تادیبی کاروائی کرنی پڑتی ہے۔ اور یقیناً حضورؐ کو ایسا کرنا پڑا لیکن میرے آقا اپنے خدا سے التجا کرتے ہیں۔ اے آسمانی آقا! فرائض کی ذمہ داری میں مَیں کسی سے ناراض بھی ہُوا کسی کو کچھ کہا بھی۔ اللہ میری یہ سب کاروائی ان کی عفو کا سبب اور ان کے لئے رحمت اور قربت کا باعث بنا دے۔[2] کیا عجیب شفقت کا پہلو ہے میرے رحیم و کریم آقا کا کہ خدا سے التجا کرتے ہیں میرے مولا! میری سزا بھی ان کے لئے فضل و رحمت کا سبب بن جائے۔

مصعبؓ سے شفقت

اے عزیزو! شفقت کا طریق اس آقا سے سیکھو اور دُنیا والوں کے لئے رحمت بن کر ان کے در و دیوار پر برسو۔ مصعبؓ بن عمیر ایک صحابی تھے۔ جنہوں نے ناز و نعمت میں زندگی بسر کی تھی۔ جب مدینہ ہجرت کر کے آئے تو

---

[1] ۔ بخاری کتاب المغازی باب حدیث کعبؓ بن مالک۔

[2] ۔ مشکوٰۃ جلد اوّل صـ۱۱ کتاب الدعوات فی طریق الدعاء۔

مخالفوں نے سب کچھ چھین لیا اب ان کے پاس جسم چھپانے کے لئے کافی لباس بھی نہ ہوتا۔ حضورؐ اُن کو دیکھتے تو آبدیدہ ہو جاتے[۱]۔

مدینہ میں مہاجرین میں سے سب سے پہلے فوت ہونے والے صحابی عثمانؓ بن مظعون قریشی تھے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ وہ فوت ہو گئے تو حضورؐ نے اُن کی پیشانی پر بوسہ دیا[۲]۔ ایک بار ایک دیہات کا رہنے والا مسلمان آیا۔ وہ بے چارہ نہ آداب شہریت سے واقف تھا نہ آدابِ مسجد سے۔ مسجد کے ایک کونے میں پیشاب کرنے لگا۔ واضح رہے کہ مسجد نبوی اس وقت بھی کافی وسیع تھی۔ اس کا طول ایک سو پانچ فٹ تھا اور چوڑائی نوّے فٹ اور عمارت کی اونچائی ساڑھے دس فٹ۔ صحابہ اس کی طرف جوتے لے کر بڑھے آپؐ نے فرمایا "ایسا مت کرو" اسے پیشاب کر لینے دو جب وہ پیشاب سے فارغ ہوا تو فرمایا اس پر پانی بہا دو[۳]۔

اللہ اللہ ایسی رحمت ایسی شفقت۔ اور کیوں نہ ہوتی کہ خدائے ذوالعرش نے آپؐ کو رحمۃٌ للعالمین کا خطاب دیا تھا۔ اگر آقا نے اپنی اُمت سے بچوں کی طرح پیار کیا تو بخدا صحابہ نے بھی آپؐ سے اسی طرح پیار کیا کہ دُنیا میں انسانوں نے کسی سے ایسا پیار نہ کیا ہوگا۔ سچ ہے محبت محبت کو کھینچتی ہے۔ میرے آقا نے ہر طرف محبت کے پھول بکھیرے اس نے اس دُنیا کے چمنستان میں ہر طرف محبت کے پھول اُگائے۔ جس سے اپنوں نے بھی حصّہ پایا۔ اور

۱۔ ترمذی ابواب صفۃ القیامۃ۔

۲۔ شمائل ترمذی ابواب البکاء والفراش والتواضع۔

۳۔ بخاری کتاب الادب باب الرفق فی الامر کلہ۔

بیگانوں نے بھی۔ بچوں نے بھی اور جوانوں نے بھی۔ عورتوں نے بھی اور غلاموں
نے بھی، دوستوں نے بھی اور دشمنوں نے بھی۔ یہ محبت کا کرشمہ تھا کہ آپؐ کے
بعد بلالؓ نے اذان ترک کر دی کہ اب وہ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا کا لفظ ادا
نہ کر سکتا تھا۔ اور ابو ہریرہؓ آپؐ کے گھر کو دیکھ کر دھاڑیں مار مار کر روتے
تھے اور کہتے تھے میرے دوست محمدؐ نے یوں کہا تھا۔ میرے محبوب محمدؐ نے یوں
فرمایا تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

لیکن یہ وجدان اور ذوق تب پیدا ہو گا جب ہمارے دِل آپؐ کی محبت
سے سرشار ہوں۔ کہ اس راہ کے سالک نے فرمایا ؎

اگر خواہی دلیلے عاشقش باش
محمدؐ ہست برہانِ محمدؐ



سخاوت

سخاوت ایک اعلیٰ درجہ کا وصف ہے جو انسانیت کی زینت ہے اس کے بالمقابل بخل ہے جو سخاوت کی ضد ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کے مشہور صحابی حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔

"سخی شخص اللہ کے قریب ہے، جنّت کے قریب ہے، لوگوں کے قریب ہے اور آگ سے دُور ہے لیکن بخیل اللہ سے دُور، جنّت سے دُور، لوگوں سے دُور لیکن جہنم کے قریب ہے۔ اور فرمایا جاہل سخی اللہ کو عابد بخیل سے زیادہ محبوب ہے۔[1]"

حضرت عائشہؓ کی بہن اسماءؓ نے جو حضورؐ کی نسبتی بہن تھیں پوچھا۔

یارسول اللہ میرے پاس تو وہی ہوتا ہے جو میرے خاوند زبیرؓ کما کر لاتے ہیں کیا مَیں اُس سے اللہ کی راہ میں خرچ کروں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں خرچ کرو اور دیکھو تم گرہ نہ دو ورنہ اللہ بھی تمہارے لئے گرہ دے گا۔[2]

ابوامامہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔

---

[1] ۔ ترمذی ابواب البرّ والصّلۃ باب ماجاء فی السخاء۔

[2] ۔ ترمذی ابواب البرّ والصّلۃ باب ماجاء فی السخاء۔

"اے ابن آدم جو زائد ہے خرچ کر دے۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ اگر تو اُسے روک رکھے گا تو یہ تیرے لئے بُرا ہے۔ ہاں اتنا رکھ جتنا تیرے گزارہ کے لئے ضروری ہو اور تیری فیاضی کی ابتداء تیرے اہل خانہ سے ہونی چاہیئے۔ اور یاد رکھنا۔ دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے[1]۔

مشہور یہودی عالم حضرت عبداللہ بن سلام جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے وہ کہتے ہیں حضورؐ نے مدینہ میں تشریف آوری کے بعد سب سے پہلا کلام جو کیا وہ یہ تھا کہ لوگو! سلام کثرت سے کرو اور لوگوں کو کھانا کھلاؤ[2]۔

خود حضور کی فیاضی کی کیفیت کیا تھی۔ حضورؐ کے خادم حضرت انسؓ جو حضورؐ کے گھر میں ہی پروان چڑھے بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور آپ کی سخاوت رمضان میں تیز آندھی سے بھی زیادہ پُرجوش ہو جاتی[3]۔ یہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ گھر میں کچھ ذخیرہ نہ رکھتے جو آتا اُسے تقسیم فرما دیتے"

حضرت عمر فاروقؓ روایت فرماتے ہیں۔

"ایک دفعہ ایک آدمی آیا اُس نے حضورؐ سے کچھ عطا چاہی۔ حضورؐ نے اُسے کچھ دیا اور فرمایا باقی میرے ذمہ تمہارا قرض ہے جب بھی اللہ کی طرف سے کچھ آیا میں تمہیں مزید دُوں گا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کی۔ اے رسولِ خدا آپؐ نے جو موجود تھا اسے دیا۔ اللہ نے

---

[1] ۔ ترمذی ابواب الزھد باب ماجاء فی معیشۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

[2] ۔ ترمذی ابواب صفۃ القیامۃ۔

[3] ۔ شمائل ترمذی باب فی خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

آپ کی طاقت سے بڑھ کر تو آپ کو مکلّف نہیں کیا۔ حضور کو یہ بات ناگوار خاطر ہوئی۔ جب صحابہؓ نے یہ دیکھا تو ایک انصاری صحابی نے کہا۔ اے رسولِ خدا کیجئے خرچ۔ خدائے ذوالعرش کے خزانے کھلے ہیں آپ تنگی کا خوف نہ کریں۔ انصاری سے یہ سنا تو حضور کا چہرہ مبارک کھِل گیا اور فرمایا ہاں مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے[1]۔

وہ جس کے خزانے نہ ختم ہونے والے ہیں اس کے محبوب بندوں کے ہاتھ بھی ساون بھادوں کے بادل کی مانند برستے ہیں۔ نہ ان کا دل تنگ ہوتا ہے اور نہ وہ اپنا ہاتھ سکیڑتے ہیں۔ آپ کی محبوب بیوی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ حضورؐ کو اگر کوئی تحفہ دیتا تو آپ اُس کا بدلہ ضرور دیتے[2]۔ کیوں نہ دیتے آپ خدائے رحمان و رحیم کے مظہر تھے جو محنت کا بدلہ بھی دیتا ہے اور بغیر مانگے بھی دیتا ہے۔

موسیٰ اپنے باپ انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ سے جو شخص مانگتا اُسے دیتے ایک بار ایک آدمی آیا اُس نے آپ سے سوال کیا آپ نے اسے بھیڑ بکریوں کا اتنا بڑا ریوڑ دیا کہ جس سے پہاڑ کی وادی بھر جائے۔ وہ واپس اپنی قوم میں گیا تو کہنے لگا لوگو! مسلمان ہو جاؤ خدا کی قسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو اس طرح دیتا ہے کہ اُسے کسی تنگی یا محتاجی کا ڈر نہیں[3]۔ اسی حدیث میں ہے کہ جنگ حنین کے

۱۔ شمائل ترمذی باب ماجاء فی خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲۔ شمائل ترمذی باب ماجاء فی خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۳۔ مسلم کتاب الفضائل باب فی سخائہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

دن آپؐ نے صفوان کو سو اونٹ دیئے پھر سو اونٹ اور دیئے پھر مزید سو دیئے یعنی تین سو اونٹ دیئے۔ اندازہ کیجئے تین سو اُونٹ کی قیمت کیا ہوگی۔ صفوان کہتے ہیں محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے مجھے سب سے زیادہ نفرت تھی لیکن اس کے عطایا نے میرے بُغض کو محبت سے بدل دیا۔

آپؐ کی اسی سیر چشمی اور سخاوت کا یہ نتیجہ تھا کہ آپؐ کے قدموں میں ڈھیروں ڈھیر مال آیا۔ لیکن آپؐ نے اُسے جمع نہیں کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ جویریہ کے بھائی عمرو بن الحارث بیان کرتے ہیں کہ وفات کے وقت حضورؐ کا ترکہ صرف آپؐ کے ہتھیار اور سواری کی خچر تھی یا زمین جو کہ ٹرسٹ کی شکل میں تھی[1]۔

سورۂ نساء کی آیت نمبر ۲۸ میں قرآن نے صراحت کی ہے کہ خدا کی عطایا اور نعمتوں کو چھپانا بھی بخل ہے[2]۔ سب سے بڑی دولت اور نعمت جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئی تھی۔ وہ افضال اور پیغام و ہدایت تھی جو خدا کی طرف سے آپؐ کو عطا ہوئی تھی۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تقسیم میں کوئی بخل کیا؟۔ کیا آپؐ نے اس پیغام کو پہنچانے کے لئے اپنا آرام اپنی عزت اور اپنی جان تک راہ حق میں دینے سے بخل کیا؟ اللہ تعالےٰ نے عرش سے آپ کو یہ سند دی فلعلّك باخعٌ نفسك الّا یكونوا مؤمنین کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلمؐ شاید آپؐ تو اپنی جان اس غم میں گھلا دیں گے کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر

۱۔ شمائل ترمذی باب ملجاء فی میراث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلمؐ۔

۲۔ سورۃ نساء آیت ۲۸

جو آپؐ کی زندگی کا آخری حج تھا لاکھوں صحابہ سے آپؐ نے فرمایا اے میرے صحابہ تم قیامت کے دِن میرے بارے میں پُوچھے جاؤ گے۔ بتاؤ کیا شہادت دو گے صحابہ نے عرض کیا۔ اِنَّكَ بَلَّغْتَ وَاَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ۔ حضور آپؐ نے خدا کا پیغام ہم تک خوب پہنچایا اور اس کی تبلیغ کا حق ادا کر دیا اور ہماری خیر خواہی بہت عُمدہ کی۔ پھر آپؐ نے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور پھر لوگوں کی طرف اُسے کیا اور تین بار کہا اے آسمانی آقا۔ یہ گواہی مشاہدہ کر لے[1]

الغرض خدا کے محبوب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی کسی نعمت کو بندوں سے چھپایا نہیں جو کچھ خدا نے آپؐ کو دیا آپؐ نے راہِ خداوندی میں خدا کی مخلوق میں اُسے تقسیم کر دیا۔ وہ خدا کی رحمت لے کر دُنیا میں آئے تھے۔ اور یہ رحمت وہ تریسٹھ سال تک ایک امین کی طرح ہر طرف بکھیرتے رہے۔ وہ بے داغ اس دُنیا میں آئے تھے اور جب ان کا وقتِ رخصت آیا ان کا دامن بے عیب اور بے داغ تھا۔ اُسے جو کچھ خدا نے دیا وہ دنیوی نعمت تھی یا اُخروی نعمت۔ اُس نے دونوں ہاتھوں سے وہ بندوں میں لُٹائی اور جب وہ دُنیا سے رُخصت ہو گئے تو اُن کے خلفاء نے بھی اُن کی اسی سنّت پر عمل کیا۔

جابرؓ بن عبد اللہ کہتے ہیں ایک موقع پر حضورؐ نے مجھے فرمایا۔ جب بحرین سے مال آئے تو میرے پاس آنا میں تجھے اتنا دوں گا۔ اتفاق یہ ہُوا کہ مال کی آمد سے پہلے ہی حضورؐ اپنے آسمانی آقا کے پاس جا سدھارے حضرت

---

[1] - بخاری کتاب المناقب باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

ابو بکرؓ خلیفہ ہوئے تو بحرین سے مال آیا آپ نے فرمایا لوگو! حضورؐ نے اگر کسی سے وعدہ کیا تھا یا کسی کا قرض دینا تھا تو وہ میرے پاس آکر لے لے میں گیا تو ابو بکرؓ نے مجھے اس مال میں سے اتنا دے دیا جس کا وعدہ تھا۔ جب میں واپس ہونے لگا تو فرمایا اتنا اور لے لو۔[1]

کیا دنیوی سخی ایسی سخاوت کر سکتے ہیں کوئی بہت کچھ دے گا تو دنیوی مال ومنال آپ کو دے گا اور آج کی خود غرض دنیا میں تو باحیاء سخی چراغ لے کر ڈھونڈے سے نہیں ملتا۔ مگر مسلمانوں کا آقا خدا کا محبوب تو اس ذات احدیت کا خلیفہ تھا جس کے خزانے ختم نہ ہونے والے ہیں۔ اُس نے لوگوں کے گھر بھر دیئے۔ جو آپؐ کے قدموں میں آیا وہ سعادت دارین سے جھولیاں بھر کرلے گیا اور ہدایات اور آسمانی نعماء کا آپؐ نے وہ لازوال خزانہ چھوڑا کہ رہتی دُنیا تک دُنیا اس کے ابرِ سخاوت سے سیراب ہوتی رہے گی۔ آیئے ایک عاشق رسولؐ کے ہم نوا ہو کر کہیں ؎

یا ربّ صلّ علیٰ نبیّک دائمًا

فی ھٰذہ الدنیا وبعثٍ ثانٍ



---

[1] مسلم کتاب الفضائل باب فی سخائہٖ صلّی اللہ علیہ وسلم۔

عاجزی اور انکساری

جس شخص کے دل میں اللہ تعالٰے کی عظمت اور کبریائی کا صحیح تصوّر ہو۔ اس کا تعلق اس بلند و برتر ہستی سے ہو۔ اس کا دل فروتنی اور عجز کا مسکن ہوتا ہے۔ انسان خواہ کتنا ہی عظیم اور بڑا ہو خدا کی بڑائی کے مقابلہ میں اس کی کیا حقیقت ہے۔ اور یہ عظمت جو اس کو عطا ہوئی ہے۔ یہ اس عظیم ہستی کی عطا کردہ ہے۔ اس لئے جتنا کوئی خدا کا مقرب ہوگا اور جتنی کسی کو اس کی معرفت حاصل ہوگی اتنا ہی اس کے اندر عجز اور انکسار ہوگا۔ اور سیرت کے اس پہلو سے آپ کسی عظیم انسان کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا۔ کہ عظیم شخص کے اندر عاجزی ہوگی جبکہ خام خیال کبر میں مبتلا ہوگا۔

مذہبی دُنیا میں مذہبی راہنما کی سیرت اور تعلیم کے لحاظ سے عاجزی اور انکساری کی ایک اور اہمیّت بھی ہے۔ خدا کے مقربین کے بارہ میں ان کے مقلّدین کے غلو نے ان قوموں کو بھی افراط و تفریط کا شکار کر دیا۔ انہوں نے اپنے نبی کے مقام میں افراط سے کام لیا تو خدا کے مقام میں تفریط۔ عیسائیوں کی مثال لے لیجئے۔ انہوں نے مسیح کو الوہیت کا مقام دے کر جہاں مسیح کے بارہ میں افراط سے کام لیا وہاں معبود حقیقی کے درجہ اور مقام میں تفریط کی یہی حال بت پرست قوموں کا ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے اپنی امّت کو مخاطب ہو کر فرمایا۔

"میرے مقام کے بارہ میں اس طرح غلو نہ کرنا۔ جیسے عیسائیوں نے مسیح کے مقام میں غلو سے کام لیا۔"[1]

ابراہیم کی وفات اور حضور کا عجز

۱۰ ہجری کو جب آپ کے بیٹے ابراہیم فوت ہوئے۔ جن کی وفات پر آپؐ نے فرمایا تھا۔ آنکھ اشکبار ہے اور دل غمگین لیکن زبان پر وہ کلمہ نہ لائیں گے جس سے خدا راضی نہ ہو اور اسی بچہ کے بارہ میں فرمایا تھا کہ اگر میرا یہ بیٹا زندہ رہتا تو نبی ہوتا[2] اتفاق یہ ہُوا کہ ابراہیم کی وفات پر سورج کو گرہن لگا تو بعض لوگوں نے کہا ابراہیم کی وفات کی وجہ سے سورج گہنا گیا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو علم ہُوا تو آپؐ نے فرمایا سورج اور چاند کا گرہن خدا تعالےٰ کے نشانات میں سے ہے۔ ان کو کسی کی وفات کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا[3] اس واقعہ پر وہ غور کریں جو کہتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم وجاہت پسند تھے۔ کیا جاہ پسند ایسے اتفاق کو نشان بنانے سے انکار کرتا ہے۔ جب لوگ خود کہہ رہے ہوں اور حسنِ اتفاق نے ان کی تائید کر دی ہو۔ لیکن وہ راستباز بھی تھا اور منکسر المزاج بھی اور کبر سے تو خدا نے ان کو ہر طرح محفوظ کیا ہُوا تھا۔ اس لئے صحیح صورت حال کی وضاحت اور لوگوں کے غلط خیال کی آپؐ نے اصلاح فرما دی۔

۱۔ شمائل ترمذی باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲۔ ابن ماجہ باب ماجاء فی صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۳۔ بخاری کتاب الخسوف باب الصلوٰۃ فی کسوف الشمس۔

مناجات میں عجز کا اظہار

آپؐ کی مناجات میں اکثر یہ ہوتا کہ پروردگار میں تیرا بندہ ہوں اور تو میرا خالق و مالک ہے مجھے اپنی بشری کمزوریوں کا اعتراف ہے یہ اعتراف آپؐ کا عجز و انکسار تھا ورنہ وہ دنیا میں سب سے بڑھ کر راستباز اور مقدس انسان تھا جس سے بہتر ہوا نہ ہوگا۔ اسے خدا کے قرب کا وہ مقام حاصل ہوا ہے جو کسی اور کو حاصل نہ ہوا۔ لیکن اس کے باوجود حال یہ تھا کہ ایک موقعہ پر صحابہؓ سے فرمایا خدا کی رحمت اور فضل کے سہارے ہی نجات ہوگی اس کے بغیر ممکن نہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ بھی۔ فرمایا ہاں سوائے اس کے کہ خدا کی چادر رحمت مجھے اپنے دامن میں ڈھانپ لے[۱]۔ صحابہؓ کو مخاطب ہو کر فرمایا دیکھو خدا کی راہ میں مال دینے سے نہ کم ہوتا ہے اور نہ معاف کرنے سے عزت کم ہوتی ہے۔ تواضع اور انکساری سے انسان کو عظمت نصیب ہوتی ہے۔ آپ نے ایک بار صحابہ سے فرمایا مجھے یونس بن متیؑ پر بھی فضیلت نہ دو۔ عجز کی اس سے بڑی دلیل کیا ہوگی کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو نبیوں کا سردار قرار دیا۔ معراج میں آپ کو پیشوائے انبیاء قرار دیا کہ آپ سب انبیاء کے امام بنے تھے لیکن فرماتے ہیں مجھے یونس نبی پر بھی فضیلت نہ دو۔ اس میں غیروں کی دلجوئی بھی مدنظر تھی۔ ایک موقعہ پر ایک یہودی کے کہنے پر کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ کو تمام انبیاء پر فضیلت دی ،، مسلمان نے اس کو تھپڑ مار دیا۔ یہودی نے حضورؐ کے پاس شکایت کر

---

[۱] بخاری کتاب الرقاق باب القصد والمداومۃ علی العمل۔

دی تو حضور نے اس سے منع فرمایا[1] - اور جب کسی نے آپؐ کو یا خیر البریّہ اے مخلوق سے بہتر! کہا تو فرمایا وہ ابراہیم ہیں[2]. فتح مکّہ کے موقع پر جب ایک کافر کانپتا ہوا آیا تو آپؐ نے فرمایا گھبراؤ مت میں قریش کی اس عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت کھاتی تھی[3]. آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا میرے لئے ایسے نہ کھڑے ہوا کرو. جس طرح لوگ عجمی بادشاہوں کے لئے کھڑے ہوتے ہیں.

آپؐ کی تواضع کا یہ حال تھا کہ آپؐ کو ایک شخص نے ان الفاظ سے مخاطب کیا. اے ہمارے آقا اور ہمارے آقا کے فرزند. ہم میں سب سے بہتر. اور ہم میں سب سے بہتر کے فرزند. آپؐ نے فرمایا تقویٰ سے کام لو. شیطان تمہیں پھسلا نہ دے میں عبداللہ کا بیٹا محمد ہوں. خدا کا بندہ ہوں اور رسول ہوں. خدا نے مجھے جو مرتبہ بخشا ہے اس سے آگے نہ بڑھاؤ[4].

عبداللہ بن سخیر صحابی بیان کرتے ہیں ہم آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا حضور ہمارے آقا ہیں. ارشاد فرمایا آقا خدا ہے پھر ہم نے عرض کی آپؐ سب سے افضل اور برتر ہیں فرمایا بات کرو تو دیکھ لو کہ شیطان تو تم کو نہیں بہکا رہا[5].

عجز کا عملاً اظہار

میرے آقا کے عجز کی گواہی حضرت عائشہ سے بھی سن لیجیے فرماتی ہیں.

---

۱. مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل موسیٰ.

۲. مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل ابراھیم الخلیل. ۳. لباب الخیار ص۹۸

۴. مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل ابراھیم الخلیل.

۵. ابو داؤد کتاب الادب.

حضور گھر تشریف لاتے تو گھر کا کام کاج کرتے بکریاں دودھتے اپنی جوتی خود سی لیتے۔ گھر کے کام کاج میں ہمارا ہاتھ بٹاتے۔ یہ اس شخص کا حال ہے جس کے وضوء کے پانی کو صحابہ زمین پر نہ گرنے دیتے تھے۔ فتوحات کے دن انسان کی زندگی میں عظمت کے دن ہوتے ہیں میرے آقا کی زندگی میں ایسے کئی دن آئے لیکن فتح مکہ کا دن انتہائی اہم دن تھا جب دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ میرے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں فاتحانہ صورت میں داخل ہوئے لیکن جانتے ہو اس وقت حضورؐ کے عجز و انکسار کا کیا حال تھا۔ سر مبارک جھک کر کجاوے سے لگ گیا تھا۔ اور زبان پر قرآن مجید کی سورۃ فتح کی آیات انا فتحنالك فتحاً مبیناً.... الخ تھیں[1]۔ کھانا کھانے بیٹھتے تو عاجزانہ اکڑوں نشست ہوتی۔ ایک بار ایک صحابی نے عرض کیا۔ یہ کیا کیفیت نشست ہے؟ فرمایا مجھے خدا نے خاکسار بندہ بنایا ہے جبار اور سرکش نہیں بنایا۔ مجلس میں تشریف فرما ہوتے تو آپؐ کے لئے خاص مسند نہ ہوتی۔ بعض دفعہ باہر سے آنے والوں کے لئے آپ کی شناخت مشکل ہو جاتی۔ غریب اور بیماروں کے گھروں میں تشریف لے جاتے اور ان کی عیادت فرماتے۔ سواری پر سوار ہوتے تو قیمتی زین نہ کسواتے۔ عجمیوں کی طرح ریشمی چادر زین پر نہ ڈلواتے بلکہ بسا اوقات سواری کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو جاتے بنو قریظہ کے دن حضورؐ نے گدھے کی سواری فرمائی اور لگام کی جگہ کھجور کی رسی استعمال کی[2]۔

ایک بار آپؐ خدام کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ مختلف افراد کے سپرد مختلف

---

[1]۔ ابن ہشام جلد جزء ۴ ص ۸۶۴۔

[2]۔ شمائل ترمذی باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ۔

کام فرمائے تو اپنے آپ کو ان لوگوں میں شامل کیا۔ جن کے سپرد لکڑیاں تلاش کر کے لانا تھا۔ اور جب میرے درویش آقا کو خدا نے فتوحات پر فتوحات دیں۔ تو مسکنِ نبوی مسجد کے ملحقہ حجرے ہی رہے۔ آپؐ نے محل تعمیر نہیں کروایا۔ تاج و تخت نہیں بنوایا۔ اپنے نام کا سکّہ نہیں چلوایا۔ آپؐ نے فتوحات کے بعد غریب ساتھیوں کو چھوڑ کر امیروں میں بسیرا نہیں کیا۔ دل میں معاذ اللہ کِبر پیدا نہیں ہُوا بلکہ جتنی دُنیا قدموں میں ڈالی گئی جتنی فتوحات عطا ہوئیں عاجزی اور انکساری اتنی ہی بڑھتی گئی۔

مکّہ فتح ہو گیا کُفر کا سر پُر غرور کچل دیا گیا۔ آج مخالفین آپؐ کے رحم و کرم پر تھے مکّہ سے نکالنے والوں کی آنکھوں کے سامنے دس ہزار پُرجوش مجاہدین کے ساتھ میرے آقا کی سواری مکّہ میں داخل ہو رہی تھی۔ خانہ کعبہ کی چابیاں آج مسلمانوں کے ہاتھ میں تھیں۔ رئیس قریش ابوسفیان آج حضورؐ کی رکاب تھامے تھا۔ مکّہ کے سب کس بل نکل چکے تھے۔ چار سال سے مسلمانوں کو عمرہ کی اجازت نہ دینے والوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ آج ساری عزتیں محمد صلے اللہ علیہ وسلّم کے خدا اور اس کے بندے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کے لئے تھیں۔ لیکن وہ فاتح مکّہ اتنا سر جھکائے تھا کہ سر کجاوے سے لگ رہا تھا اور قرآن مجید کی آیات کی تلاوت فرما رہے تھے۔ تاریخ بتا کہ تو نے ایسا عظیم انسان دیکھا اور اس کی عظمت کا راز خدا کے لئے اُس کی تواضع عجز اور انکسار کے سوا اور کیا تھا۔

اے عظمتوں کے خواہاں انسان! اگر حقیقی عظمت چاہتا ہے۔
اگر چاہتا ہے کہ تیری عظمتوں کے گیت آسمان پر گائے جائیں

تو اس کے لیۓ عاجزی اور انکساری اختیار کر۔ یہ نسخہ میرے آقا محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے۔ جو خدا کے لۓ عاجزی اختیار کرتا ہے۔ اللہ اسے بلندیوں سے ہم کنار کرتا ہے۔[۱]



۱۔ اذا تواضع العبد رفعہ اللہ الی السماء السابعۃ (کنز العمال جلد ۲ صـ ۵۳)

عدل و مساوات

اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے۔ اللہ تعالےٰ نے محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب دُنیا کے لئے بھیجا ان کا پیغام کسی خاص قوم یا نسل یا رنگ کے لئے نہ تھا۔ آپؐ کے صحابہ میں بلالؓ حبش کے تھے، صہیبؓ روم کے اور سلمانؓ فارس کے اور اُمت میں ان بزرگوں کا جو مقام تھا وہ اِس سے ظاہر ہے کہ امیرالمؤمنین عمر فاروقؓ بلالؓ کو آتا دیکھتے تو فرماتے ہمارا آقا بلالؓ آیا، ہمارا آقا بلالؓ آیا[۱]۔ اور فتح مکّہ کے دن عربوں کو بلالؓ کے جھنڈے تلے امان ملی۔ صہیبؓ کے متعلق حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا تھا۔" میرا جنازہ وہ پڑھائیں"[۲] اور حضرت سلمانؓ وہ صحابی ہیں جن کے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ سَلمان مِنّا[۳] کہ سلمان ہم میں سے ہے۔ یہ ہمارا ہے گویا اُسے اپنے خاندان کا فرد قرار دیا۔

حجۃ الوداع کا خطبہ۔ انسانی حقوق کا منشور

حضورؐ کا حجۃ الوداع کا خطبہ بنیادی حقوق اور انسانی مساوات کا شاہکار

۱۔ اکمال فی اسماء الرجال و اسد الغابۃ۔

۲۔ اکمال فی اسماء الرجال حالات حضرت عمر بن خطاب۔

۳۔ اکمال فی اسماء الرجال حالات سلمان فارسی ابن ہشام جلد ۲ جز ثالث ص ۷۰

ہے جس میں آپؐ نے فرمایا "تمہارے خون، تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں اسی طرح محترم و مامون ہیں جس طرح حج کا یہ دن، یہ مہینہ، یہ شہر واجب الاحترام ہے۔"[1]

پھر فرمایا:-

"کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں اور نہ کسی عجمی کو عربی پر سوائے تقویٰ کے۔"

اور حضورؐ نے فرمایا تھا تم سب ایک باپ آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ یہ مختلف قبیلے امتیاز کے لئے ہیں۔[2] اس کی مثال ایسے ہے کہ ایک باپ اپنے بیٹوں کے نام مختلف رکھتا ہے اور اس کی غرض صرف امتیاز ہوتی ہے۔ ورنہ اسلام میں کوئی طبقات نہیں۔ اس سوسائٹی میں نیکی وجہ عزت ہے ہاں وجہِ فخر اور مباہات نیکی بھی نہیں کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ "وہی بہتر جانتا ہے کہ نیک کون ہے"۔[3]

اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ اسلامی صفوں میں قومی طور پر اُس وقت شگاف پیدا ہُوا۔ جب عرب اور عجم کی کشمکش پیدا ہوئی۔ بنو امیہ نے عربوں کو ہر شعبہ زندگی میں آگے کیا پھر اس کا ردِ عمل بنو عباس کی صورت میں ظاہر ہُوا۔ مسلمانوں کی مثال تو اللہ تعالےٰ نے ایک عمارت سے دی ہے۔ افرادِ اُمت کی مثال اینٹوں کی ہے کہ ہر اینٹ دوسری کے لئے مضبوطی

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب حجۃ الوداع، بخاری کتاب الحج باب الخطبۃ ایام منیٰ۔

[2] ، [3]۔ سورہ حجرات آیت ۱۴۔

اور سہارے کا باعث ہُوا کرتی ہے۔

مکمّل مساوات

افراد قوم کے درمیان مکمّل مساوات اسلامی تعلیم کا طُرۂ امتیاز ہے خود نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم معاشرتی طور پر اپنے آپؐ کو ممتاز نہ رکھتے تھے۔ آپ پڑھ چکے ہیں جنگِ بدر کے موقع پر صفوں کی درستی کے وقت جب ایک شخص کے ننگے جسم کو آپؐ کی چھڑی چھُو گئی اور اُس شخص نے انتقام لینا چاہا تو آپؐ نے اپنی کمر ننگی کر دی تھی کہ لو انتقام لے لو۔

اسی طرح ایک بار مال غنیمت کی تقسیم کے وقت ہجوم کی وجہ سے ایک شخص آپؐ پر آ گِرا۔ آپؐ نے دستِ مبارک میں پتلی سی چھڑی کے ذریعے اس کو ٹہوکا دیا۔ چھڑی کا سرا اس کے مُنہ پر لگا اور اُسے خراش آ گئی تو آپؐ نے فرمایا مجھ سے انتقام لے لو۔ لیکن اُس نے عرض کیا یارسول اللہؐ میں نے معاف کر دیا[1]۔

قانونی مساوات

اسلام میں قانونی طور پر تمام افراد مساوی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "تم سے پہلی قومیں اس لئے ہلاک ہوئیں کہ جب بڑے آدمیوں سے کوئی قصور ہوتا تو اُسے چھوڑ دیا جاتا اور جب کمزور اُسی جرم کا مرتکب ہوتا اسے سزا دی جاتی۔ ایک بار مخزوم قبیلہ کی فاطمہ نامی عورت

---

[1]۔ ابوداؤد باب القود بغیر حدید۔

نے چوری کی یہ عورت کوئی معمولی عورت نہ تھی صحابہ کو خیال آیا کہ اس کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں چنانچہ انہوں نے مشورہ کیا کہ کس کو حضورؐ کی خدمت میں سفارش کے لئے بھجوایا جائے آخر یہ طے پایا کہ اسامہؓ حضور کو سب سے پیارا ہے اُسے بھجوایا جائے۔ چنانچہ اسامہؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا۔ حضور نے سُنا تو چہرہ مبارک غصّہ سے سُرخ ہوگیا۔ آپ نے فرمایا اسامہ کیا تو خدا کی مقرر کردہ سزا کے بارہ میں سفارش کرتا ہے۔ یہ تو فاطمہ مخزومیہ ہے اللہ کی قسم اگر محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلّم) کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں اُس کے بھی ہاتھ کٹوا دیتا۔[1]

یہ واقعہ پہلے بیان ہوچکا ہے کہ اپنے نواسہ حسین اور غلام زادہ امام کو اپنے زانوؤں پر بیٹھا کر سینے سے لگاتے تھے۔ غلام زادہ اسامہؓ کو لشکر کا سپہ سالار بنایا اور ابوبکرؓ اور عمرؓ کو اُن کی کمان میں دیا۔ وہ غلام جن کا عرب میں کوئی پرسانِ حال نہ تھا اُن کا معاشرہ میں کوئی مقام نہ تھا۔ انہیں آزاد عربوں کے اُستاد بنایا۔ اہل علم نے ایسے غلاموں کی فہرست تیار کی جو مختلف علوم کے ماہر تھے اور آزاد اُن سے درس لیتے تھے۔

ایک بار ایک غیر مسلم قرض خواہ آیا اُس نے حضورؐ سے سختی سے قرض کا مطالبہ کیا۔ صحابہ کو اس پر طیش آیا اور اُس کے مزاحم ہوئے اور کہا جانتے ہو تم کس سے بات کر رہے ہو۔ حضورؐ نے فرمایا۔ بھئی قرض والے کو حق ہے اور صحابہؓ کو مزاحم ہونے سے روکا۔ پھر خولہ بنت قیس سے کھجوریں منگوا کر اُس کا قرض ادا کیا۔ اور اسے کھانا بھی کھلایا۔ اُس نے یہ خلق اور شفقت دیکھی تو

---

[1] بخاری کتاب الحدود باب اقامۃ الحدود علی الشریف والوضیع۔

مسلمان ہو گیا۔[1] آج صاحب اقتدار کیا کیا اپنے لئے امتیازی حق نہیں رکھتے لیکن مساوات کے عظیم علمبردار کا نمونہ یہ تھا۔

ہر ایک کیلئے ترقی کے یکساں مواقع ہیں

مساوات کا یہ بھی مفہوم ہے کہ ہر آدمی مساوی حق رکھتا ہے۔ کسی فرد کو اس کی معمولی صلاحیتوں کی بناء پر ترقی اور رُتبہ دیا جائے اور یہ نہ دیکھا جائے کہ وہ کسی بڑے گھرانے کا ہے یا نہیں۔ یا اُس کی کسی خاص آدمی نے سفارش کی ہے یا نہیں۔ حضورؐ نے اس بارہ میں انسانی مساوات و عدل کا بہترین نمونہ قائم فرمایا۔ جنگ موتہ جو ۸ھ ہجری میں پیش آئی اُس کے لئے جب شام کی طرف تین ہزار کا لشکر بھجوایا تو اس لشکر کا امیر زیدؓ بن حارثہ کو بنایا جس میں زیدؓ شہید ہو گئے۔ حضورؐ نے ۱۱ھ ہجری کو پھر اس طرف لشکر بھجوایا۔ اب زیدؓ کے بیٹے اسامہؓ کو امیرِ لشکر بنایا۔ ہاں اس لشکر کا جس میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابہ بطور سپاہی کے تھے اور جب کسی نے اس پر اعتراض کیا اور کسی عرب کی رگِ عصبیت بھڑکی۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ اگر تم اس کی امارت پر اعتراض کرتے ہو تو تم نے اُس کے باپ کی امارت پر بھی تو اعتراض کیا تھا۔ فرمایا خدا کی قسم یہ امارت کا حقدار ہے۔[2]

پھر اپنے ہاتھ سے اسامہؓ کے جھنڈے کو گرہ دی اور جب حضورؐ کی وفات کے بعد یہ لشکر روانہ ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ خلیفۃ المسلمین لشکر کو روانہ کرنے آئے

---

[1]۔ ابن ماجہ باب لصاحب الحق سلطان۔ و۔ انجاح الحاجۃ حاشیہ علی ابن ماجہ۔

[2]۔ مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل زید بن حارثہ وابنہ اسامۃ۔

تو اسامہؓ اس وقت گھوڑے پر سوار تھے اور حضرت ابو بکرؓ متابعت میں جا رہے تھے۔ اسامہؓ نے سواری سے اترنا چاہا لیکن حضرت ابو بکرؓ نے سوار رہنے پر ہی اصرار کیا اور فرمایا آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر بنایا ہے۔ غرض اس طرزِ عمل سے اس برگزیدہ انسان نے سبق دیا کہ تمام انسان بحیثیت انسان کے مساوی ہیں۔ بڑائی کوئی ورثہ میں لے کر نہیں آتا۔ اہلیت اور تقویٰ کی بناء پر ہر ایک کو رُتبہ ملنا چاہیئے۔

سفارش پر عُہدہ نہ دیا جائے

ایک بار حضرت ابو ذر غفاریؓ دو نوجوان لڑکوں کو لے کر آئے اور زکوٰۃ کی وصولی پر اُن کے تقرر کی سفارش کی۔ حضورؐ نے فرمایا ابو ذرؓ جسے عُہدہ کی خواہش ہو ہم اُسے عُہدہ نہیں دیتے۔ ابو ذر! جب آدمی کے سُپرد کوئی کام کیا جائے تو خدا اس کے نباہنے کی اُسے توفیق دیتا ہے۔ لیکن جب کام مانگ کر لیا جائے تو پھر کام اس پر حاوی کر دیا جاتا ہے[۱]۔ حضورؐ کی اس ہدایت میں کتنے سبق ہیں۔ جب کسی کو عُہدہ کی خواہش ہو گی تو اُس میں کچھ نفس پرستی کا دخل ہو گا۔ اور پھر اُس عہدہ سے فائدہ اُٹھانے کے زیادہ امکانات ہوں گے۔ عُہدہ میں بےنفسی بے حد اہم ہے۔ دوسرے حضورؐ نے سفارش کے رجحان کو روکا ہے۔ جس سوسائٹی میں سفارش بڑھ جائے وہاں ایک دوسرے کے حقوق کا اتلاف بھی شروع ہو جاتا ہے اور نا اہل آدمی آگے بڑھتا ہے جو مساوات کی رُوح کے خلاف ہے۔

۱؎ مسلم کتاب الامارۃ بابِ النہی عن طلب الامارۃ والحرص علیہا۔

عہدیدار قوم کا خادم ہے

پھر یہ بھی حضورؐ کا ارشاد ہے اور یہی آپؐ کا عملی نمونہ تھا کہ عہدیدار قوم کا خادم ہوتا ہے وہ اپنی ذمہ داری کی وجہ سے خدا کے حضور جواب دہ ہے۔ عہدہ ایک امانت ہے حضور نے یہ الفاظ ایک موقع پر ابوذرؓ سے فرمائے تھے۔ "ابوذر عہدہ ایک امانت ہے اور انسان بہرحال کمزور ہے چنانچہ حضورؐ کے تربیت یافتہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں" عہدیدار بننے کا اہل وہ شخص ہے جو عہدیدار نہ ہو تو بھی اپنی مسئولیت کی وجہ سے وہ یہ سمجھے کہ عہدیدار ہوں اور جب اُسے عہدیدار بنا دیا جائے تو وہ یہ سمجھے کہ مَیں ان میں سے ایک ہوں"[1] دیکھئے مساوات محمدی کا یہ کتنا اعلیٰ پہلو ہے کہ امیر کی اطاعت کا حکم ہے لیکن امیر کو یہی کہا ہے کہ وہ عوام کا خادم ہے اس کے پاس عوام نے امانت رکھی ہے۔ اور وہ بھی عوام میں سے ہے۔ جنگ بدر کے واقعہ میں یہ گزر چکا ہے کہ مسلمانوں کے پاس سواریاں بہت تھوڑی تھیں۔ ۳۱۳ کے لئے ستر اونٹ اور دو گھوڑے تھے۔ حضور کے لئے بھی کوئی الگ سواری نہ تھی۔ دوسروں کے ساتھ سواری میں شریک تھے۔ باری باری سے آپ بھی سوار ہوتے تھے۔ صحابہؓ نے اصرار کیا حضور ہم پیدل چلتے ہیں۔ آپ سوار ہو جائیں۔ مگر آپؐ نے انکار کر دیا۔ اور مسکراتے ہوئے فرمایا۔ مَیں تم سے چلنے میں کمزور نہیں۔ اور ثواب کی خواہش بھی مجھے کسی سے کم نہیں[2]۔

۱۔ بین یدی عمر، خالد محمد خالد ص ۸۳ ۔

۲۔ ابن سعد حالات "بدر"

اسلام میں نماز کی امامت کا اہل وہ ہوتا ہے جو قرآن زیادہ جانتا ہو. متّقی ہو اور امیر کو حکم ہے کہ وہ امامت کروائے یہاں بھی یہ حکم ہے، یہ نہیں دیکھنا کہ فلاں خاندان کا ہو یا بڑے گھرانے کا ہو بلکہ وہ ہو جسے قرآن زیادہ آتا ہو. چنانچہ حضور کے وقت میں ایک بار ایک قبیلہ کا امام ایک نوعمر لڑکا مقرر ہُوا. وہ بے چارہ اتنا غریب تھا کہ ننگ ڈھانپنے کے لئے اس کے پاس کپڑا نہ تھا. حتیٰ کہ ایک یہودی عورت نے مسلمانوں کو توجہ دلائی کہ اپنے امام کا ننگ تو ڈھانکو[1] کتنا عُمدہ مظاہرہ ہے اسلامی مساوات کا کہ جس عہدہ کے لئے جس میں اہلیّت پائی جائے وہ عُہدہ اُسے دیا جائے. نہ اُس کی عُمر اس میں حائل ہو گی نہ غربت۔ یہاں یہ خیال پیدا نہ ہو کہ اسلام نے بڑی عمر والوں کی عزت کی تاکید نہیں کی. حضور نے فرمایا۔ وہ ہم میں سے نہیں جو بڑوں کی عزت نہیں کرتا اور چھوٹے پر رحم نہیں کرتا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اگر کوئی بڑی عمر والے شخص کی بے عزتی کرتا ہے تو اللہ اس کو وفات نہیں دیتا جب تک اس کے بڑھاپے میں کسی کو اس کی بے عزتی کے لئے مقرر نہیں کرتا[2]۔ کہ مکافات کا قانون دنیا میں بھی جاری ہے۔

مساوات کے مختلف پہلو

مساوات کے مختلف پہلو ہیں. اسلام میں ہر شخص مساوی حقوق رکھتا ہے. قانون کی نظر میں ہر ایک برابر ہے. ہر فرد اپنی اہلیّت، صلاحیّت اور قابلیّت کی

۱۔ بخاری کتاب المغازی باب فتح مکہ الجزء الثالث مصری ص۴۳.

۲۔ ترمذی ابواب الصلۃ باب ماجاء فی اجلال الکبیر۔

بناء پر آگے لایا جائے گا۔ ہر شخص کو ترقی کے مساوی حقوق حاصل ہیں۔ عہدہ دار اور امیر کے بھی حقوق مساوی ہیں کسی رنگ یا نسل یا قوم کو بوجہ خاص رنگ یا خاص قومیت کے کسی پر فوقیت حاصل نہیں۔ خدا کرے پھر دُنیا میں یہی دَور آئے اور اس پر ہی مسلمان عمل کریں۔

مسلم اور غیر مسلم میں مساوات

یہ بھی مساوات کا ایک پہلو ہے کہ مسلم اور غیر مسلم قانون کی نظر میں سب مساوی ہیں۔ اسلامی سٹیٹ (STATE) میں قانون کی نظر میں مسلمان کو کوئی خصوصی مراعات حاصل نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی نمونہ تھا اور یہی وہ اعلیٰ کردار ہے جو آج کل کسی بھی ملک اور قوم کے لئے ضروری ہے۔ قرآن نے اس بارہ میں اتنی تاکید فرمائی کہ فرمایا خدا کی محبت حاصل نہیں ہو سکتی اگر تم عدل نہ کرو۔ اور فرمایا دیکھنا عدل کا کوئی پلڑا کبھی نہ جھکے[1]۔

یہودیوں کا مشہور قلعہ خیبر جب فتح ہوا اور اُس کی زمین مجاہدین میں تقسیم کردی تو عبداللہ بن سہیل صحابی اپنے چچا زاد محیّصہ کے ساتھ کھجوروں کی بٹائی کے لئے گئے۔ وہاں یہ دونوں الگ الگ ہو گئے تو کسی نے عبداللہ کو قتل کر کے اس کی لاش گڑھے میں پھینک دی۔ محیّصہ نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں استغاثہ دائر کیا کہ یہودیوں نے عبداللہ کو قتل کر دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم قسم کھا سکتے ہو کہ یہودیوں نے اُسے قتل کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا حضور اپنی آنکھوں سے تو میں نے نہیں

---

[1]۔ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۔ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۔
(مائدہ آیت ۹)

دیکھا لہٰذا قسم کیسے کھا سکتا ہوں۔ یہاں محیّصہ کی احتیاط بھی ملاحظہ ہو۔ واقعاتی شہادت بلکہ یقین کی بناء پر بھی قسم نہیں کھائی۔ حضورؐ نے فرمایا پھر یہودیوں سے حلف لیا جائے گا۔ محیّصہ نے عرض کیا یہودیوں کی قسم کا کیا اعتبار یہ سو دفعہ جھوٹی قسمیں کھالیں گے لیکن چونکہ انصاف اور مساوات کا یہی تقاضا تھا۔ آپؐ نے یہودیوں سے کوئی تعرض نہ کیا۔ اور عبداللہ کا خون بہا سو اونٹ بیت المال سے دلوادیا[۱]۔

یہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ فتح مکّہ کے بعد طائف کا محاصرہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے کیا تھا لیکن بیس دن کے بعد محاصرہ اُٹھا لیا تھا۔ صخر ایک رئیس تھا اُسے معلوم ہوُا تو خود جا کر طائف کا محاصرہ کر لیا اور طائف والوں کو اتنا دبایا کہ وہ لاچار ہو کر مصالحت پر راضی ہو گئے۔ صخر نے حضورؐ کی خدمت میں اطلاع دی۔ مغیرہ بن شعبہ ثقفی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ صخر نے میری پھوپھی کو قبضہ میں کر رکھا ہے حضور نے صخر کو بلایا اور فرمایا اس کی پھوپھی اُس کے گھر پہنچا دو[۲]۔ اس کے بعد قبیلہ بنو سلیم آیا کہ جس زمانہ میں ہم کافر تھے صخر نے ہمارے چشمہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اَب ہم مسلمان ہو چکے ہیں۔ ہمارا چشمہ ہم کو واپس دلایا جائے آپؐ نے صخر کو بُلایا اور فرمایا کہ جب کوئی مسلمان ہو جاتا ہے تو اپنے جان و مال کا وہ مالک ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ان کا چشمہ ان کو واپس کر دو[۳]۔

---

[۱] بخاری کتاب الادب. باب اکرام الکبیر و یبدا الاکبر بالکلام و ترمذی ابواب الدیات باب ماجاء فی القسامۃ۔

[۲]، [۳]۔ ابوداؤد جلد دوم صـ۸۰

اَب دیکھئے یہاں صخر فاتح ہے اُس نے ایک کارنامہ سرانجام دیا طائف کو فتح کیا لیکن حق جس کا تھا حضورؐ نے اُس کو دلوایا کہ عدل ومساوات کا تقاضا یہی تھا۔ قوموں کے دل اخلاق و انصاف سے جیتے جا سکتے ہیں ظلم اور دوسروں کے حقوق کا غصب تو بُرا ردِعمل پیدا کرتا ہے۔ اے کاش! کوئی سمجھے اور اسوۂ نبویؐ پر عمل پیرا ہو۔

اس عدل و انصاف کا یہ اثر تھا کہ یہود شدید معاند اپنے مقدمات کا فیصلہ حضورؐ سے چاہتے۔ اُن کا فیصلہ اُن کی شریعت کے مطابق کیا جاتا[1] بلکہ حضورؐ نے اُن کی بعض ناانصافیوں کا بھی ازالہ فرمایا جو وہ باہم کرتے تھے۔ یہود کے دو مشہور قبیلے بنو قریظہ اور بنو نظیر تھے۔ اگر بنو قریظہ کا کوئی فرد بنو نظیر کے فرد کو قتل کر دیتا تو بنو قریظہ کو قصاص میں قتل کیا جاتا۔ لیکن اگر بنو نظیر کا کوئی آدمی بنو قریظہ کے کسی فرد کو قتل کر دیتا تو قصاص نہ لیا جاتا۔ بلکہ خون بہا ادا کر دیا جاتا۔ حضورؐ نے اسے روک کر تورات کا حکم جاری فرمایا اور دونوں قبیلوں میں مساوات قائم کی۔ اگر بنو نظیر کا فرد بنو قریظہ کے کسی فرد کو قتل کرے گا تو اُس سے بھی قصاص لیا جائے گا۔ اس طرح وہ بڑے آدمیوں پر تورات کی سزا جاری نہیں کرتے تھے۔[2] آپؐ نے اس ناانصافی کو بھی موقوف کیا اور ہر ایک کو شریعت کے مطابق سزا دینے کا حکم دیا۔

عدل ومساوات کے علمبردار کو خدا کی طرف سے بلاوا آچکا تھا۔ آپؐ کو علم تھا کہ جلد آپؐ اپنے محبوب حقیقی کے ہاں جانے والے ہیں۔ آپؐ نے

---

[1] ابن ہشام جلد اوّل جز ثانی معاهدة بين رسول الله واليهود۔

[2] ابن ہشام جلد اوّل جز ثانی ص۱۶۹ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الدیۃ بین بنی النظیر وبنی قریظۃ۔

مرض الموت میں اعلان فرمایا۔

"اگر کسی کا قرض میرے ذمہ ہو یا میں نے کسی کی جان و مال یا آبرو کو صدمہ پہنچایا ہو تو میرے جان و مال آبرو حاضر ہیں۔ اسی دُنیا میں مجھ سے بدلے لو"[۱]

مساواتِ اسلامی کی پنج وقتہ تربیت

پنجوقتہ نماز اس عدل و مساوات کے سبق کی عملی تربیت ہے جب حاکم و محکوم، غریب و امیر، مُفلس و نادار، بڑا چھوٹا ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے ہیں اور کسی میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔ کس تسلسل اور تکرار سے اسلام نے مساوات کا درس دیا کہ خدا کی نظر میں سب مساوی ہیں۔ نماز کے بعد پھر حج اسلام کا اہم رکن ہے اُس میں بھی یہی سبق ہے۔ ایک لباس پہن کر اور ایک آواز بلند کر کے مسلمان اسلامی مساوات کا عملی نمونہ پیش کرتے ہیں۔



۱۔ ماخوذ از سیرت النبی شبلی حصہ دوم ص ۳۰۶۔

شجاعت

شجاعت کا وصف اعلیٰ ترین انسانی جوہر ہے یہ ایک بنیادی وصف ہے۔ عزم واستقلال۔ حق گوئی اور راست گفتاری یہ تمام فرع ہیں شجاعت کے نتیجہ میں ہی یہ اوصاف پیدا ہوتے ہیں خدا کے رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ وصف بھی بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔

حضرت انسؓ چھوٹی عمر میں ہی حضور کی خدمت میں آگئے تھے اور بطور خادم کے آپؐ کے ساتھ رہے وہ ایک ذہین نوجوان تھے حضور کی سیرت کے بارے میں انہوں نے بہت ٹھوس باتیں کہی ہیں۔ انہوں نے حضورؐ کی سیرت بیان کرتے ہوئے ایک بار کہا۔

حضورؐ سب سے اچھے سب سے سخی اور سب سے زیادہ شجاع تھے[1]۔

مخالفت کی برداشت

مخالفین کی مخالفت کے سامنے کوہِ ثبات بن کر ڈٹ جانا ہر سختی اور ظلم کو برداشت کرنا لیکن اپنے مقصد کو ترک نہ کرنا یہ بھی شجاعت ہے۔ مکّی زندگی میں حضورؐ کی ذات پر آپؐ کے خاندان پر آپؐ کے صحابہؓ پر کونسا ظلم

---

(۱)۔ مسلم کتاب الفضائل باب شجاعۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احسن الناس وکان اجود الناس۔ وکان اشجع الناس۔

نہیں توڑا گیا ۔ دھمکیاں دی گئیں آوازے کسے گئے اڑھائی سال بائیکاٹ
کیا گیا۔ لیکن خدا کے دلیر بندے کے ثبات میں لغزش پیدا نہ ہوئی۔ اگر خدا تعالےٰ
نے یہ خلق آپؐ کو اکمل طور پر نہ دیا ہوتا تو تنہا جان وحشی عرب کے سامنے
کیسے ڈٹ سکتی تھی اگر انسان شجاع نہ ہو اعصاب مضبوط نہ ہوں تو جلد آپے
سے باہر ہو جاتا ہے۔ جلد انتقام پر آمادہ ہو جاتا ہے آپؐ صحابہؓ کو پٹتے
دیکھتے اور صبر کی تلقین کرتے آپؐ نے خود سختیاں برداشت کیں صحابہؓ کے
اضطراب پر فرمایا مجھے لڑنے کی اجازت نہیں صبر کرو اللہ کی تقدیر پوری ہو
کر رہے گی اور جب اللہ تعالےٰ نے آپؐ کو اُن پر غالب کر دیا تو پھر یہ بھی
آپؐ کی دلیری تھی کہ آپؐ نے اُن تمام ظالموں کو معاف کر دیا اور کوئی انتقام
نہ لیا۔ بہادر ہی یہ نمونہ دکھا سکتا ہے۔ دلیر سے ہی اس سلوک اور حوصلہ کی امید
کی جا سکتی ہے۔

سب سے زیادہ شجاع

صحابی بیان کرتے ہیں جنگ میں سب سے زیادہ گھمسان کا رن آپؐ کے
گرد پڑتا تھا اس لئے سب سے زیادہ شجاع وہ ہوتا تھا جو آپؐ کے ساتھ کھڑا
ہوتا تھا دشمنوں کی صفوں کے سب سے زیادہ قریب آپؐ ہوتے تھے ظاہر ہے
مرکز لشکر پر ہی اصل دباؤ ہوتا ہے۔ براءؓ کہتے ہیں ہم جنگ میں پناہ بھی آپؐ کی
ہی لیتے تھے اس سے وہ حدیث بھی سمجھ آجاتی ہے کہ امام ایک ڈھال ہوتا ہے
جس کے پیچھے کھڑے ہو کر لڑا جاتا ہے۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں مدینہ میں

---

۱ ۔ ابن ہشام جلد اوّل حصہ اوّل ص۲۱۱ د جلد اوّل جزو دوم ص۳۰۷ رص۳۲۰

ایک بار کچھ خطرہ تھا۔ ایک رات جو دور سے شور اٹھا ہمارا خیال گیا کہ فلاں طرف سے لشکر کشی ہوئی ہے ابھی ہم لوگ تیاری ہی کر رہے تھے کہ خبر لیں کیا معاملہ ہے جب تیار ہو کر باہر نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ابو طلحہؓ کے مندوب نامی گھوڑے پر بغیر زین کے سوار حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں ہمیں دیکھا تو فرمایا گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں اور فرمایا یہ گھوڑا تو بہت تیز ہے[۱] یہ بھی آپؐ کا اعجاز تھا حالانکہ گھوڑا چلنے میں اڑتا تھا۔ اب دیکھئے قائد قوم خطرہ کے وقت سب سے آگے ہے سب سے پہلے گھر سے باہر نکلے اور بغیر ایک لمحہ ضائع کئے چل پڑے۔ زین کسنے کا تکلف بھی گوارا نہ کیا اور پھر دشمن کا حال معلوم کر کے لوگوں کے گھروں سے نکلنے سے پیشتر واپس تشریف لا رہے ہیں۔ ۳ سنہ ہجری میں حضورؐ کو علم ہوا کہ غطفان کا قبیلہ مدینہ پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ ان کا رئیس دعثور تھا جس کے ساتھ ساڑھے چار سو آدمی تھے۔ حضورؐ ان کی سرکوبی کے لئے نکلے تو یہ پہاڑوں میں جا چھپے اس غزوہ میں ایک بار دوپہر آرام کے لئے حضورؐ اور آپؐ کے صحابہؓ مختلف درختوں کے سائے میں بیٹھ گئے۔ حضورؐ کے کپڑے پسینہ سے شرابور تھے۔ حضورؐ نے پسینہ سکھانے کے لئے کپڑے اتار دیئے اور درخت کے نیچے لیٹ گئے اور اپنی تلوار بھی درخت سے لٹکا دی۔ آنکھ کھلی تو کیا دیکھتے ہیں کہ دعثور تلوار سونتے کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے۔ آپؐ مجھ سے ڈرے ہیں یا نہیں؟ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ اس نے کہا پھر اب آپؐ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا اللہ۔ یہ پُر رعب کلمہ سن کر وہ کانپنے لگا تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ پھر آپؐ نے صحابہؓ کو

---

(۱)۔ مسلم کتاب الفضائل باب شجاعتہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

بلایا تلوار آپؐ کے ہاتھ میں تھی اور دعثور تھا۔ آپؐ نے صحابہؓ کو سارا واقعہ بتایا اور دعثور سے پُوچھا اَب تم کو کون بچا سکتا ہے اُس نے کہا۔ آپؐ ہی رحم فرمائیں۔ آپؐ نے فرمایا جاؤ چلے جاؤ اور اُسے کوئی سزا نہ دی۔ اِس حُسنِ سلوک کا یہ نتیجہ ہُوا کہ وہ بھی مسلمان ہوگیا اور اپنی قوم کو بھی اُس نے اسلام کی دعوت دی۔ اس واقعہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت کا اندازہ کیجئے تلوار سونت کر دشمن پوچھتا ہے مجھ سے ڈرتے ہو کہ نہیں ؟ جواب ملتا ہے نہیں[۱]۔ یہ جواب وہی دے سکتا ہے جو شجاعت کا وصف اعلیٰ طور پر اپنے اندر رکھتا ہو اور سمجھتا ہو کہ میرا خدا سچے وعدوں والا ہے۔ پھر وہ پوچھتا ہے اَب کون آپؐ کو مجھ سے بچا سکتا ہے ؟ تو اللہ والا یہ جواب دیتا ہے۔ اللہ۔ شجاع وہی ہے جو موت سے نہیں ڈرتا اور یہ سمجھتا ہے موت خدا کے اختیار میں ہے کسی انسان کے اختیار میں نہیں۔

اُحد کے موقع پر شجاعت کا اظہار

جنگِ اُحد کا واقع ہے۔ حضور جنگ سے پہلے خواب میں دیکھ چکے تھے کہ آپؐ کے کسی عزیز کا نقصان ہوگا۔ یا آپؐ کی ذات کو گزند پہنچے گا اور کچھ صحابی بھی شہید ہوں گے۔ اور یہ بھی دکھایا جاچکا تھا کہ مدینہ میں آپؐ کا لڑنا محفوظ ہوگا۔ بایں ہمہ آپ منشاء الٰہی کے ماتحت صحابہؓ سے مشورہ کرتے ہیں۔ نوجوان صحابہ جوش واخلاص میں مدینہ سے باہر نکل کر لڑنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ حضورؐ ہتھیار پہن لیتے ہیں۔ اَب نوجوان صحابہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوچکا تھا اور وہ معذرت خواہ

---

[۱] بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ ذات الرقاع۔

تھے۔ لیکن خدا کا نبیؐ فرماتا ہے نبی ہتھیار پہن کر پھر اتارتا نہیں۔ یہ تھی آپؐ کی بے مثال شجاعت اور یہی زندہ قوموں کا شیوہ ہونا چاہیئے کہ جب عزم کر لیں تو پھر تذبذب کیا؟

اس جنگ میں آپؐ زخمی ہوئے چہرہ مبارک لہولہان تھا۔ ابی بن خلف ایک کافر مدت سے تیاری کرتا تھا۔ اس نے ایک گھوڑا پالا ہی اس لئے تھا اُس کو روزانہ جوار کھلاتا کہ اس پر چڑھ کر محمدؐ کو قتل کروں گا۔ اُس بدبخت کی نظر جب حضور پر پڑی تو گھوڑے کو ایڑ لگا کر آگے آیا اور یہ نعرہ لگایا۔ اگر محمدؐ بچ جائیں تو میری زندگی پھر عبث ہے۔ صحابہؓ نے یہ دیکھا تو حضورؐ اور اُس کے درمیان حائل ہونا چاہیے۔ حضورؐ نے فرمایا ہٹ جاؤ ا سے آنے دو اور میرے زخمی آقاؐ نے جن کے زخم سے ابھی خون رس رہا تھا نیزہ تھام کر اُس کی گردن پر ہلکا سا وار کیا وہ چنگھاڑتا ہوا واپس مڑا۔ کسی نے کہا بھئی معمولی زخم ہے کیا چیختا اور واویلا کرتا ہے! اُس نے کہا یہ زخم محمدؐ کا لگایا ہوا ہے[1]۔ پھر اسی اُحد میں حضورؐ کی آپ نے شجاعت دیکھی۔ بہادر چچا حمزہؓ جن کی لاش بھی مسخ کی گئی تھی۔ میدانِ جنگ میں پڑے دیکھے۔ لیکن وہ بہادر کلیجہ والا نبیؐ زبان پر ایک بھی ایسا کلمہ نہ لایا جس سے جزع و فزع کا اظہار ہوتا ہو ایک بار آپؐ کی جنگ میں اُنگلی زخمی ہو گئی۔ انگلی سے خون بہہ رہا تھا اور آپؐ فرما رہے تھے۔

هَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دُمِیْتِ

وَلٰکِنْ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ مَالَقِیْتِ

کیا ہوا تو ایک اُنگلی ہی تو ہے جس سے خون بہہ رہا ہے اور یہ کہ

۱۔ ابن ہشام جلد ۲ جز ثالث زیر عنوان قتل ابی ابن خلف ص ۶۰۱، ص ۶۰۲۔

مسرت کا موجب کہ تو راہِ خدا میں خون آلود ہوئی ہے[1]

جنگِ حنین میں اکیلے میدان میں

آٹھ ہجری میں جب فتح مکّہ کے بعد ہوازن قبیلہ کی تیر اندازی سے بارہ ہزار کے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی یہ ایسی بھگدڑ تھی کہ سواریوں کی لگامیں کھینچ کر سوار ان کی گردنیں دوہری کر رہے تھے۔ لیکن بِدکی ہوئی سواریاں میدان کی طرف مُنہ نہ کرتی تھیں۔ اس وقت کون میدانِ جنگ میں خچر پر سوار ایڑ لگا کر آگے بڑھ رہا تھا؟ اور زبان سے یہ کہہ رہا تھا

انَا النبیّ لا کَذِب ❊ انا ابنُ عبدِالمطّلب

مَیں نبی ہوں جھوٹا نہیں ہوں۔ میں عبدالمطلب کے خاندان کا چشم وچراغ ہوں۔ بُزدل نہیں ہوں[2]۔ یہ تھے میرے پیارے آقا محمد مصطفٰےؐ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور یہ تھی اُن کی شجاعت اور اس شجاعت کی بدولت پھر صحابہؓ حضرت عباسؓ کی آواز پر جمع ہو گئے تھے۔

موت کو خوش آمدید کہا

بعض لوگ زبانی تو شجاعت کے دعوے کرتے ہیں لیکن جب وقت پڑتا ہے تو اوسان خطا ہو جاتے ہیں۔ جب موت سامنے کھڑی ہوتی ہے تو موت کی آنکھوں میں آنکھیں نہیں ڈال سکتے۔ موت کے تصور سے ہی بڑے بڑے

۱۔ بخاری کتاب الادب۔

۲۔ بخاری کتاب المغازی باب یوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم۔

بہادروں کے پتّے پانی ہو جاتے ہیں۔ میرے آقاؐ کو اُس کے آسمانی مولا نے کہا۔ تیرا کام ختم ہو چکا ہے۔ اَب چاہو تو اور یہاں رَہ لو اور چاہو تو میرے پاس آجاؤ یعنی "موت" کو اختیار کر لو۔ لاکھوں جانثار فدائی آپؐ کی محبت کا دم بھرتے تھے۔ خدمت گزار اور وفا شعار بیویاں موجود تھیں لیکن اس دلبروں کے دلبر میرے آقاؐ نے زندگی کو نہیں موت کو ترجیح دی[1]۔ خدا کے پاس جانے کو پسند کیا۔ کیا جو شجاع نہیں وہ موت کو اختیار کر سکتا ہے؟۔

حضورؐ ایک دن صحابہؓ میں تشریف فرما تھے فرمایا۔ صحابہؓ ایک دن ایسا آئے گا تم سیلاب کے اوپر خس و خاشاک کی طرح ہو جاؤ گے۔ لہریں جدھر چاہیں گی اُدھر لے جائیں گی۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ کیا ہم اُس دن تھوڑے ہوں گے فرمایا نہیں تھوڑے تو نہیں ہو گے لیکن تمہارے اندر "وھن" پیدا ہو جائے گا۔ وھن کے لفظی معنی کمزوری کے ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یارسولؐ اللہ "وھن" کیا ہوتا ہے آپؐ نے فرمایا۔ "دُنیا کی محبت اور موت کو ناپسند کرنا"[2]۔

سچ ہے دلیر ایک ہی دفعہ مرتا ہے اور بزدل ہر روز مرتا ہے۔

یہ مصرعہ کاش نقشِ ہر در و دیوار ہو جائے

جسے جینا ہے مرنے کے لئے تیار ہو جائے



---

[1] ۔ بخاری ابواب الفضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم باب قول النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم سدوا الابواب اِلّا باب ابی بکرؓ ۔

[2] ۔ مشکوٰۃ کتاب الرقاق باب تغیر الناس بحوالہ ابوداود والبیہقی فی دلائل النبوۃ۔

(قال یارسول اللہ وما الوھن قال حبّ الدنیا وکراھیۃ الموت)

پاسِ عہد

قرآن مجید نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا "عہد کو پورا کرو۔ تم اس بارہ میں قیامت کے دن پوچھے جاؤ گے"۔ قرآن میں مومنوں کی یہ خصلت بیان کی کہ وہ عہد کو پورا کرتے ہیں[1]

دشمن کا اعتراف

خدا کے برگزیدہ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم عہد واقرار کے ایسے پکّے تھے کہ دشمن بھی اسی کا معترِف ہے۔ قیصر نے جب ابوسفیان سے آپؐ کے متعلق تحقیق کرنا چاہی اور اُس نے متعدد سوالات کئے تو اُن میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ جس نے نبوّت کا دعوٰی کیا کبھی اُس نے عہد شکنی بھی کی ہے؟ ابوسفیان نے جواب دیا نہیں کبھی نہیں[2]۔ ابوسفیان نے چھ ہجری میں صُلح حدیبیہ کے بعد یہ جواب دیا تھا اور مسلمان وہ آٹھ ہجری میں فتح مکّہ کے موقع پر ہوُا تھا۔ گویا یہ اُس کا اعتراف اس وقت کا ہے جب ابھی وہ دشمن تھا۔

---

[1]۔ والموفون بعھدھم اذا عاھدوا۔ بقرہ آیت ۱۷۸۔

[2]۔ بخاری باب کیف کان بدءُ الوحی۔

ہم عہد شکن نہیں

حدیبیہ کے موقع پر جب یہ شرط لکھی جا چکی تھی کہ مکّہ والوں میں سے جو مسلمان ہوگا اُسے مدینہ میں پناہ نہیں دی جائے گی۔ بلکہ واپس کیا جائے گا۔ لیکن ابھی معاہدہ مکمّل نہیں ہُوا تھا کہ ابوجندل جو مسلمان ہو چکا تھا اور اس وجہ سے کفّار اُسے تختۂ مشق بنا رہے تھے حدیبیہ میں کسی طرح بھاگ کر آپہنچا اس کے جسم پر ضرب کے نشان تھے پاؤں میں زنجیریں تھیں اور اُس نے مسلمانوں سے ایسی دردمندانہ اپیل کی کہ مسلمان مشتعل ہو گئے لیکن صُلح کا معاہدہ لکھنے والا سہیل اس ابوجندل کا والد تھا۔ حضورؐ نے اُسے کہا اسے رہنے دو لیکن وہ نہ مانا۔ حضورؐ نے ابوجندل کو مخاطب ہو کر فرمایا ابوجندل! صبر کرو اور اسے ثواب جان کر واپس چلے جاؤ اللہ تعالےٰ تیرے لئے مخلصی پیدا کرے گا ہم ایک معاہدہ کر چکے ہیں اب عہد شکنی نہیں کر سکتے۔[1] دیکھئے جذبات میں تلاطم ہے صحابہ بپھر گئے لیکن خدا کے برگزیدہ رسُول نے ایسے وقت بھی عہد کو نبھایا۔ اور عہد شکنی کے کسی پہلو کو روا نہیں رکھا۔ معاہدہ حدیبیہ میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو قبیلہ چاہے مسلمانوں کا حلیف بن جائے اور جو چاہے کفّار کا اور کوئی ایک دوسرے کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ لیکن کفّار کے حلیف بنو بکر نے مسلمانوں کے حلیف قبیلۂ خزاعہ پر حملہ کیا۔ اور

---

[1] یا ابا جندل اصبر و احتسب فان اللہ جاعل لک ولمن معکُ من المستضعفین فرجًا و مخرجًا انّا قد عقدنا بیننا و بین القوم صلحًا و اعطیناھم علی ذٰلکُ و اعطونا عھد اللہِ و انّا لا نغدر بھم ابن ہشام جلد ۲ جز ثالث ص ۷۸۲

قریش نے بنو بکر کی مدد کرتے ہوئے حرم میں خزاعہ پر حملہ کیا اس خزاعہ قبیلہ کے لوگ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسجد نبوی میں حاضر ہوئے اور اس عہد کا واسطہ دیا اور اشعار میں حضورؐ سے اس عہد کے ایفاء کا مطالبہ کیا۔ تو آپؐ نے فرمایا ہاں میں عہد کو پورا کرونگا۔ تمہاری مدد کرونگا۔[1] اور خدا کے رسولؐ نے عہد کو نبھاتے ہوئے اُن کی مدد کی اور یہ واقعہ فتح مکہ پر منتج ہوُا۔

بدر کے موقعہ پر مسلمانوں کی تعداد کفار کے بالمقابل ایک تہائی سے بھی کم تھی اور بے سروسامانی کے لحاظ سے تو کوئی نسبت ہی نہ تھی ایسے وقت میں ایک ایک آدمی اور معمولی مدد بھی بہت وزن رکھتی تھی۔ مکہ سے حذیفہ بن یمان اور ابو حسل دو صحابی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کے ارادہ سے نکلے۔ راستہ میں کفار نے ان کو روک لیا اور اس شرط پر چھوڑا کہ تم جنگ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہیں دو گے۔ یہ آئے اور حضورؐ سے صورت حال عرض کی آپؐ نے فرمایا "انصرفا نفی لھم بعھدھم ونستعین اللہ علیھم"۔ ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے ہمیں خدا کی مدد چاہیئے تم واپس جاؤ ایفائے عہد کی یہاں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی روشن مثال قائم کی۔ عہد انہوں نے کیا تھا لیکن حضورؐ نے انہیں عہد نبھانے کی تلقین کی اور اُنہیں جنگ میں شریک نہ فرمایا۔[2]

۱۔ ابن ہشام جلد دوم جز رابع زیر عنوان ذکر الاسباب الموجبۃ المسیر الی مکۃ وذکر فتح مکۃ

۲۔ مسلم کتاب الجہاد والسیر باب الوفاء بالعہد۔

دعوائے نبوّت سے قبل ایفائے عہد

ایک موقعہ پر لوگوں نے عبداللہ بن ابی الحمساء سے حضور کا تعارف کرانا چاہا تو اس شخص نے کہا میں خوب جانتا ہوں۔ دعویٰ نبوت سے قبل میں نے آپؐ سے ایک معاملہ کیا تھا۔ میں نے آپؐ سے کہا آکر حساب دیتا ہوں آپؐ یہاں تشریف رکھیں اور میں جاکر بھول گیا تین دن کے بعد یاد آیا میں وہاں پہنچا تو آپؐ میرے انتظار میں تھے فرمایا تین دن سے تمہارے انتظار میں ہوں[1] اگر روزمرہ کے معاملات میں ہم عہد اور قول کے ایسے پختہ ہوجائیں تو معاشرہ کی کیا کیفیّت ہو جائے۔

ابورافع ایک غلام تھا حالت کُفر میں قریش کا سفیر بن کر مدینہ منوّرہ آیا۔ حضوؐر کے چہرہ مبارک پر جو نظر پڑی تو آپؐ کی صداقت کا یقین ہوگیا۔ وہ مسلمان ہوگئے۔ عرض کیا یارسول اللہ اب میں کبھی کافروں کے پاس لوٹ کر نہ جاؤنگا۔ فرمایا۔ میں عہد شکنی نہیں کرسکتا۔ نہ قاصدوں کو اپنے پاس روک سکتا ہوں۔ تم واپس جاؤ اگر وہاں پہنچ کر بھی تمہارے دل کی کیفیّت یہی رہے تو واپس چلے آنا[2]

عہد و پیمان کا پاس

پاس عہد کا ایک مفہوم ہے۔ عہد و پیمان کا خیال رکھنا اور امام ترمذی نے اپنی حدیث کی کتاب میں یہی مفہوم لیا ہے چنانچہ حُسن عہد کے نیچے واقعہ

---

[1] ۔ ابوداؤد کتاب الادب۔ [2] ابوداؤد باب الوفا بالعہد۔

لائے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی گھر میں کوئی بکری ذبح کرتے تو خدیجہؓ کی سہیلیوں کو تلاش کرتے ان کے گھر گوشت بھجواتے۔ صرف اس لئے کہ خدیجہؓ آپؐ کی وفا شعار بیوی تھی جس کے بطن مبارک سے خدا نے آپ کو اولاد دی اور جس نے آپ کی مالی اعانت کی۔ حضورؐ اس کی وفات کے بعد اس کی سہیلیوں کو بھی یاد رکھتے آپ کی زندگی کے کئی واقعات ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ آپ عہد و پیمان کو کیسے نبھانے والے تھے۔ اس کا کیسا خیال رکھنے والے تھے۔ حلیمہ سعدیہ آپؐ کی رضاعی والدہ تھیں وہ آتیں تو آپؐ اپنی چادر اُن کے نیچے بچھاتے اور فرماتے میری ماں! میری ماں۔ اپنی رضاعی بہنوں کا بھی خیال رکھتے۔ ایک بار اسی طرح رضاعی والدہ کے لئے چادر بچھائی۔ رضاعی والد آئے تو انہیں بھی اس پر بٹھایا پھر رضاعی بھائی آئے تو آپؐ اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُن کو اپنے سامنے بٹھایا۔

ایک بار حضرت عائشہؓ کے گھر میں تشریف فرما تھے حضرت خدیجہؓ کی بہن ہالہ آپؐ سے ملنے آئیں۔ دروازے پر آکر اجازت چاہی اُن کی آواز اپنی بہن خدیجہؓ سے ملتی تھی حضورؐ بے چین ہو کر اُٹھے اور فرمایا خدیجہ کی بہن ہالہ ہوں گی حضرت عائشہؓ کو رشک آیا بولیں آپؐ کیا ایک بڑھیا کو یاد کرتے ہیں جو مرچکیں اور خدا نے اُن سے اچھی بیویاں آپؐ کو دیں فرمایا عائشہؓ ایسا نہ کہو۔ جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو اس نے تصدیق و تائید کی جب لوگ کافر تھے۔ وہ اسلام لائیں۔ جب میرا کوئی مُعین نہ تھا انہوں نے میری مدد کی وہ مجھ پر فدا تھیں میں ان کی یاد کو کیسے بھول سکتا ہوں[1]۔ یہ تو حضرت خدیجہؓ کی بہن تھیں ایک بار

---

[1]۔ بخاری کتاب الادب باب حسن العہد من الایمان و ترمذی ابواب البرّ والصلۃ باب ماجاء فی حسن العہد۔

ایک بڑھیا حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپؐ نے اس کی خیریت دریافت فرمائی اور بہت توجہ سے اُس کے حالات سُنے۔ وہ چلی گئیں تو حضرت عائشہؓ نے عرض کی حضورؐ یہ کون عورت تھی آپؐ نے بہت شفقت سے اس سے خیریت اور حالات دریافت فرمائے ہیں۔ فرمایا عائشہؓ یہ خدیجہؓ کے زمانے میں ہمارے یہاں آیا کرتی تھی۔ عائشہؓ حسن عہد ایمان کا ایک حصہ ہے[1]۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر تقریروں میں فرمایا کرتے تھے۔ جسے عہد کا پاس نہیں اس میں دین نہیں اور عہد بندوں سے بھی ہوتا ہے اور خدا سے بھی۔ انسان وہی ہے جو قول قرار کا پکا ہو۔ عہد کو نبھاتا ہو۔ خواہ بندوں سے ہو یا خدا سے ہو اور جو عہد کا پکا نہیں پیمان کا خیال نہیں رکھتا۔ فرمایا اس کا دین داری کا دعویٰ بھی عبث ہے[2]۔



۱؎ فتح الباری بحوالہ حاکم و بیہقی۔

۲؎ احمدؒ و طبرانی و ابن حبان

عورتوں اور بچوں سے حُسنِ سلوک

اسلام کی آمد سے قبل عرب میں ہی نہیں، دُنیا بھر میں عورت کی کوئی سماجی حیثیت نہ تھی۔ اس سے بڑھ کر ستم کیا ہوگا کہ بچّی کو زندہ درگور کر دیا جاتا۔ عورت مرد کو مشورہ تک نہ دے سکتی۔ سوتیلی ماں بھیڑ بکریوں کی طرح ورثہ میں تقسیم کی جاتی۔ نکاح اور طلاق کے لئے کوئی ضابطہ اور قانون نہ تھا۔ الغرض خدا کی یہ مخلوق کسی عزّت کی مستحق نہ سمجھی جاتی تھی۔ معاشرہ میں اس کا کوئی مقام نہ تھا۔ اس کا کوئی حق نہ تھا۔ ہاں ذمہ داریوں کا بوجھ غیر محدود تھا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم اس جنس کے محسن بن کر آئے۔ آپؐ نے صنفِ نازک کو اس کے حقوق دلائے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا "جس طرح اُن کی ذمہ داریاں ہیں اُن کے حقوق بھی ہیں[1]"۔ اور آپؐ نے فرمایا۔ تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل و عیال سے بہتر سلوک کرتا ہے اور مَیں اپنے اہل وعیال سے سب سے بہتر سلوک کرنے والا ہوں[2]۔ آپؐ نے عورت کو گھر کی مالکہ قرار دیا[3]۔ فرمایا جس طرح مرد کے جذبات ہیں

۱۔ ولھن مثل الذی علیھن ۔ بقرہ آیت ۲۲۹۔

۲۔ خیرکم خیرکم لاھلہ وانا خیرکم لاھلی۔ ترمذی ابواب المناقب النبیؐ باب فی فضل ازواج النبیؐ۔ د ترمذی ابواب النکاح باب ماجاء فی حق المرأۃ علی زوجھا۔

۳۔ والمرأۃ راعیۃٌ علی بیت بعلھا۔

اس کے بھی جذبات ہیں۔ فرمایا اگر جاہلیت کے کسی فعل پر سزا دینا جائز ہوتا تو میں زندہ درگور کرنے والے کو سزا دیتا۔ ایک اور موقع پر فرمایا۔ جس شخص کا امتحان خدا تعالیٰ بیٹیوں کے ذریعہ سے لے اور وہ شخص ان بچیوں کی اچھی تربیت کرے میں اُس کے لئے جنت کا ضامن ہوں[1]۔ اور ایک مومن کی سب سے بڑی خواہش ہی یہ ہوتی ہے کہ میرا خدا مجھ سے راضی ہو جائے۔ اس کی رضا یعنی جنت مجھے عطا ہو۔

ازواجِ مطہرات سے حُسنِ سلوک

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی بیویوں سے سلوک مثالی تھا۔ حضرت عائشہ رضہ بیان کرتی ہیں کہ آپ گھر تشریف لاتے کام کاج میں ہمارا ہاتھ بٹاتے[2]۔ ایک موقع پر حضورؐ ایک سفر میں تھے۔ آپؐ کے ساتھ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت صفیہ سوار تھیں۔ کسی سبب سے کجاوا الٹ گیا۔ آپؐ اور اُمّ المؤمنین صفیہؓ نیچے گر گئے۔ صحابہؓ نے دیکھا تو لپک کر آپؐ کی طرف بڑھے اور عرض کی حضورؐ میرے ماں باپ قربان کوئی چوٹ تو نہیں آئی۔ حضورؐ نے فرمایا پہلے مستورات کا پتہ کرو[3]۔

خدا کی یاد میں ساری زندگی گزارنے والا یہ برگزیدہ شخص جو کبھی کبھی رات کی تنہائی میں بیویوں کو دس سہیلیوں کی باہم گفتگو کی کہانی سناتے ہیں جس میں ہر سہیلی اپنے خاوند کا وصف بیان کرتی ہے اور ایک سہیلی اپنے خاوند کے ہر خلق کی تعریف کرتی ہے۔ اس کی تعریف سُنا کر حضورؐ فرماتے ہیں عائشہ میں تمہارے لئے اس سہیلی کے

۱۔ ادب المفرد من ال جاریتین او واحدۃ۔

۲۔ بخاری کتاب الادب باب کیف یکون الرجل فی اھلہ۔

۳۔ بخاری کتاب الجہاد والسیر باب ما یقول اذا رجع من الغزو۔

خاوند ابو زرعہ کی طرح ہوں حضرت عائشہ نے فرمایا میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ میرے لئے اس سے بھی بڑھ کر ہیں[1]

آپ نے فرمایا لوگو تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل وعیال سے بہتر سلوک کرتا ہے اور میں اپنے اہل وعیال سے تم سب سے زیادہ سلوک کرنے والا ہوں[2]

سفر پر تشریف لے جاتے تو اپنی بیویوں میں قرعہ ڈالتے جس کے نام قرعہ نکلتا اسے ساتھ لے جاتے[3] آپ کے حسنِ سلوک کا یہ نتیجہ تھا کہ مرض الموت میں جب آپ نے ازواج مطہرات کو فرمایا کہ "تم میں سے مجھے سب سے پہلے وہ ملے گی جو لمبے ہاتھوں والی ہے" تو ازواج مطہرات باہم ہاتھ ناپتی تھیں کہ کس کے ہاتھ لمبے ہیں[4] یہاں لمبے ہاتھوں سے مراد سخاوت کرنے والی تھی۔ موت کا خواہاں کون ہوتا ہے۔ لیکن آپ کے سلوک اور محبت کا یہ عالم تھا کہ ہر ایک کی خواہش تھی کہ پہلے وہ اپنے آقا سے اُس دُنیا میں جا ملے۔

مکہ میں بالخصوص عورت کا گھر کے معاملات میں کوئی دخل نہ تھا اور عورت کو جرأت نہ تھی کہ خاوند کی بات کاٹ سکے۔ ایک بار حضرت عمرؓ کی زوجہ محترمہ حضرت عمر کی کسی بات میں دخل انداز ہوئیں۔ جس پر حضرت عمرؓ ناراض ہوئے تو آپ کی زوجہ محترمہ نے عرض کیا۔ عمرؓ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے

۱۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اراد سفراً اقرع بین ازواجہ فایتھن خرج سھمھا خرج بھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بخاری کتاب المنازل باب حدیث الافک۔)

۲۔ شمائل الترمذی۔ ۳۔ ترمذی ابواب المناقب۔

۴۔ مسلم کتاب الفضائل من فضائل زینب۔

گھر جا کر دیکھو وہ کس طرح حضورؐ کے ساتھ بے تکلفی سے زندگی بسر کرتی ہیں اور مشورے دیتی ہیں۔[1]

اس طبقہ کی تربیت کے لئے حضورؐ ان کو مردوں سے علیحدہ خطاب فرماتے۔ انہیں دینی اُمور میں قربانی کی تلقین فرماتے اور اپنے صحابہ کو ان سے حُسنِ سلوک کی تاکید فرماتے۔

بیوی بچّوں کا حق

ابو درداءؓ ایک صحابی دن کو روزہ سے ہوتے اور رات بھر تہجد پڑھتے۔ بیوی بچّوں کی طرف کوئی دھیان نہ تھا۔ گویا حقوق اللہ اور حقوقِ العباد میں توازن نہ رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب علم ہوا تو فرمایا ابو درداءؓ تیرے بیوی بچّوں کا بھی تجھ پر حق ہے[2]۔ اور تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے۔ طبیعت کی انتہا پسندی کی وجہ سے بعض لوگوں نے یہ نظریہ اختیار کر لیا ہے کہ بیوی بچّوں سے تعلق خدا سے تعلق میں حائل ہے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر ہم اللہ کے حقوق میں کوتاہی نہیں کرتے تو بیوی کے منہ میں لقمہ ڈالنا بھی ایک نیکی ہے۔ دوسرے مذاہب نے تجرّد کو ایک بہت بڑی نیکی قرار دیا ہے لیکن آپؐ نے فرمایا نکاح میری سنّت ہے۔ جس نے اس سے روگردانی کی وہ ہمارا نہیں ہے[3]۔ بیوی بچّوں سے محبّت، ان کے حقوق کی ادائیگی، خدا سے

۱۔ بخاری کتاب النکاح باب موعظۃ الرجل ابنتہ۔

۲۔ بخاری کتاب الادب باب صنع الطعام و التکلّف لضیف۔

۳۔ ابن ماجہ ابواب النکاح باب ماجاء فی فضل النکاح۔

محبّت میں روک نہیں ہے ۔اگر وہ اپنی حد کے اندر ہے۔حضرت ابو خیثمہ رضؓ نے جب سفر سے واپسی پر بیوی کی آغوشِ محبّت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی محبّت کو ترجیح دی ۔ تو یہ بھی دینداری کی وجہ سے تھا[1] اور جب حضورؐ نے ابودرداءؓ کو ساری رات کی تہجد سے روک کر بیوی بچّوں کے حقوق کی ادائیگی کی طرف توجہ دلائی تھی تو یہ بھی اسلام کی منشا اور تعلیم کے عین مطابق تھا۔

عورتیں آبگینے ہیں

ایک سفر میں مستورات بھی قافلہ میں شامل تھیں ۔ انجشہ صحابی نے اس طرح حُدی خوانی کی کہ اونٹ تیز ہوگئے۔جب حضورؐ نے محسوس کیا تو فرمایا" یا انجشہ رویدك بالقواریر۔ انجشہ آہستہ آبگینے ہیں[2]۔ اور ادب کی تاریخ لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ حضورؐ نے ہی پہلی بار عورت کے لئے آبگینہ کا لفظ استعمال فرمایا۔ اس لفظ میں عورت کی نازک مزاجی اور اس کے لئے نہایت درجہ محتاط ہونے کی طرف کتنا عُمدہ اور لطیف اشارہ ہے۔

بچّوں سے پیار

بعض لوگ بچّوں سے پیار کو خوبی نہیں عیب سمجھتے ۔ حدیث میں ہے کہ ایک بدّو یعنی دیہاتی نے حضورؐ کو اپنے نواسوں سے پیار کرتے دیکھا۔ تو متعجب ہو کر پوچھا کہ حضورؐ آپ بچّوں سے پیار کرتے ہیں ؟ اِس کا نام اقرع تھا۔ آپؐ

۱۔ ابن ھشام جلد ۲ جزرابع صـ۹۴۷ ، صـ۹۴۸ ۔

۲۔ بخاری کتاب الادب باب المعاریض مندوحۃ عن الکذب ۔

نے فرمایا۔ اقرع۔ جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا[1]۔ آپؐ نے بچوں کو ہی دیکھ کر فرمایا تھا۔ تم بے شک ماں باپ کو بخیل بھی بناتے ہو۔ بزدل بھی بناتے ہو۔ لیکن تم جنت کی خوشبو بھی ہو[2]۔

نیا پھل آتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلا بچوں کو دیتے[3]۔ باہر سے تشریف لاتے تو بچوں کو سواری پر آگے پیچھے بٹھا لیتے۔ چھوٹے بچوں سے مزاح اور پیار کرتے۔ ابوعمیر ایک بچے نے پرندہ پال رکھا تھا۔ جس کا نام نغیر تھا۔ وہ مر گیا تو اسے رنجیدہ دیکھ کر اس کے دل کو بہلانے کے لئے فرمایا۔ یا ابا عمیر ما فعل النغیر۔ ابوعمیر پرندے کا کیا ہوا[4]۔

واضح رہے کہ یہاں تسلی شفقت اور بہلانے کا انداز الفاظ کے سجع میں ہے جس کا عکس ترجمہ میں نہیں آسکتا۔ کبھی چھوٹے بچے کا محبت سے کان پکڑتے اور فرماتے۔ اے دو کانوں والے[5]۔

بچے اور ماں پر شفقت

ذیل کے واقعہ سے اندازہ کیجئے بچوں سے حضورؐ کو کیا محبت تھی۔ اور صنفِ نازک کا آپ کتنا خیال رکھتے تھے۔ کہ آپؐ فرماتے ہیں۔ میں بعض دفعہ نماز میں ہوتا

۱۔ ادب المفرد باب قبلة الصبیان۔

۲۔ ترمذی ابواب البر والصلة باب ماجاء فی حب الولد

۳۔ ادب المفرد یعطی الثمرة الاصغر من حضر من الولدان۔

۴۔ بخاری کتاب الادب باب الانبساط الی الناس۔

۵۔ ترمذی ابواب البر والصلة باب ماجاء فی المزاح۔

ہوں۔ بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو نماز مختصر کر دیتا ہوں[1]۔ یہ بچے پر بھی رحم ہے اور ماں پر بھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہہ کر بچے کو پیار کا مستحق قرار دے دیا کہ ہر بچہ فطرت صحیح پر پیدا ہوتا ہے۔ یہودی۔ عیسائی۔ مجوسی تو اس کے والدین اس کو بناتے ہیں۔ ورنہ وہ تو فطرت صحیح پر پیدا ہوا ہے[2]۔ کیا اس کے بعد کسی مشرک کے بچہ سے بھی نفرت روا ہے۔

مشرکین کے بچوں پر شفقت

ایک دفعہ جنگ کی لپیٹ میں مشرکوں کے کچھ بچے مارے گئے۔ حضورؐ کو خبر ہوئی تو فرمایا مشرکوں کے بچے بھی تم سے بہتر ہیں۔ خبردار بچوں کو قتل نہ کرو ہر جان خدا ہی کی فطرت پر پیدا ہوتی ہے[3]۔

چھوٹی بچیوں پر شفقت

ہجرت کے موقعہ پر جب انصار کی چھوٹی چھوٹی بچیوں نے اشعار گا گا کر آپؐ کا استقبال کیا تو آپؐ نے از راہِ شفقت فرمایا بچیو! تم مجھ سے پیار

۱۔ ترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء ان النبیؐ قال انی لا سمع بکاء الصبی فاخذف مخافۃ ان تفتتن امہ۔

۲۔ بخاری ابواب التفسیر سورۃ روم قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مامن مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یہودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ۔

۳۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۳ بروایت حسن بن اسود صہ ۳۹

کرتی ہو؟ انہوں نے کہا ہاں یا رسُول اللہ۔ فرمایا! میں بھی تم سے پیار کرتا ہوں[1]۔

ایک بار حضرت عائشہؓ کے گھر میں ایک عورت اپنی دو کمزور بچیوں کے ساتھ آئی۔ اُس نے کھانے کے لئے کچھ طلب کیا۔ گھر میں صرف ایک کھجور تھی۔ حضرت عائشہؓ نے وہی اُٹھا کر دے دی۔ اس عورت نے وہ کھجور آدھی آدھی کاٹ کر دونوں بچیوں کو دے دی اور خود نہ کھائی۔ جب حضورؐ گھر تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ نے یہ واقعہ سُنا کر ماں کی مامتا کا ذکر کیا تو حضورؐ نے فرمایا عائشہؓ! خدا جس کو اولاد کے امتحان میں ڈالے اور وہ اُن کا حق بجا لائے تو دوزخ سے محفوظ رہیگا[2]۔

اولاد کا ماں باپ پر حق

ایک موقعہ پر آپؐ نے فرمایا۔ جس طرح ماں باپ کا اولاد پر حق ہے۔ اولاد کا بھی ماں باپ پر حق ہے[3]۔ اور اگر غور کیا جائے تو پہلے تو اولاد کا ہی ماں باپ پر حق ہے۔ کہ ماں باپ اپنے نفس کو ہی مقدم نہ رکھیں۔ ان کی دیکھ بھال اور اچھی تربیت کریں اور پھر جب وہ بڑے ہوں گے اور ماں باپ بوڑھے تو یہ اُن کی خدمت کر کے اُن کا حق ادا کریں گے۔

۱۔ بحوالہ سیرت النبیؐ شبلی جلد اوّل زیرِ عنوان ہجرت۔

۲۔ "من بلی من ھذہ البنات شیئاً فاحسن الیھن کن لہٗ ستراً من النار۔ (بخاری کتاب الادب باب رحمۃ الولد وتقبیلہ ومعانقتہٖ۔)

۳۔ کما ان لوالدیک علیک حقاً کذٰلک لولدک علیک حقٌ (ادب المفرد باب ادب الوالد و برہ لولدہٖ۔)

اولاد کی تکریم

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی اولاد کی عزّت کرو[1]۔ بے شک اس فقرہ کے یہ معنے بھی ہیں کہ اولاد کو اکرام واحترام سے رکھو۔ عزّت کے الفاظ سے انہیں یاد کرو۔ لیکن یہ بھی ہے کہ اُن کی اچھی تربیت کر کے اچھی تعلیم دلا کر انہیں معاشرہ میں محترم اور مکرّم بناؤ۔



---

[1] اکرموا اولادکم۔

عزیز و اقارب سے حُسنِ سلوک

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کی حدیث ہے کہ "اللہ تبارک و تعالےٰ فرماتے ہیں۔ مَیں اللہ ہوں۔ میں رحمان ہوں۔ مَیں نے رِحم کو پیدا کیا۔ جو رِحم کے رشتوں کو ملاتا ہے۔ وہ مجھ خدائے رحمان کو ملاتا ہے اور جو صِلہ رحمی کی بجائے قطع رحمی کرتا ہے وہ مجھ سے تعلق منقطع کرتا ہے[1]۔

کسی انسان کی عظمت کا معیار صرف یہ نہیں ہے کہ لوگ اس پر جان نچھاور کرتے ہیں۔ اس کے ابرو کے اشارے پر اس کے احکام کی تعمیل ہوتی ہے۔ اس کی سطوت و جاہ وحشمت کے دُنیا میں جھنڈے گڑے ہوئے ہیں — اُس کی عظمت اور اعلیٰ اخلاق کو پرکھنے کے لئے اس کے عجز و انکسار کو بھی دیکھنا ہوگا۔ اس کی سیرت کے مطالعہ کے لئے اُس کی گھریلو زندگی اور عزیز و اقارب سے اُس کے حُسن سلوک کو بھی دیکھیں گے۔ وہ شخص جس کے ذہن اور خلق سے دُنیا متاثر اور فیض یاب ہوتی ہے اُس کے گھر والے اس کے اخلاق اور سلوک سے کیا حِصّہ پاتے ہیں؟ دُنیا کے دھندوں کو سمیٹنے اور مسائل کو سلجھانے کے بعد جب وہ شخص گھر میں قدم رکھتا ہے تو اس کی جبین پر شکن ہوتے ہیں۔ اس کی بھویں تنی ہوتی ہیں یا وہ خندہ پیشانی سے گھر میں داخل ہوتا ہے۔ کیا گھر والوں سے

---

[1] ترمذی ابواب البرّ والصّلة باب ماجاء فی قطیعة الرحم۔

اس کا سلوک ایک ترش رُو حاکم کا ہے یا شفیق باپ کا۔ بچے اُسے دیکھ کر سہم جاتے ہیں یا اس کے متبسم چہرے کو دیکھ کر اُن کے دل کی کلی بھی کِھل جاتی ہے۔

بیٹیوں سے حُسنِ سلوک

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کا سلوک اس بارہ میں بھی قابلِ تقلید تھا۔ آپؐ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کی شادی حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کے عمّ زاد حضرت علیؓ سے ہوئی تھی۔ حضرت فاطمہؓ سے پیار کا یہ حال تھا کہ حضرت فاطمہؓ آپؐ کے گھر آتیں تو آپؐ اُٹھ کر بیٹی کا استقبال کرتے اُسے خوش آمدید کہتے اُس کی پیشانی پر بوسہ دیتے۔[1]

حضور صلّے اللہ علیہ وسلّم سفر پر تشریف لے جاتے تو سب سے آخر میں اپنی لختِ جگر فاطمہؓ کے گھر جاتے اور سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جاتے۔[2]

حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کے بیٹے ابراہیم اُمّ سیف کے گھر میں پلتے تھے۔ اُمّ سیف کے خاوند لوہار تھے۔ حضورؐ ان کے گھر تشریف لے جاتے۔ گھر دھوئیں سے بھرا ہوتا۔ حضورؐ بیٹے سے پیار کرتے۔ اسے سینہ سے لگاتے۔ ایک بدو نے بچے کو چومتے دیکھا تو تعجب کیا اور کہا ہم تو بچوں کو نہیں چومتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل سے شفقت اور اولاد سے پیار نکال

---

[1] - ادب المفرد باب قیام الرجل لاخیہ۔

[2] - مشکوٰۃ کتاب اللباس۔

دیا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں[1]۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی بیٹی زینبؓ حضرت فاطمہؓ سے بڑی تھیں۔ مکّہ سے ہجرت کے وقت دشمنوں نے انہیں سواری سے گرا دیا تھا۔ اِس چوٹ کے اثر سے وہ بیمار رہنے لگ گئیں۔ چھ سال بیمار رہنے کے بعد وہ خدا کو پیاری ہو گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں خود لحد میں اتارا۔ روئے مبارک پر غم کے آثار ہویدا تھے۔ فرمایا یہ بیچاری اکثر بیمار رہتی تھی۔ مَیں نے اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے بہت دُعا کی ہے[2]۔

نواسوں سے حُسنِ سلوک

حضور صلے اللہ علیہ وسلّم اپنی عزیز بیٹی فاطمہؓ کے بیٹوں حسن اور حسین سے بہت پیار فرماتے۔ انہیں گود میں اٹھاتے۔ سینہ سے لگاتے۔ ان کا مُنہ چومتے۔ عجیب انداز میں ان سے لاڈ و پیار کرتے۔ آپ کے صحابی حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا ایک دن حضورؐ نے حسین کو پکڑا ہُوا ہے۔ اس کے پاؤں حضورؐ کے پاؤں پر ہیں اور آپ فرما رہے تھے۔ آجاؤ! چڑھو! اوپر چڑھو! یہاں تک کہ حضرتِ حسین کے پاؤں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے سینہ پر آگئے۔ پھر حضورؐ نے حسینؓ کو کہا مُنہ کھولو۔ حسین نے مُنہ کھولا تو حضورؐ نے مُنہ چُوم لیا اور کہا بارگاہِ الٰہی! مَیں اس سے محبّت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبّت رکھ[3]۔

ایک روز کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو کھانے پر بُلایا۔ آپ کے ساتھ بعض صحابہ بھی تھے۔ گلی میں حضورؐ نے حسین کو دیکھا تو حضورؐ صحابہؓ سے آگے بڑھے۔

۱۔ مسلم کتاب الفضائل۔ ۲۔ مستدرک حاکم جزء ۴ صفحہ ۴۷۔

۳۔ ادب المفرد۔

اور اپنے دونوں بازو پھیلا تے۔ حسین کبھی اِدھر دوڑتے کبھی اُدھر۔ حضورؐ نے اسے پکڑا۔ ایک ہاتھ حسین کی ٹھوڑی کے نیچے رکھا اور ایک سر کے نچلے حصّہ میں اور حسین کا مُنہ چوما[1]۔

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز میں حضورؐ کے ساتھ تھا۔ آپؐ حضرت فاطمہؓ کے خیمہ میں تشریف لائے۔ فرمایا وہ چھوٹا ہے وہ چھوٹا ہے! آپؐ کی مراد حسن اور حسین سے تھی۔ حضرت فاطمہؓ ان کو نہلا رہی تھیں۔ نہلا کر کپڑے پہنائے۔ حسن اور حسین دوڑتے ہوئے آئے اور آکر حضور سے چمٹ گئے۔ حضورؐ نے انہیں سینہ سے لگایا اور خدا سے یوں التجا کی۔ مولا! مَیں ان سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبّت رکھیو[2]۔

اپنے نواسے حضرت حسَن کا عقیقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی گرہ سے کیا اور اس کے کان میں خود اذان دی[3]۔

حضرت فاطمہؓ کا ایک بچہ شدید بیمار تھا۔ بچّے کی حالت نازک ہو رہی تھی۔ حضرت فاطمہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو بُلوا بھیجا۔ حضورؐ نے پیامبر کو کہا فاطمہ کو جاکر کہو۔ خدا کا ہی ہے جو اُس نے لیا اور جو اُس نے دیا۔ ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے۔ اِسے کہو صبر کر اور ثواب کی اُمّید رکھ۔ پیامبر دوبارہ آیا اور کہا فاطمہؓ آپؐ کو قسم دیتی ہیں کہ آپؐ ضرور آئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ سعدؓ بن عبادہ اور معاذؓ بن جبل بھی تھے۔ حضورؐ فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے۔

---

(۱) ۔ ترمذی ابواب المناقب مناقب الحسن والحسین۔

(۲) ۔ مسلم کتاب الفضائل۔ فضائل الحسن والحسین۔

(۳) ۔ ترمذی ابواب الرضاحی باب الاذان فی اذان المولود۔

بیٹی نے اپنا بچہ اٹھا کر باپ کی جھولی میں ڈال دیا۔ بچے کا سانس اکھڑ رہا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے آنسو بہہ پڑے۔ سعدؓ نے عرض کی آقا یہ کیا؟ فرمایا یہ اللہ کی رحمت ہے جو اُس نے اپنے بندوں کے دل میں رکھی ہے۔ فرمایا سعدؓ! اللہ رحم کرنے والے بندے پر ہی رحم کرتا ہے[1]۔

حضورؐ سفر پر تشریف لے جاتے یا سفر سے واپس تشریف لاتے تو حسن اور حسین کو اپنے آگے پیچھے بٹھا لیتے اور کبھی اپنے کندھوں پر سوار کر لیتے[2]۔

مُنہ بولے بیٹے سے پیار

ایک بار آپؐ کے مُنہ بولے بیٹے حضرت زید کے بیٹے اُسامہؓ کے چوٹ لگ گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم خود اس کا خون صاف کرتے تھے اور ماں کی طرح پیار کرتے ہوئے فرماتے تھے اگر اُسامہؓ لڑکی ہوتی تو میں اسے زیور پہناتا[3]۔

ایک روز اسامہؓ کے والد زید آئے۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضورؐ اس طرح اُٹھے کہ اُوپر کی چادر گھسٹتی جاتی تھی۔ بدن مبارک ننگا تھا۔ آگے بڑھے زید کو گلے سے لگایا اور چوما[4]۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے اِس سلوک کو دیکھ کر ہی آپؐ کے زیرک خادم حضرت انسؓ جو دس سال تک آپؐ کی خدمت اقدس میں رہے فرماتے ہیں "میں نے بچّوں پر رسُول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم سے زیادہ رحم کرنے والا کوئی شخص

---

[1] مسلم کتاب الجنائز۔ [2] ترمذی ابواب المناقب مناقب الحسن والحسین۔ [3] مسند احمد جزء سادس۔ ص ۲۲۲

[4] ترمذی ابواب الاداب باب ماجاء فی المعانقۃ والقبلۃ۔

نہیں دیکھا۔[1]

دامادوں سے حسنِ سلوک

دامادی کا رشتہ بہت نازک ہوتا ہے۔ داماد بمنزلہ بیٹوں کے ہوتے ہیں۔ داماد سے پیار بیٹی سے پیار کا تقاضا ہے۔ اور ان سے پیار بیٹی کے گھرانے کو راحت اور سکون پہنچاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا دامادوں سے پیار اور حسنِ سلوک بھی مثالی تھا۔

جب حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کی بیٹی رقیہؓ فوت ہوگئیں تو حضرت عثمانؓ سخت مغموم تھے۔ حضور نے دیکھا تو فرمایا عثمان یہ تیرا کیا حال ہے؟ حضرت عثمانؓ نے عرض کی۔ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان مجھ پر جو مصیبت نازل ہوئی ہے۔ کیا کسی اور پر بھی کبھی نازل ہوئی ہے۔ حضورؐ کی لختِ جگر فوت ہوگئی۔ اللہ اس پر رحم فرمائے۔ میری دامادی کا رشتہ منقطع ہوگیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا عثمانؓ تمہیں یہ غم ہے۔ یہ جبرائیل ہیں۔ انہوں نے مجھے اللہ عزّ وجلّ کا ارشاد پہنچایا ہے کہ میں امِّ کلثومؓ کا نکاح تم سے کردوں۔[2] اور امِّ کلثوم کی وفات کے بعد فرمایا۔ اگر میری تیسری بیٹی ہوتی تو عثمان! وہ بھی تجھ سے بیاہ دیتا۔[3]

دوسرے داماد حضرت علی کے احترام اور ان سے پیار کے کئی واقعات

---

[1] مسلم کتاب الفضائل۔ باب رحمتہ صلی اللہ علیہ وسلّم علی الصبیان والعیال۔

[2] مستدرک حاکم جلد ۴ ذکر امّ کلثوم واسد الغابۃ جزء خامس ص ۶۱۲ مطبوعہ تہران۔

[3] اسد الغابۃ جزء خامس ص ۶۱۳ مطبوعہ تہران۔

کتب حدیث و سیرت میں مندرج ہیں۔

ایک روز حضرت علیؓ حضرت فاطمہؓ سے ناراض ہو کر باہر تشریف لے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہؓ کے ہاں آئے۔ حضرت علیؓ کا پوچھا۔ حضرت فاطمہؓ نے بتلایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کی تلاش میں گئے۔ دیکھا کہ علیؓ مسجد کی دیوار کے سایہ میں لیٹے ہوئے ہیں۔ پشت خاک آلود ہے۔ حضورؐ اپنے دستِ مبارک سے مٹی جھاڑتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ ابو تراب اٹھو![1]

ایک روز حضور صلے اللہ علیہ وسلم امّ المومنین حضرت امّ سلمہؓ کے گھر پر تشریف فرما تھے۔ حضرت فاطمہؓ حلوہ بنا کر لائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ علی اور بچوں کو بھی بلاؤ۔ وہ آئے تو آپؐ نے کھانا شروع فرمایا۔[2]



۱۔ ادب المفرد باب من کنیٰ رجلاً بشیٍ ھو بہ

۲۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صـ۲۹۲ـ

غلاموں سے حُسنِ سلوک

زمانۂ جاہلیت میں کوئی طاقتور قبیلہ کسی کمزور قبیلہ پر شب خون مارتا یا ڈاکہ ڈالتا اور اُن کے افراد کو قید کرکے لے آتا تو یہ بدقسمت لوگ غلام بنائے جاتے جہاں زیادہ قیمت ملتی وہاں فروخت ہوجاتے یا اپنے پاس رکھتے اُن کی آزادی سلب ہوجاتی اور یہ ہر قسم کے سماجی حق سے محروم ہوتے۔ مالک جس طرح چاہتے جیسا چاہتے اُن سے سلوک کرتے۔ اُن کا حامی کوئی نہ ہوتا۔ یہ نسلاً بعد نسلٍ غلام رہتے۔ بازاروں میں بکتے۔ چابکوں کی سختیاں سہتے۔ اُن کی فریاد سُننے والا کوئی نہ تھا۔ نہ کوئی داد رسی کرنے والا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کا احترام قائم کرنے آئے تھے وہ مظلوموں کے حامی بن کر آئے تھے۔ آپؐ نے اس کمزور اور بے بس طبقہ کی اصلاح اور آزادی کا بیڑا اُٹھایا۔

زکوٰۃ کا ایک مصرف غلاموں کی آزادی

قرآن مجید نے امراء پر غرباء کی امداد کے لئے ایک ٹیکس مقرر کیا ہے۔ جسے زکوٰۃ کہتے ہیں یہ ایسے جمع شدہ سرمایہ کا جس پر سال گزر جائے چالیسواں حصّہ ہوتا ہے یہ اصولاً غرباء اور کمزور طبقہ کے لئے ہے اس کا مصرف اسلام نے غلاموں کی آزادی بھی قرار دیا۔ گویا کہ اسلامی حکومت کے خزانہ عامرہ کا ایک مصرف غلاموں کی آزادی ہے۔ پھر اصولی طور پر اسلام نے قبائل کی اُس

ظالمانہ روش کو قانوناً روک دیا فرمایا۔ "کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی قبیلہ پر حملہ کرکے اس کے افراد کو غلام بنائے[1]۔ جو شخص کسی آزاد کو بیچتا ہے اسے جنت کی ہُوا تک نہیں چھوئے گی[2]۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔ جنگ کی صورت میں جنگی قیدی بن کر آئیں تو۔ یا تو انہیں احسان کے طور پر آزاد کر دیا جائے یا پھر انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے[3]۔ فدیہ کی ایک صورت یہ بھی رکھی ہے کہ اگر قیدی چاہے تو مالک سے عقد مکاتبت کرے یعنی وہ اپنے آقا سے ایک رقم مقرر کروائے اور کمانے اور کاروبار کے لئے آزاد ہو جائے پھر کما کر یہ رقم اقساط کی صورت میں ادا کر دے۔ عقد مکاتبت جنگی قیدی کا قانونی حق ہے جس سے مالک انکار نہیں کر سکتا۔ ایک موقعہ پر حضرت انسؓ کے غلام سیرینؓ نے اُن کو مکاتبت کے لئے کہا لیکن حضرت انسؓ نے انکار کیا۔ سیرینؓ حضرت عمرؓ کے پاس شکایت لے کر آئے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے دُرّہ ہاتھ میں لیا آپ قرآن مجید کی وہ آیت پڑھتے جس میں مکاتبت کا حکم ہے اور کوڑا حضرت انسؓ پر پڑتا یہاں تک کہ حضرت انسؓ نے قرآن مجید کے حکم کے سامنے گردن جھکا دی۔ اور سیرینؓ کے عقدِ مکاتبت پر راضی ہو گئے[4]۔ اسلام نے غلاموں کی آزادی پر اتنا زور دیا کہ صحابہ کرامؓ نے ہزاروں ہزار غلام آزاد کئے۔

۱۔ ما کان لنبی ان یکون لہ اسری حتّٰی یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا واللّٰہ یُرِیدُ الاٰخرۃ ۔ (انفال آیت ۶۸)

۲۔ بخاری کتاب البیع جز ثانی باب اثم من باع حُرًّا ۔

۳۔ فامّا منًّا بعد و امّا فداءً (محمدؐ آیت ۵)

۴۔ بخاری کتاب المکاتبت باب المکاتب و نجومہ فی کلّ سنۃ نجم ۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے تیس ہزار غلام آزاد کئے۔ حضرت عثمان بن عفانؓ نے بیس ہزار اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک ہزار غلام آزاد کئے[1]۔

حضورؐ کا غلاموں سے حُسنِ سلوک

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کے غلاموں سے حُسنِ سلوک کا یہ حال تھا کہ غلام زیدؓ جو آپؐ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو دیا تھا۔ حضورؐ کے حُسنِ سلوک سے اتنا متأثر ہُوا کہ جب اُن کے والد اور چچا اُن کو تلاش کرنے آئے اور اُن کی درخواست پر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے زیدؓ کو اُن کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی تو حضرت زیدؓ نے باپ پر حضورؐ کو ترجیح دی اور آپؐ کی غلامی کو ہزار آزادیوں سے بہتر سمجھا۔ کتنی تعجب انگیز بات ہے کہ باپ کے پاس جانے کی بجائے انہوں نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس رہنا پسند کیا۔ اور گھر بار اور وطن کی بجائے حضورؐ کی صحبتوں کو پسند کیا۔ اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ زیدؓ کے قلب ونظر نے جو کچھ یہاں محسوس کیا اور دیکھا وہ دوسری جگہ عنقا تھا۔ زیدؓ کے اس انتخاب کے بعد ہی ہمارے آقا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے زیدؓ کو خانہ کعبہ میں ساتھ لے جا کر اعلان کر دیا کہ آج سے زیدؓ میرا بیٹا ہے[2]۔ اور مرض الموت میں جو الفاظ آپؐ کی زبان پر تھے وہ بھی اس مظلوم طبقہ کے متعلق تھے آپؐ بار بار فرماتے نماز کی پابندی

---

[1]۔ سبل السّلام شرح بلوغ المرام کتاب العتق۔

[2]۔ اشھدان زیداً ابنی۔ شرح مواھب اللدنیہ جز ۳۔

کرنا اور غلاموں سے حُسنِ سلوک کرنا[1] پھر اس بیماری میں پیار و محبت کا عملی اظہار بھی اس زیدؓ کے بیٹے اُسامہؓ سے فرمایا۔ وفات کے وقت اسامہؓ کو پاس بلایا۔ کبھی اُس کے سر پر ہاتھ رکھتے اور کبھی آسمان کی طرف ہاتھ بلند فرماتے[2] اور پھر اس بیماری میں موتہ (شام) کی طرف بھجوانے کے لئے جو لشکر ترتیب دیا اس کا امیر بھی اُسامہؓ کو بنایا۔

غلام بلالؓ سے رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کا یہ سلوک تھا کہ حضورؐ کے گھر کا تمام انتظام و انصرام انہی کے سپرد تھا۔ سَلمان فارسیؓ بھی غلام تھے۔ جن کے متعلق یہ ارشاد فرمایا تھا کہ سَلمانؓ ہم اہلِ بیت میں سے ہے۔

صحابہؓ کا غلاموں سے حُسنِ سلوک

آپؐ نے غلاموں سے حُسنِ سلوک کے متعلق فرمایا جو خود کھاؤ انہیں کھلاؤ اور جو خود پہنو انہیں پہناؤ[3] چنانچہ بعض صحابہ کرام جس کپڑے کی قمیص خود پہنتے اسی کپڑے کی قمیص ان کو پہناتے جس کپڑے کی دھوتی خود بناتے اسی کپڑے کی غلام کو بنا کر دیتے۔ ابوالیسرؓ حضرت ابو ذر غفاریؓ اور حضرت علیؓ کے متعلق یہی روایت بیان کی گئی ہے کہ وہ ارشاد رسُول کی وجہ سے جو خود پہنتے وہی اپنے غلاموں کو پہناتے[4]

---

[1] ۔ الصّلوٰۃ و ما ملکت ایمانکم (ابن ماجہ ابواب الوصیۃ)

[2] ۔ ترمذی ابواب المناقب مناقب اسامہؓ۔

[3] ۔ بخاری فی العتق و فضلہ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلّم العبید اخوانکم فاطعموھم مما تاکلون۔

[4] ۔ بخاری فی العتق و فضلہ باب قول النبی صلی اللہ علیہ و سلم اخوانکم خولکم۔ و مسلم کتاب الزھد اسد الغابۃ حالات حضرت علیؓ۔

مساوات اسلامی کا کس قدر شاندار مظاہرہ ہے کہ وہ مظلوم طبقہ جس کا معاشرہ میں کوئی مقام نہیں تھا اور کوئی حق نہ تھا اسے آقا اور مالک اپنے برابر لاتا ہے۔ اور اس ذہنیت کے پیدا کرنے کے لئے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا لوگو اپنے غلاموں کو مت کہو "عَبدِی" و "اَمَتِی" کہ میرے غلام یا میری لونڈی بلکہ کہو میرے نوجوان اور غلاموں کو بھی کہا کہ مالک کو میرا رَبّ مت کہو "میرا سید" یا میرا مولا" کہو[1]۔ ان الفاظ میں محبت اور الفت کی جانب اشارہ مقصود ہے۔ وہ لفظ جن سے غلامی کی بُو آتی اور جن سے وہ احساس کمتری میں مبتلا ہو سکتے اُن الفاظ کو ترک کرنے کا ارشاد فرمایا اور یہ بھی فرمایا اپنے غلام کو اُس کی طاقت سے بڑھ کر کام نہ دو اور اگر ایسا کرو تو پھر اس کام میں اس کا ہاتھ بٹاؤ۔

ابو مسعودؓ کو ڈانٹ

ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ابو مسعودؓ اپنے ایک غلام کو مار رہے ہیں۔ آپؐ نے وہیں سے آواز دی خبردار! ابو مسعودؓ خبردار! ابو مسعودؓ نے جو پیچھے مُڑ کر دیکھا تو سرکار دو عالم تھے۔ فوراً عرض کی یا رسول اللہؐ میں نے اس غلام کو آزاد کیا۔ فرمایا اگر تم آزاد نہ کرتے تو تمہیں جہنم کی آگ چھوتی[2]۔

غلام پر سختی کرو گے تو خدا سزا دیگا

ایک روز ایک صحابی آئے اور عرض کی یا رسول اللہؐ میں دن میں کتنی بار اپنے

---

[1] بخاری فی العتق و فضلہ۔ [2] کتاب الایمان باب صحبۃ الممالیک۔

غلام کو معاف کروں حضورؐ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اُس نے پھر پوچھا آپؐ نے پھر خاموشی اختیار کی۔ تیسری بار اُس نے دریافت کیا تو فرمایا ستر بار[1]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غلام سے کس حد تک درگزر کرنے کا ارشاد ہے اور یہ اس سلوک کو درست کرنے کے لئے تھا کہ جو عرب اپنے غلاموں سے کرتے تھے۔ وہ اُن کو جانوروں کی طرح داغ دیتے اور کوئی پرسان حال نہ ہوتا۔ اسلام کی تعلیم اور حضورؐ کے عملی سلوک کے نتیجہ میں ایک تو آزاد افراد کو غلام بنانے کی رسم بند ہوئی۔ دوئم جو غلام تھے اُن سے حُسنِ سلوک ہونا شروع ہُوا۔ سوئم اُن کی آزادی کے لئے ضوابط و قواعد مرتب ہوئے۔ جو جنگی اسیر تھے ان کی رہائی کے لئے خاص ہدایات دیں۔ جس کے نتیجہ میں ایک مظلوم اور بے یار و مددگار طبقہ کو سوسائٹی میں آزاد افراد کے برابر حقوق ملے۔ اور یہ اعجاز تھا اسلامی تعلیم اور حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کا۔

ایک صحابی کے پاس دو غلام تھے جن سے اُن کو بہت شکوہ تھا وہ انہیں بُرا بھلا کہتے رہتے اور زد و کوب کرتے لیکن وہ غلام بھی کچھ غیر تربیت یافتہ تھے باز نہ آتے۔ اس صحابی نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا علاج دریافت کیا۔ تو حضورؐ نے فرمایا۔ اگر تمہاری سزا اُن کے قصور کے برابر ہوئی تو فبہا۔ اور اگر سزا اُن کے قصور سے زائد ہو گی تو تمہیں اللہ تعالیٰ اس کے مطابق سزا دے گا۔ یہ سُن کر وہ صحابی زار زار رونے لگے اور عرض کی یا رسول اللہؐ! آپؐ گواہ رہیں میں نے ان کو آزاد کر دیا ہے[2]۔

لوگ اپنے غلاموں کا بیاہ کر دیتے اور جب چاہتے اُن میں تفریق کرا

---

[1] ترمذی ابواب البرّ والصلٰوۃ باب ماجاء فی العفو عن الخادم۔

[2] مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۲۸۰۔

دیتے۔ گویا ان بیچاروں کا کوئی حق ہی نہ تھا۔ چنانچہ ایک صحابی نے جب ایسا ہی کیا تو غلام نے حضورؐ کے پاس آکر شکایت کی۔ حضورؐ نے لوگوں کو ارشاد فرمایا اور منبر پر چڑھ کر اعلان فرمایا کہ لوگ غلاموں کا نکاح کر کے پھر اُن میں تفریق کرانا چاہتے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ نکاح و طلاق کا حق مالک کو نہیں شوہر کو ہے[۱]۔

اسلام کی تعلیم اور حضورؐ کی تربیت کا نتیجہ یہ نکلا کہ غلاموں کو اسلامی سوسائٹی میں آزاد افراد کے برابر درجہ ملا۔ غلام زیدؓ کی شادی حضورؐ کی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ سے ہوئی۔ غلام استاد بنے اور آزاد افراد نے اُن کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کئے۔ غلام عطا ابن رباح حدیث اور فقہ کے امام ہوئے۔ ابن سیرین علم تعبیر الرؤیا میں یکتائے زمانہ ہوئے۔ موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحٰق تاریخ کے استاد ہوئے اور حبشہ کے غلام بلالؓ کا تو یہ مقام تھا کہ جس شخص کی ہیبت سے قیصر و کسریٰ بھی لرزاں تھے میری مراد سیدنا حضرت عمر فاروقؓ سے ہے وہ بلالؓ کو آتا دیکھتے تو فرماتے ہمارا آقا بلالؓ آیا۔ ہمارا آقا بلالؓ آیا۔



۱۔ انّما الطلاق لمن اخذ بالساق۔ ابن ماجہ ابواب الطلاق۔ باب طلاق العبد۔

دشمنوں سے حُسنِ سلوک

اپنوں سے حُسنِ سلوک چنداں مشکل نہیں۔ لیکن جن سے اذیت پہنچی ہوئی ہو۔ جنہوں نے دِل دُکھایا ہو۔ جنہوں نے چرکے لگائے ہوں اُن سے حُسن سلوک کوئی آسان اَمر نہیں ہے۔ اس کے لئے دِل گردے کی ضرورت ہے حوصلہ کی ضرورت ہے۔ خدا کے نیک بندے دوستوں اور دشمنوں سے حُسنِ سلوک کسی معاوضہ کی نیت سے نہیں کرتے وہ تو اس لئے اُن سے حُسنِ سلوک کرتے ہیں کہ یہ اُن کے پروردگار کی مخلوق اور عیال ہے وہ بدی کے بالمقابل نیکی کرتے ہیں وہ سختی کا جواب نرمی سے دیتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُن کے اخلاق اور نیک سلوک ان کا دل موہ لیتا ہے۔ دشمن فدائی بن جاتے ہیں۔ بیگانے اپنے ہوجاتے ہیں، خون کے پیاسے جان چھڑکنے لگتے ہیں۔

دشمنوں کیلئے عفوِ عام اور دُعا

رسُول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے چچا حمزۃ کا کلیجہ چبانے والی ہندہ کو معاف کر دیا۔ ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کو معاف کر دیا۔ زہر دینے والی خیبر کی یہودیہ کو معاف کر دیا، جنگل میں قتل کا ارادہ کرنے والے دعثور سے بھی درگزر فرمایا۔ سر کاٹنے کے ارادہ سے تعاقب کرنے والے سُراقہ کو بھی لکھ کر امان دی[1]۔

---

[1] ۔ فسألته ان یکتب لی کتاب امن۔ (بخاری باب ھجرۃ النبیّ صلیّ اللہ علیہ وسلّم۔)

بائیکاٹ کرنے والے جب خدائی قحط کا شکار ہوئے تو اُن کے لئے آسمانی آقا سے بارش طلب کی۔[1] پتھر برسانے والوں کے لئے ہدایت کی دُعا کی۔ میرے آقا محمدؐ نے دُکھ اُٹھا کر سُکھ پہنچایا۔ خون بہانے والوں کی نسلوں کی بقا کے لئے دُعا کی۔ جو آپؐ کی موت کے خواہاں تھے اُن کے لئے دائمی زندگی چاہی۔

مکّہ میں مخالفت کا سرغنہ عمرو بن ہشام تھا جس کی کُنیت ابوجہل تھی۔ یہ کفّارِ قریش کا سردار تھا حضورؐ کو اذیت دینے میں اُس نے کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ لیکن میرے آقاؐ اس دشمن کے لئے بھی اپنے آسمانی آقا سے ملتجی ہیں کہ اے اللہ تعالیٰ اسے سعادتِ دارین سے حصّہ وافر عطا فرما۔[2] یعنی اسے اسلام کی توفیق بخش۔ اگر اس کے نصیب میں ہدایت ہوتی اگر اس کی کشت میں نمی ہوتی اگر یہ اسلام قبول کر لیتا تو یہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہلاتا یہ چودہ سو سال سے دُعائیں لے رہا ہوتا۔ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی دین اور دُنیا سُدھر جانے کی بھی دُعا کی۔ مَیں جب اس پر غور کرتا ہوں تو میرا دِل و دماغ میرے آقاؐ کی بے پایاں رحمت اور شفقت کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ میرے آقاؐ نے خدائے برحق سے رحمۃٌ للعالمین کا خطاب یونہی تو نہیں پایا تھا۔

مکّہ میں مخالفین نے باہم معاہدہ کے ذریعہ آپؐ کا کھانا پینا بند کیا۔ آپؐ شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے ڈھائی سال تک یہ ظلم مکّہ والوں نے جاری رکھا۔ بچّوں کو بلکتا سُن کر اُن کے دِل نہ پسیجے۔ لیکن جب خدائے قہّار نے انہیں قحط سے پکڑا تو ابوسفیان بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتا ہے اور عرض

---

[1] ۔ بخاری ابواب التفسیر تفسیر سورۃ دُخان۔

[2] ۔ ترمذی ابواب المناقب باب مناقب ابی حفص عمر بن الخطابؓ

کرتا ہے۔ "محمدؐ تمہاری قوم ہلاک ہو رہی ہے۔ خدا سے دعا کرو یہ مصیبت دُور ہو جائے" اور رحمتِ مجسم نے فوراً اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور خدائے محمدؐ نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی سُن لی اور قریش کو اس مصیبت سے نجات دی۔[1]

سر کاٹنے کا ارادہ کرنے والے کو امان

اہلِ مکہ نے آپؐ کا مکہ میں رہنا دوبھر کر دیا وہ خدائے برحق کی تبلیغ برداشت نہ کر سکتے تھے، شراب کے رسیا، جوئے کے عادی، زنا کے دل دادہ آخرت کا ذکر کیونکر سُنتے اُن سب نے مل کر آپؐ کو قتل کرنے کی ٹھانی آپؐ کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ اِذنِ الٰہی سے آپؐ گھر بار کو چھوڑ کر مکہ پر الوداعی نظر ڈالتے ہوئے مدینہ کو روانہ ہو گئے۔ کفّار نے یہ اعلان کر دیا تھا جو محمدؐ یا اس کا سر لائے اُسے سو اونٹ انعام دیا جائے گا۔ انعام کا لالچی سراقہؓ حضورؐ کا تعاقب کرتا ہے لیکن جب محمدؐ کا خدا اُسے سبق سکھاتا ہے اور اس کا گھوڑا زمین میں دھنس جاتا ہے تو سراقہ حضورؐ سے امان طلب کرتا ہے حضورؐ اُسے امان ہی نہیں دیتے آئندہ کے لئے خوش خبری بھی سناتے ہیں۔[2]

دشمن کو پانی سے نہ روکو

بدر کے میدان میں دشمن پہلے پہنچتا ہے وہ جنگی نقطۂ نگاہ سے بہتر جگہ پر

۱۔ صحیح بخاری ابواب التفسیر تفسیر سورۃ دخان۔

۲۔ کیف بك اذالبست سواری کسریٰ۔ زرقانی جز اوّل ص ۳۸۴ عنوان قصۂ سراقہ۔

ڈیرے ڈال دیتا ہے پانی کے چشمہ پر مسلمان پڑاو ڈالتے ہیں خشک چشمہ سے حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کی دعا اور توجّہ سے پانی اُبلنے لگتا ہے۔ بارش مزید کمی دُور کر دیتی ہے۔ دشمن پانی کی تلاش میں چشمہ پر آتے ہیں صحابہؓ پانی سے روکنا چاہتے ہیں۔ رحمت مجسم صلے اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں۔

" نہ روکو پانی لینے دو اور تاریخ کہتی ہے ان پانی پینے والوں میں سے پھر جنگ میں صرف ایک بچا تھا۔ وہ مسلمان ہوگیا۔ اور اُس دن کو یاد کر کے کہا کرتا تھا قسم ہے اس ذات کی جس نے بدر کے دن مجھے بچایا اور وہ تھے حکیم بن حزام[1]

قتل کا ارادہ کرنیوالوں کو معاف کر دیا

حدیبیہ کے موقع پر کفّار نے اسّی افراد کو بھیجا کہ وہ حدیبیہ جائیں اور لشکر کے اِردگرد چھپے رہیں جب موقع ملے (نعوذ باللہ) حضورؐ کو قتل کر دیں۔ یہ تنعیم پہاڑ سے اُترے مسلمانوں کو پتہ چلا اور پکڑے گئے لیکن رحمۃؐ للعالمینؐ نے انہیں معاف کر دیا۔[2]

یہ واقعہ پہلے بھی گزر چکا ہے کہ تین ہجری میں حضورؐ ایک غزوہ کے لئے تشریف لے گئے دوپہر کا وقت، عرب کی گرمی، ساڑھے چار سو صحابہ مختلف درختوں کے سایہ میں بکھر گئے۔ حضورؐ نے پسینہ کی وجہ سے قمیض اتار کر خشک ہونے کے لئے ڈال دی۔ کمر سے تلوار بھی کھول دی آنکھ لگ گئی تو دیکھا دعثور نامی کافر تلوار سونت کر قتل کے ارادے سے کھڑا ہے۔ اور یہ کہہ رہا ہے اب

---

(۱) ۔ ابن ہشام جلد اوّل جز ثانی ص۵۳۔ (۲) ۔ ابن ہشام جلد ۲ جز ثالث ص۷۹

آپؐ کو کون مجھ سے بچا سکتا ہے، جس خدا نے آپؐ کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا. اس نے آپؐ کو بچا لیا. اور جب حضورؐ کے ہاتھ میں تلوار آئی اور وہ حضورؐ کے رحم و کرم پر تھا تو خدا کی مجسم رحمت نے اسے بھی معاف کر دیا[1]۔

غلبہ کے وقت بھی معاف کر دیا

بے چارگی میں دشمن کو معاف کرنے سے زیادہ شاندار وہ معاف کرنا ہے جب دشمن پر پورا غلبہ مل جائے. جب دشمن آپ کے رحم و کرم پر ہو جب اُسے کوئی دنیوی طاقت بچانے والی نہ ہو۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کی زندگی میں وہ دن بھی آیا جب دشمن آپؐ کے رحم و کرم پر تھا. جب خون کے پیاسے آپؐ کے سامنے مجرموں کی حیثیت میں کھڑے تھے، جب ظلم توڑنے والے یہ سمجھتے تھے کہ آج اُن کے ظلم کا پورا پورا حساب چُکا دیا جائے گا. اور اکیس[۲۱] سال کے سارے مظالم اُن کی آنکھوں کے سامنے تھے۔ ابھی بلالؓ زندہ تھے، عمّار موجود تھے جنہیں اُن کے آقا کوڑوں سے پیٹتے تھے شاید وہ آج انتقام کی اُمید بھی رکھتے ہوں لیکن سرکارِ دو عالم محمّد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایسا حسین انتقام لیا کہ دشمن جانثار بن گئے محمّد صلے اللہ علیہ وسلّم سے دُشمنی کرنے والے آپؐ کے قدموں پر آگرے. حضورؐ کے سلوک نے دل جیت لئے۔ آپؐ نے اعلان فرمایا تم پر کوئی تنگی، گرفت اور لعن طعن نہیں۔ جاؤ! تم آزاد ہو[2]۔ اور اسی موقعہ پر ہندہ ابو سفیان کی بیوی کو بھی آپؐ نے معاف فرمایا جس نے اُحد

---

[1]۔ بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ ذات الرقاع۔

[2]۔ اذھبوا انتم الطّلقاء۔ ابن ہشام جلد ۲ جز رابع صفحہ ۸۷

کے میدان میں حمزہؓ کی لاش کی شکل بگاڑ دی تھی ناک کان کاٹ لئے تھے اور پیٹ چاک کر کے کلیجہ چبایا تھا۔ اور ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے بھی حضورؐ کے عفوِ عام سے حصّہ پایا۔[1] ابوجہل کے حق میں وہ مکّی دُعا بھی قبول ہو گئی۔ ابوجہل کی نسل سے جو دُعا کا مستحق تھا۔ اُسے دُعا پہنچ گئی اور حضورؐ کی وہ خواب بھی پوری ہو گئی کہ جس میں حضورؐ نے ابوجہل کے ہاتھ میں جنّت کے انگوروں کا خوشہ دیکھا تھا۔ وہ خوشہ یہی عکرمہؓ تھا۔ ایک شخص حضورؐ کی ہجو کرتا تھا وہ پکڑا گیا۔ عرض کیا حضورؐ اس کے سامنے کے دانت نکال دیئے جائیں۔ تا جب آئندہ ہجو کے لئے کھڑا ہو تو دانت نہ ہونے کی وجہ سے تقریر کرنے کی بجائے سیٹی بجایا کرے اور اسے خفّت کا مُنہ دیکھنا پڑے فرمایا۔ "اگر مَیں کسی کا مُثلہ کروں تو خدا میرا مُثلہ کرے۔

طائف کے مکینوں کے لئے دُعا

طائف کے لوگوں نے پتّھر برسائے۔ خدا کے برگزیدہ نبیؐ کو لہولہان کر دیا۔ خدا کے نبی جن کو ہدایت پہنچانے گئے تھے جن کی جھولیوں کو علم و معرفت کے موتیوں سے بھرنے گئے تھے۔ نعمتِ خداوندی سے مالا مال کرنے گئے تھے۔ انہوں نے استہزاء اور تمسخر کیا اوباش پیچھے لگا دیئے۔ جنہوں نے تین میل تک آپ کا پیچھا کیا اور پتّھر برسائے۔ خدا کا فرشتہ اُن نادانوں پر عذاب کی اجازت چاہتا ہے۔ خدا کا غضب اُن پر ٹوٹنا

۱۔ ابن ہشام جلد ۲ جزء رابع ص ۸۷۵۔

چاہتا ہے۔ لیکن خدا کا نبی اُن کے لئے ہدایت کی دُعا کرتا ہے[۱]۔ خدا کے نبی کی دُعا سے طائف کی زرخیز وادی بچ گئی ورنہ اس کی زرخیزی رخصت ہو جاتی اور یہ زمین آنے والوں کے لئے عبرت کا سامان مہیّا کرتی۔

مخالفوں کیلئے رحمت کی دُعا

طفیل دوسی نے اپنے قبیلہ کی سخت دلی کے باعث حضورؐ سے بد دُعا کی درخواست کی تو فرمایا اے اللہ! اس کے قبیلہ دوس کو ہدایت دے اور انہیں اسلام کے قدموں میں لے آ[۲]۔ خباب بن ارت نے حاضر ہو کر اپنی کوئلوں سے جلی ہوئی پشت دکھا کر کفّار کے لئے بد دُعا کی درخواست کی تو رحمۃؐ للعالمینؐ کا چہرہ غصّہ سے سُرخ ہو گیا[۳]۔ ایک صحابی نے حاضر ہو کر مخالفوں پر لعنت بھیجنے کی درخواست کی تو فرمایا میں لعنت بھیجنے والا بن کر نہیں آیا[۴]۔ ابوہریرہؓ نے والدہ کی بدزبانی کی شکایت کی تو اُن کی والدہ کے لئے ہدایت کی دُعا کی[۵]۔

عبداللہ بن اُبی بن سلول جو مدینہ میں منافقوں کا سردار تھا اور ہر نازک

۱۔ بخاری کتاب بدء الخلق باب اذا قال احدکم آمین والملائکۃ فی السماء آمین فوافقت احدھما الاخریٰ غفرلہ ماتقدّم من ذنبہ

۲۔ اللّٰھم اھد دوسًا۔ وائت بھم (بخاری کتاب الدعوات باب دعاء للمشرکین)

۳۔ بخاری باب علامات النبوۃ فی الاسلام و بخاری باب مبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

۴۔ انی لم ابعث لعّانا ولکن بعثت رحمۃً (ادب المفرد باب لعن الکافر۔

۵۔ اصابہ فی معرفتہ الصحابہ۔

موقعہ پر اُس نے مسلمانوں کی پشت میں خنجر گھونپنے کی کوشش کی تھی۔ ازواج مطہرات پر گندے الزامات لگائے۔ اس نے مخالفت میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی تھی۔ آخر جب مرا تو حضورؐ جنازہ کیلئے تشریف لائے حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہؐ اس کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں؟۔ اس نے یہ کیا تھا یہ کیا تھا۔ اور عرض کی کیا اللہ نے نہیں کہا کہ اگر آپ ستر مرتبہ بھی ان کے لئے مغفرت طلب کریں گے تو وہ انہیں معاف نہیں کرے گا۔

ارشاد ہوُا۔ عمرؓ! مَیں ستر سے زیادہ بار اُس کے لئے خدا سے بخشش طلب کر لوں گا۔[۱] خدا کی بے شمار رحمتیں ہوں اُس وجود پر جو دُنیا میں رحمت مجسّم بن کر آیا۔ جس کی رحمتوں سے اپنوں نے بھی حصّہ پایا اور بیگانوں نے بھی۔ دوستوں نے بھی اور دشمنوں نے بھی۔ جو عورتوں کے لئے بھی رحمت تھے اور بچّوں کے لئے بھی جو انسانوں کے لئے بھی رحمت تھے اور جانوروں کے لئے بھی۔ سچ ہے وہ "رحمةً للعالمین" تھے۔



۱۔ بخاری کتاب تفسیر القرآن باب قولہ استغفر لھم او لا تستغفر لھم ان تستغفر لھم سبعین مرۃً فلن یغفر اللہ لھم۔

حیوانوں سے حُسنِ سلوک

انسان سے حُسنِ سلوک اپنی جنس سے حُسنِ سلوک ہے اور شریف انسان نیکی کا بدلہ نیکی سے دیتا ہے ۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کسی انسان کا دل نہ دکھایا جائے ۔ بندے کا دل خدائے ذو العرش کی تجلّی گاہ ہے ۔ اور کہنے والے نے تو یہاں تک بھی کہا ہے

دل بدست آور کہ حج اکبر است

از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

اسلام نے خدا کی ہر مخلوق سے رحم و شفقت کی تعلیم دی ہے ۔ بے شک بعض جانور اور پرندے حلال ، ان کا کھانا جائز کہ خدا تعالےٰ نے ان کا گوشت کھانا جائز رکھا ہے ۔ اور انہیں انسان کے لئے پیدا کیا ہے ۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہمیں ان سے شفقت اور محبّت کی تعلیم نہیں دی ۔ اور ہم جیسے چاہیں ان سے سلوک کریں ۔

عرب میں رواج تھا کہ زندہ جانور کے جسم میں سے بعض اوقات گوشت کاٹ کر پکا کر کھاتے[1] ۔ اور اس کا خون نکال کر پیتے تھے ۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے اس سے منع فرمایا اور فرمایا اس میں جانور سے شفقت کا پہلو نہیں ۔

---

[1] ۔ ترمذی ابواب الصید ۔ باب ماجاء ، ما قطع من الحی فھو میت ۔

پھر فرمایا کسی جانور کو باندھ کر نشانہ نہ بناؤ[1] کہ پہلے اسے مشقِ ستم بناؤ اور اپنی وحشت کو تسکین دو۔ اور پھر اسے کھاؤ۔ آپؐ نے یہاں تک فرمایا کہ کسی جانور کے مُنہ پر داغ نہ دو۔

کتّے کو پانی پلانے والا بخشا گیا

ایک حدیث میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ ایک دفعہ ایک شخص کنویں میں پیاس بجھانے کے لئے اترا۔ وہ پانی پی کر اُوپر آیا تو دیکھا کہ کتّے کا چھوٹا بچہ شدّتِ پیاس سے کنویں کے باہر کیچڑ چاٹ رہا ہے۔ اس نے کہا جس طرح مجھے پیاس لگی تھی اسے بھی پیاس نے ستایا ہے۔ وُہ جوتا پکڑ کر کنویں میں اترا۔ جوتا پانی سے بھرا اور جوتا کتّے کے سامنے لاکر رکھ دیا۔ کتّے نے پانی پی لیا۔ فرمایا اللہ تعالےٰ نے اس کے فعل کو بپایہ قبولیت جگہ دی۔ اور اس شخص کو بخش دیا۔ اس پر حضرت ابو ہریرۃؓ نے پوچھا یا رسول اللہؐ کیا جانوروں کی خدمت کا بھی ثواب ملے گا۔ فرمایا " ہاں " ہر جاندار کی خدمت کا اجر ملے گا[2]۔"

حضورؐ نے فرمایا ایک دفعہ ایک شخص نے بلّی باندھ لی اس کو کچھ کھانے کو نہ دیا۔ نہ اسے چھوڑا کہ جاکر خود کہیں سے کھا پی لے۔ اور اسے بھوکا مار دیا۔ اللہ تعالےٰ نے اس شخص کو اس جُرم کی سزا میں جہنم میں ڈالا[3]۔

---

[1]۔ ترمذی ابواب الصید۔ باب ما جاء فی کراھیۃ اکل الصبورۃ۔

[2]۔ بخاری کتاب الادب باب رحمۃ الناس والبھائم۔

[3]۔ عذبت امراۃٌ فی ھرۃ حبستھا حتیّٰ ماتت جوعًا فدخلت فیھا النّار۔ (ادب المفرد باب رحمۃ البھائم)۔

اونٹ پر شفقت

ایک حدیث میں آتا ہے۔ کہ حضورؐ ایک انصاری صحابی کے گھر تشریف لے گئے۔ اس کا اونٹ حضورؐ کو دیکھ کر بلبلایا۔ حضورؐ نے پیار سے اس پر دستِ شفقت پھیرا۔ پھر اس انصاری سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ تمہارے اونٹ نے میرے پاس شکایت کی ہے۔ خدا نے تمہیں اس کا مالک بنایا ہے۔ تم خدا سے اس کے بارہ میں کیوں نہیں ڈرتے[1]

ایک بار راہ میں آپؐ کو اونٹ نظر آیا جس کا پیٹ پیٹھ کے ساتھ لگ گیا تھا۔ فرمایا۔ ان بے زبانوں کے متعلق خدا سے ڈرو[2]

ایک موقعہ پر حضورؐ نے دیکھا کہ ایک پرندہ اضطراب کی حالت میں اُڑ رہا ہے اور آواز دے رہا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اسے کس نے تکلیف دی ہے۔ ایک نوعمر صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے اس کے انڈے اُٹھائے ہیں۔ فرمایا۔ اس پر رحم کرو۔ اور انڈے وہیں رکھ دو[3]

پرندہ پر شفقت

ایک موقعہ پر ایک صحابی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ اس کی جھولی میں کوئی چیز تھی۔ اُس نے عرض کی حضورؐ آج عجیب واقعہ دیکھا۔ میں نے ایک پرندے

---

[1] ۔ ابوداؤد کتاب الجھاد باب مایومر من القیام علی الدوابّ والبھائم۔

[2] ۔ ابوداؤد کتاب الجھاد۔

[3] ۔ ادب المفرد باب اخذ البیض من الحمرۃ۔

کے بچے پکڑ لئے۔ اور جھولی میں ڈال لئے۔ بچوں کی ماں میرے سر پر منڈلانے لگی۔ میں نے جھولی کھولی تو بچوں کی محبت کی وجہ سے۔ بچوں کی ماں بھی سیدھی میری جھولی میں آئی اور بچوں سے لپٹ گئی۔ میں نے جھولی بند کر لی۔ اب بچے اور ان کی ماں میری جھولی میں ہیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں اس محبت کے مظاہرے پر تعجب ہوا جو بچوں کی ماں نے اُن کے لئے ظاہر کی۔ خدا اپنے بندوں سے اس سے بھی زیادہ محبت کرنے والا ہے۔ اور فرمایا کہ ان کو چھوڑ دو۔

ذبیحہ پر شفقت

ایک صحابی نے عرض کیا یارسول اللہؐ میں بکری کو ذبح کرتا ہوں کیا میں اس پر رحم کروں حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ ہاں اس پر رحم کرو۔ اور اس پر رحم کی صورت یہ ہے کہ اپنی چھری کو تیز کر لو[1]۔

اب دیکھئے کہ اس پر رحم یہ نہیں کہ اس کو ذبح ہی نہ کرو۔ اور اس کا گوشت ہی نہ کھاؤ۔ یہ بھی غلط جذبۂ محبت ہے۔ لیکن اس میں رحم کا پہلو یہ ہے کہ کُند چھری سے اسے تکلیف نہ پہنچاؤ۔ اس کے زندہ جسم سے گوشت نہ کاٹو۔ اس کے منہ پر داغ نہ دو۔ اسے وقت پر چارہ دو۔ جانور سے اس کی طاقت سے بڑھ کر کام نہ لو۔ کہ ان میں بھی جان ہے۔ یہ بھی خدا کی مخلوق ہے[2]۔

۱۔ ان اللہ کتب الاحسان علی کل شیئ فاذا قتلتم فاحسنوا القتلة۔ اذا ذبحتم فاحسنوا الذبحة و لیحد احدکم شفرته فلیرح ذبیحته

مسلم کتاب الصید والذبائح۔ باب باحسان الذبح والقتل وتحدید الشفرة۔

۲۔ ابوداؤد کتاب الجہاد باب مایؤمر من القیام علی الدوابّ والبہائم۔

حرفِ آخر

سیرت کے حصّہ کا آغاز میں نے حضرت رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اہل خانہ کے بیان سے کیا تھا اور اس ذکرِ شیریں کا اختتام آپؐ کے داماد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک بیان پر کرتا ہوں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ میں نے اپنے ابّا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کی گھریلو زندگی اور جلوت کے بارہ میں دریافت کیا تو آپؓ نے فرمایا حضورؐ جب گھر تشریف لاتے تو تین حصّوں میں اس وقت کو تقسیم فرماتے۔ ایک وقت اللہ عزوجل کی عبادت اور ذکرِ الٰہی میں گزارتے اور ایک تہائی اپنے اہل وعیال کے لئے اور ایک تہائی اپنے نفس کے لئے۔ اس آخری ایک تہائی وقت میں سے تیسرا حصّہ خاص خدام اور خصوصی تعلق والوں کے لئے ہوتا تھا۔ اور آپؐ اس وقت میں بھی جو علمی گفتگو فرماتے وہ عوام تک پہنچ جاتی۔ وہ اس سے محروم نہ رکھے جاتے۔ اور یہ آپؐ کی سیرت میں داخل تھا کہ امّت میں سے اہلِ فضل آپؐ کی اجازت سے آپؐ کے ہاں جاتے۔ اور یہ فضیلت ان کی دینداری کی وجہ سے ہوتی تھی۔ وُہ اپنے علمی مسائل حضورؐ سے دریافت فرماتے۔ ان کے مسائل کا جواب دینے کے بعد آپؐ ان سے فرماتے کہ دوسروں کو بھی یہ مسائل بتادیں۔ آپؐ صحابہ سے فرماتے کہ میرے پاس ان کی ضروریات پہنچا دیا کرو۔ جو میرے تک پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ کیونکہ جو مجھ تک اُن کی ضروریات

پہنچاتا ہے جو میرے تک پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ خدا تعالےٰ قیامت کے دن ایسے شخص کے قدم کو ثبات عطا فرمائے گا۔ جب باہر سے آپؐ کی زیارت کے لئے لوگ آتے تو آپؐ اُن کی خاطر مدارت فرماتے۔ انہیں کھانا پیش کرتے۔ پھر وہی لوگ واپس جا کر لوگوں کی ہدایت کا موجب بنتے۔

اس کے بعد حضرت امام حسین نے حضورؐ کی گھر سے باہر کی مشغولیت کے بارہ میں دریافت کیا۔ تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ حضورؐ بغیر ضرورت زبان نہ کھولتے۔ آپؐ کی گفتگو اور سلوک لوگوں کو محبت دلانے والا ہوتا نہ کہ نفرت دلانے والا۔ آپؐ ہر قوم کے معزز آدمی کا احترام کرتے اور اسے ہی ان پر نگران مقرر فرماتے۔ آپؐ لوگوں کو فتنوں سے بچنے کی تلقین فرماتے۔ آپؐ کی یہ کوشش ہوتی کہ لوگوں کو آپؐ سے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔ وہ آپؐ سے نہ بدکیں۔ آپؐ لوگوں سے خندہ پیشانی اور اچھے اخلاق سے پیش آتے۔ آپؐ اپنے صحابہؓ سے اُن کی خیریت دریافت فرماتے رہتے۔ اگر کوئی مریض ہوتا تو اس کی عیادت فرماتے۔ سفر پر ہوتا تو اس کے لئے دُعا فرماتے۔ لوگوں کے دکھ درد میں شریک ہوتے۔ آپؐ اچھے کو اچھا کہتے اور بُرے کو بُرا۔ مستقل مزاج تھے۔ صحابہ کو اچھی باتوں کی تلقین فرماتے تاکہ وہ آخرت سے غافل نہ ہوں۔ اور آسائش کی طرف نہ جھک جائیں۔ ہر قسم کے حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے تیاری رکھتے۔ اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہوتی۔ آپؐ کے قریب بہترین لوگ ہوتے۔ اور یہ وُہ لوگ تھے جو لوگوں کے خیر خواہ تھے۔ حضورؐ کے نزدیک اس کا مرتبہ بلند ہوتا جو لوگوں کا زیادہ خیر خواہ ہوتا۔ اور اپنی ضروریات پر لوگوں کی ضرورت مقدم رکھتا۔

اس کے بعد حضرت امام حسینؓ نے حضورؐ کی مجالس یعنی جلوت کے متعلق پوچھا۔ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ کہ حضورؐ جب مجلس میں تشریف

فرما ہوتے۔ اور جب واپس تشریف لے جاتے خدا کا ہی ذکر آپؐ کی زبان پر ہوتا۔ جب مجلس میں تشریف لاتے تو جہاں جگہ ملتی وہیں بیٹھ جاتے تھے۔ اور لوگوں کو بھی اسی طرز عمل کی تلقین فرماتے۔ اپنے ہمنشین کا اکرام فرماتے۔ آپؐ کے ساتھ بیٹھنے والا یہ نہ سمجھتا تھا کہ آپؐ کے نزدیک کوئی اس سے زیادہ معزز بھی ہے۔ جو بھی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ آپؐ اس کی طرف پوری توجہ فرماتے۔ یہاں تک کہ وہ خود واپس ہونا چاہتا۔ جو ضرورت مند آتا اس کی حاجت براری فرماتے۔ یا نرم زبان سے اسے جواب دیتے آپؐ کی سخاوت اور اخلاق کا دامن ایسا وسیع تھا کہ آپؐ گویا شفیق باپ ہیں۔ اور لوگ آپؐ کی اولاد۔ آپؐ کی مجلس علم وحیا اور صبر و امانت کی مجلس ہوتی جس میں کوئی شور و شغب نہ ہوتا۔ کسی پر تہمت نہ ہوتی۔ کسی کی عزت پر حملہ نہ ہوتا اور کسی کی لغزشوں کا ذکر نہ ہوتا۔ آپؐ کی مجالس میں سب مساوی ہوتے فضیلت کی بناء محض تقویٰ ہوتی۔ سبھی عاجز اور منکسر المزاج تھے۔ وہاں بڑے کی عزت کی جاتی اور چھوٹے پر رحم ہوتا آپؐ کے قرب کے لئے حاجت مندوں کو ترجیح دی جاتی۔ مسافر کی خبر گیری کی جاتی۔[۱]

ہزاروں عقیدت مندوں نے سرور کونین فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر رہرو قلم کو جنبش دی۔ لیکن انہیں بالآخر یہ اعتراف کرنا پڑا کہ لَا یُمْکِنُ الثَّنَاءُ کَمَا کَانَ حَقُّهٗ کہ ہمارا قلم کوتاہ رہا۔ جس کی حمد کے ترانے ملائکہ گاتے ہیں۔ جسے خدائے ذوالعرش نے "جہانوں کے لئے رحمت" قرار دیا۔ جسے "اسوہ حسنہ" قرار دیا جس کی پرواز "سدرۃ المنتہیٰ"

---

[۱] شمائل ترمذی باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

تک ہے۔ جس کا ہمسفر جرائیل آمین بھی نہ ہو سکا۔ کہ ایک مقام پر جا کر وہ رُوح الامین بھی رک گیا۔ جس کے اخلاق کو دیکھنے والی ایک ہستی نے اسے قرآن کا پَرتو قرار دیا۔ اگر قرآن کی تفسیر کی تکمیل نہیں تو آپؐ کے اخلاق کا بیان بھی کیسے مکمّل ہو سکتا۔ میرے فکر و نظر نے جتنی بھی اپنی بحرِ بے کراں میں غوطہ زنی کی اور جتنی بھی تخیّل پر واز کر سکا۔ میرے آقا د مولیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کا مقام اس سے بلند ہے کیا خوب فرمایا ایک غلامِ محمدؐ نے اور اسی پر مَیں اپنی گذارشات کو ختم کرتا ہوں۔ ؎

ہست او در روضۂ قدس و جلال

واز خیال ما دحاں بالا ترے

کہ وہ پاکیزگی اور جلال کے گلستان میں متمکّن ہے اور تعریف کرنے والوں کے خیال سے بالا تر ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ بَعْدِ حُزْنِہٖ وغمّہٖ لھٰذہ الامّۃ



اللّٰھُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

اے اللہ! اس کی نصرت فرما جس نے دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی

الناشر: عبد المالک دار الذکر ۵ اا-اے علامہ اقبال روڈ۔ لاہور ۵

طبع اوّل: — اکتوبر ۱۹۸۰ء — ایک ھزار

مطبع: محمد محسن لاہور آرٹ پریس ۱۵ انیو انارکلی لاہور